DR. STALKER'S IMAGO CHRISTI

یسوع نے فرمایا راہ اور حق اور زندگی میں ہوں

پس تمہارا مزاج وہی ہو جو مسیح کا بھی

مسیح کا نمونہ

ڈاکٹر سٹاکر صاحب کی کتاب سے ترجمہ کیا گیا

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی لاہور

۱۸۹۶ء

دفعہ اوّل ۱۰۰۰ P. R. B. S. قیمت فی جلد ۸ر

التماس مترجم

مسیح کا نمونہ ڈاکٹر شاکر صاحب کی مشہور کتاب امیگو کرسٹی کا ترجمہ ہے۔ کتاب کا
مقصد اُس کے نام سے ظاہر ہے اس میں مسیح کی تعلیم کا جو اُس نے ہماری اخلاقی یا
روحانی زندگی کے متعلق دی ذکر چھوڑ کر فقط اُس کی زندگی کے نمونے پر بحث کی ہے۔ اور اسلئے
اس کتاب کا مقصد عملی ہے۔ کیونکہ اس میں روزمرہ کی زندگی کے بڑے بڑے تعلقات کو لیکر
اُن کے متعلق مسیح کی زندگی کے تذکرات میں سے خود اُس کے چال چلن پر نظر کر کے ایسی
عملی ہدایات مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن پر ہم کو کاربند ہونا ضرور ہے ×

موجودہ مسیحی مذہب کی نسبت لوگ خواہ کچھ ہی کہیں۔ مگر اس امر سے کوئی انکار نہیں
کر سکتا کہ مسیح کی زندگی اور تعلیم اخلاقی اور روحانی لحاظ سے نہایت کامل۔ اعلےٰ اور پاک تھی۔
نہ صرف اُس کے بعض مخالفوں کی یہ گواہی کہ "ہرگز اس شخص کی مانند کسی آدمی نے کلام نہیں کیا"
بالکل صحیح ہے بلکہ اس کا یہ دعوےٰ بھی کہ "کون مجھ پر گناہ ثابت کر سکتا ہے" آج تک لاجواب رہا ہے۔
اُس کی زندگی ہر ایک درجہ میں اور ہر ایک پہلو سے کامل تھی۔ اُس کے لڑکپن کا یہ قول کہ "کیا تم نے
نہ جانا کہ مجھے اپنے باپ کے یہاں ہونا ضرور ہے" اُس کے جوانی کے قول کے ساتھ کہ "میرا کھانا
یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں اور اُس کا کام پورا کروں" ملاؤ۔ اور پھر
اُس کی زمینی زندگی کی آخری شب کی باتیں سنو کہ "میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا ہے۔ میں
اُس کام کو جو تو نے مجھے کرنے کو دیا ہے تمام کر چکا" تو تم اُس کی تمام زندگی کے کامل اور ہر طرح
کے نقص و عیب سے پاک ہونے کا اندازہ کر سکو گے۔ دین کے بڑے بڑے ہادیوں اور پیغمبروں۔
دنیا کے مصلحین اور فلسفیوں۔ بڑے بڑے بادشاہوں اور بہادروں غرض کہ ہر قماش اور

ہر فرقے کے آدمیوں میں سے۔ دنیا کے ابتدا سے آج تک۔ جن کا نام صفحہ تاریخ پر نظر آتا ہے۔ ہاں اُن میں سے کسی کا نام لو جو اپنی زندگی بھر اور خاتمہ پر صاف الفاظ میں یہ کہ سکتا تھا کہ میں نے اُس کام کو جو میرے سپرد تھا۔ پورا کر دیا۔ میرا چال چلن زندگی کے تمام تعلقات کے لحاظ سے کامل اور بے عیب ثابت ہوا۔ انسان یا خدا میرے خیال یا قول یا فعل میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھ سکتا جس پر کسی قسم کا حرف آسکے۔ تو تم اُس کی زندگی کی عظمت کا کچھ تصور کر سکو گے۔ کیا رسول کے ہمزبان ہو کر سب یہی نہیں کہتے کہ "اگر کہیں کہ ہم بے گناہ ہیں تو اپنے تئیں فریب دیتے ہیں اور سچائی ہم میں نہیں"؟

مگر اُس کی زندگی کی کاملیت فقط اُس کو کامل انسان ہی ثابت نہیں کرتے۔ وہ شخص جو تمام انسانوں سے اس قدر مختلف اور ممتاز ہو یقیناً انسان سے بڑھ کر ہونا چاہیئے۔ اور اسلیئے اُس کی انسانی زندگی کی کاملیت اُس کے الٰہی الاصل ہونے کی ایک سب سے بڑی دلیل ہے۔ وہ خود اپنی زمینی زندگی کی آخری رات کو جب اپنے شاگردوں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ اپنے ایک شاگرد کے سوال کے جواب میں فرماتا ہے کہ "اے فیلبوس۔ میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں اور تو نے مجھے نہ جانا؟ جس نے مجھ کو دیکھا ہے اُس نے باپ کو دیکھا ہے۔ اور تو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا؟ کیا تو یقین نہیں کرتا کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے؟ یہ باتیں جو میں تمہیں کہتا ہوں میں آپ سے نہیں کہتا۔ لیکن باپ جو مجھ میں رہتا ہے وہ یہ کام کرتا ہے"۔ ہاں یسوع مسیح کی زندگی الٰہی زندگی تھی اور اُس کے تمام کام الٰہی کام تھے اور جو لوگ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ خدا کے احکام کے مطابق زندگی گزرانیں۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ خدا کی سی زندگی بسر کریں اُنکو ضرور ہے کہ خداوند مسیح کی زندگی پر غور کر کے اُسی کی مانند چال چلیں +

یہ کتاب کسی صورت سے کامل ہونے کا دعوے نہیں کرتی۔ اس میں فقط زندگی کے بعض بڑے بڑے امور کو لے کر اُن پر بحث کی ہے۔ اس کا مقصد فقط یہ ہے کہ لوگوں کے

سامنے ایک نیا طریق پیش کرے جس کے مطابق وہ خود اپنی تحقیقات کو جاری کریں اور اس لازوال کان سے ابدی زندگی کے موتی کھود کھود کر نکالیں۔ ہر ایک شخص کی زندگی دوسروں سے جدا ہے اور اُس کی خاص ضروریات بھی الگ ہیں۔ مگر چونکہ مسیح صرف کامل انسان ہی نہیں بلکہ انسانیت کا کامل مجموعہ ہے اسلیئے ہر ایک شخص اُس کی زندگی میں اپنی زندگی کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق ایک کامل نمونہ دریافت کر سکتا ہے *

ہر ایک باب کے شروع میں اُس مضمون کے متعلق اناجیل میں سے کئی ایک آیات کا حوالہ درج کیا گیا ہے۔ مگر یہ فہرست کسی صورت سے کامل نہیں کہی جا سکتی تاہم ان آیات کو نکال کر پڑھنے اور اُن پر غور کرنے سے مسیحی نمونہ کو دریافت کرنے اور اُس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنانے میں بہت مدد مل سکیگی۔

مترجم ترجمہ کے نقصوں سے آگاہ ہے۔ اصل کتاب عالمانہ زبان میں لکھی گئی ہے اور اس کے علاوہ اُس میں اس قسم کے خیال ظاہر کئے گئے ہیں جن سے ہمارے دماغ اور زبان کبھی مانوس نہیں ہوئے۔ اسلیئے شاید بعض مقامات پر اجنبی خیالات اور محاورے ناظرین کو دقت میں ڈالیں۔ لیکن تو بھی مترجم نے اس کتاب کو عام فہم عبارت میں ترجمہ کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اُس کی یہ محنت دلی محبت اور شکر گزاری کا اظہار ہے۔ جو اُسکو اس کتاب کے نفس مضمون سے ہے۔ اور اُس کی دلی دعا ہے کہ خداوند اس کو بہت سی روحوں کی نجات کے لئے استعمال کرے۔ خدا کرے کہ اس کے مطالعہ سے بہت لوگ خداوند یسوع مسیح کے کامل انسانی نمونہ پر غور کرتے کرتے اُس کی الوہیت کی طرف رہنمائی پاویں۔ اور اُسی کو اپنا اکیلا منجی اور خداوند قبول کرکے ابدی حیات کے وارث ہوں۔ ابد تک اُسی کا جلال ہو۔ آمین *

لاہور - جولائی سنہ ۱۸۹۶ء

فہرست مضامین

231.73
S681M

مسیح کا نمونہ

نمبر صفحہ

۱

تمہید

پہلا باب

تمہید

تقلید المسیح مصنفہ ٹامس۔ اے کمپس

بائبل کو چھوڑ کر مسیحی کلیسیا میں اور کسی کتاب نے ٹامس۔ اے۔ کمپس کی تقلید المسیح کی برابر شہرت واشاعت حاصل نہیں کی۔ صرف ایک اور کتاب ہے جو اس شہرت دہر دلعزیزی میں کسی قدر اُس کی برابری کا دعوے کرسکتی ہے اور وہ بنئین صاحب کی کتاب مسیحی مسافر ہے۔ مگر مسیحیوں کے دلوں میں جو جگہ مذہ کتاب کو حاصل ہے۔ وہ مسیحی مسافر سے کہیں بڑھکر ہے۔ کیونکہ جب کہ دیو کی تصویر بہت سے متعصب رومی کلیسیا والوں کو مسیحی مسافر کے مطالعہ سے

باز رکھتی ہے۔ تقلید المسیح کو تمام مسیحیوں کی نظر میں خواہ وہ کسی کلیسیا سے تعلق رکھنے یا دنیا کے کسی حصّہ کے رہنے والے ہوں یکساں عزّت حاصل ہے۔

پراٹسٹنٹ لوگوں کے لئے خاص اس وجہ سے بھی یہ کتاب دلچسپی رکھتی ہے کہ وہ ایک پراٹسٹنٹ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں۔ یہ کتاب پندرھویں صدی میں تصنیف ہوئی۔ اور اُس کا مُصنف لوتھر سے ایک صدی کے قریب پہلے گزرا۔ اسلئے یہ اُس زمانہ سے تعلق رکھتی ہے جو مسیحی کلیسیا کی تاریخ میں نہایت ہی تاریک زمانہ شمار کیا جاتا ہے جب کہ انسانی غلط تعلیم کے سامنے خدا کی روشنی گل ہونے کے قریب معلوم ہوتی تھی۔ پراٹسٹنٹ لوگ اِصلاح سے پہلے زمانہ کی نسبت مشکل سے یہ خیال کرتے ہیں کہ اُس وقت مسیحی مذہب زندہ تھا۔ کیونکہ اُس عہد پر نظر کرنے سے اس قدر بے شمار غلطیاں اور خرابیاں آنکھوں کے سامنے آتی ہیں کہ خیال گزرتا ہے کہ اُس زمانہ میں مسیح کا مذہب صفحہ دنیا سے گویا بالکل نیست ہوگیا تھا۔ مگر یہ اکیلی کتاب ہی اِس غلطی کو رفع کرنے کے لئے کافی ہے۔ تقلید المسیح ایک ایسی آواز کی مانند ہے جو تاریکی میں سے نکل کر ہم کو یہ یاد دلاتی ہے کہ مسیح کی کلیسیا کبھی بالکل معدوم نہیں ہوئی۔ بلکہ بڑے سے بڑے زوال کے زمانے میں بھی خدا کے شاہد اور مسیح کے عشّاق دُنیا میں برابر موجود تھے۔

خود تقلید المسیح میں بھی اُس بُرے زمانہ کے جس میں وہ لکھی گئی ایک نشان ملتے ہیں۔ اُس میں بعضے ایسے توہمات باطلہ کا ذکر ہے جو زمانہ حال میں بالکل مردود ہیں۔ مگر اُس خراب زمانہ کی اِن یادگاروں کو دیکھ کر اس کتاب کی نہایت عمیق

مسیحی روحانیت اَور بھی تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے۔ اُس کے ہر صفحہ میں مسیح کی محبّت اور عقیدت کے ایسے پرجوش بیانات ملتے ہیں جو ہر زمانہ کے مسیحی لوگوں کے دل میں گھر کرنے والے ہیں +

"اَی میرے پیارے شوہر یسوع مسیح تو نہائت پاکباز عاشق اور تمام مخلوقات کا حاکم ہے کون مجھے سچّی آزادی کے بازو عنائت کریگا کہ میں اُڑ کر تجھ میں آرام پاؤں +

"اَی یسوع۔ تو ابدی جلال کی رونق اور مسافر روح کی تسلّی ہی۔ تیرے حضور میں میرے ہونٹ خاموش رہتے ہیں۔ لیکن میری خاموشی ہی تجھ سے کلام کرتی ہی۔"

"میرا خداوند کب تک آنے میں توقف کریگا؟ کاش کہ وہ اپنے اس خادم کے پاس آئے۔ اور اُس کو خوش کرے۔ آ۔ آ۔ کیونکہ تیرے سوا میرے لئے کوئی خوشی کا روز یا گھڑی نہیں۔ کیونکہ تو ہی میری خوشی و خرمی ہی اور تیرے سوا میرا دسترخوان کبھی نہیں بچھتا۔"

"اَور لوگ تیرے سوا اَور اَور چیزوں کی جو اُنہیں اچھی لگیں تلاش کریں تو کریں۔ مگر اے میرے خدا میری اُمّید۔ میری ابدی نجات۔ مجھے تو تیرے سوا اور کوئی چیز خوش نہیں آتی۔ اور نہ کبھی خوشی آئیگی۔"

تمام کتاب منجی کی محبت کے اس قسم کے پرجوش اقرارات سے پُر ہی اور اُس میں منجملہ ایک بڑی عجیب بات یہ ہے کہ رُوح سیدھی مسیح کے پاس جاتی ہی اور

فضل کے اُن وسائل پر کبھی نہیں ٹھیرتی جو اُس زمانہ میں عموماً منجی کے قائمقام سمجھے جاتے تھے۔ اور نہ وہ مقدّس کنواری یا دیگر مقدّسین کی توسّل یا سفارش کی۔ جس پر رومی کلیسیا کی عبادتی کتابوں میں اِس قدر زور دیا جاتا ہے کچھ حاجت معلوم کرتی ہے۔ یہ بات کل کتاب میں سب سے زیادہ صحیح اور تسلّی بخش عنصر ہے اور ہر ایک ایسے شخص کے لئے خوشی کا باعث ہے جو یہ یقین کرنا چاہتا ہو کہ اُس زمانہ میں بھی جب حقیقی دینداری کی روح عبادت کے ظاہری دستورات کے نیچے دب رہی تھی۔ بہُت ایسی روحیں بھی تھیں جو اِن تمام رکاوٹوں کے باوجود زندہ منجی کی مواصلت میں خوش تھیں۔

۲

اگرچہ تقلید کے مُصنّف کے حالات بہت کم معلوم ہیں مگر جو شخص اِس کتاب کو مطالعہ کرتا ہو وہ اُس کی طبیعت سے نہائت گاڑھی واقفیت حاصل کرلیتا ہے۔ مؤرّخ کی نظر میں تو اُس کی ہستی سایہ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ مگر زاہد و عابد شخص

---

[۱] یہ ابھی تحقیق نہیں ہوا کہ تقلید المسیح کا مُصنّف کون تھا اور شاید کبھی بھی معلوم نہ ہو۔ اس بحث میں سینکڑوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ مگر تو بھی اب تک اس امر کا فیصلہ نہیں ہوسکا۔ نو یا دس بزرگ اشخاص میں سے جن پر وقتاً فوقتاً اس کتاب کے مُصنّف ہونے کا شبہ کیا گیا صرف دو ایسے ہیں جن کی نسبت عام رائے کا غلبہ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ٹامس ہیمرکن ساکن کیمپن اور جین۔ ڈی۔ شارلیر ڈی جیرسن۔ اول الذکر کو لَٹ واقع فرانس کے اُسقفی علاقہ کے ایک راہب خانہ موسومہ سنٹ اگنیس کا نائب حاکم تھا۔ اور دوسرا بیت العلوم پیرس کا چینلر اور اپنے زمانہ کے نہایت مشہور و معروف اشخاص میں سے تھا۔

کے لئے اُس کی شخصیت نہائت صاف وواضح ہے۔ اُس کی شخصیت سب سے جدا اور بآسانی پہچانی جاسکتی ہے۔ اور باوجودیکہ اُس کی عقیدت و اخلاص نہائت

(بقیہ نوٹ) یہ دونو مقدس ایک ہی زمانہ میں جو روحانی لحاظ سے نہائت خشک اور مُردہ تھا پیدا ہوئے۔ یہ ایک نہائت خرابی اور بے امنی کا زمانہ تھا۔ جبکہ ملکی فسادات اور مذہبی زوال قحط و جنگ۔ مصیبت اور شورش۔ جہالت اور بدکاری زوروں پر تھی۔ د تامس اے کمپس ۱۳۷۹ء میں پیدا ہوا اور بانوے سال کی عمر میں ۸۔ اگست ۱۴۷۱ء کو مرگیا جرسن ۱۳۶۳ء میں پیدا ہوکر ۶۱ سال کی عمر میں فوت ہُوا یہ دونو اصحاب چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک ایک دوسرے کے ہمعصر رہے۔ مگر اُن کے حالات ایک دوسرے سے نہائت مختلف تھے۔

تامس کا باپ اہل حرفہ میں سے تھا تامس ایک عزلت گزین شخص تھا اور پُرانے نسخوں کی نقلیں کرکے اپنا گزارہ کرتا تھا۔ اُس نے ڈیو نیٹر نامی ایک قصبہ میں تعلیم پائی اور اکیس سال کی عمر میں ایک راہب خانہ میں داخل ہوگیا۔ جہاں وہ ستر سال سے زیادہ عرصہ تک نہائت امن و اطمینان سے بسر کرکے مرگیا۔ اس عرصہ میں صرف ایک حادثہ اُس کی زندگی میں واقع ہُوا اور وہ یہ تھا۔ کہ بجائے اس کے کہ ایک صدر اسقف کو جس کے تقرر سے پوپ نے انکار کیا تھا قبول کرے وہ اپنے راہب خانہ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ مگر اُس کی یہ جلاوطنی بہت عرصہ تک نہ رہی +

مگر جرسن کی زندگی اس سے نہائت ہی مختلف قسم کی تھی۔ وہ اپنے ایام جوانی میں ترقی کرکے بیشتر اس کے کہ اُس کی عمر تیس سال کی ہوئی پیرس کے بیت العلوم میں چینسلر کے نہائت مُعزز عہدہ پر مقرر ہوگیا۔ جہاں اُسے پوپوں اور کونسلوں جماعتوں اور بادشاہوں کے

اعلےٰ اور جوش آمیز ہے تو بھی اُس میں ایک قسم کی سادگی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ جس سے ہمارے دل خود بخود اُس کی طرف کھچے جاتے ہیں۔ علاوہ بریں جب

(بقیہ نوٹ) ساتھ سخت جد وجہد کی زندگی بسر کرنی پڑی۔ اور جب اُس کی تمام زندگی آخر کار ناکامی میں ختم ہوتی ہوئی معلوم ہونے لگی تو اُس نے دیکھ لیا۔ کہ آدمی خواہ کیسا ہی بلند رتبہ کیوں نہ ہو پھر بھی کیسی خورد اور بے حقیقت چیز ہے۔ اور انسان کی ناکامل راہیں خدا کی کاملیت سے کس قدر مختلف ہیں۔ اُس وقت یہ چینسلر اعظم جو بڑی بڑی کونسلوں کی جان تھا اور جس کے سامنے پوپ بھی کانپتے تھے آخر کار اپنی جان لے کر بھاگا اور سنٹ لائنس کے ایک راہب خانہ میں جا کر جو اُس کے بھائی کے زیر اہتمام تھا پناہ لی۔ وہاں اُس نے ایک غریب اور گمنام راہب کی حیثیت میں اپنی زندگی کے باقی دن فروتنی اور عجز کی حالت میں بسر کئے۔ اُس وقت جبکہ وہ بوہیمیا کے کوہستان میں اُداس اور خطرات کے درمیان آوارہ پھر رہا تھا۔ جو خیالات اُس کے دل میں پیدا ہوئے وہ اُس کی گزشتہ پُر اضطراب زندگی کے خیالات کی نسبت بہت مختلف تھے۔ یا یوں کہو کہ زمانہ سابق کی اشیا اُس کی روح کے خط افق سے اُن آتشی رنگوں کی مانند جو بادلوں کے درمیان آفتاب کے غروب ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ غائب ہو گئی تھیں۔ لیکن جیسے کہ غروب کی سرخی مدھم ہو جانے پر لازوال ستاروں کی روشنی نظر آنے لگتی ہے۔ اُسی طرح جب زمینی حرص و ہوا کے رنگین بخارات پھیکے پڑ گئے تو آخر کار اب جرسن اُن زندہ یوتوں کو جو روحانی اُمیدوں کی گہرے فضا میں درخشاں ہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ بڑے بڑے علماء کے درمیان پیشوا رہ چکا تھا مگر اب وہ صرف سیدھی سادی سچائیوں کی پروا کرتا تھا۔ وہ عزت و شہرت کے میدان میں ایک جنگی بہادر رہ چکا تھا۔

ہم کتاب کو کھولتے ہیں تو ایسا محسوس کرتے ہیں کہ گویا ہم ایسے شخص کی صحبت میں بیٹھے ہیں۔ جس نے فی الحقیقت زندگی کا راز دریافت کرلیا ہے۔ ہم جان لیتے ہیں کہ وہ ایک ایسا شخص ہے۔ جس نے زندگی کی تھکا دینے والی آوارہ گردی کے بعد جس میں شاید ہم بھی اِس وقت پھنسے ہوئے ہیں۔ اور بہت سی جدوجہد کے بعد جس میں ہم مشغول ہیں۔ آخر کار خدا کی اطمینان کو حاصل کرلیا ہے۔ وہ ہمیں الگ لے جاتا اور ہاتھ پکڑ کر ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہم آرام کے ملک کو ملاحظہ کریں۔ اس کتاب میں یہی خوبی ہے جو سب سے بڑھ کر ہے اور جس کو کبھی زوال نہیں ہوگا۔ ہم سب کے دلوں میں ایک قسم کا خفیہ اعتقاد ہے کہ دنیا میں ضرور کسی نہ کسی جگہ کوئی ایسا بہشت ہے جو اس قسم کے دکھ اور تکلیفات سے جن میں ہم گرفتار ہیں۔ پاک ہے! اور جسے خدا کے فضل کے دریا سیراب کرتے ہیں۔ اور جب کبھی کوئی ایسا شخص ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے طور وطریق اور خوبو سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا کے اِس باغ عدن میں رہ چکا اور اِس دریا کے پانی سے سیراب ہوا ہے۔ تو ہم اُس کو بڑی خوشی سے قبول کرتے اور بڑے شوق سے اُس کی باتیں سنتے ہیں +

مگر یہ خوشنما زمین کہاں ہے؟ یہ بہت دور نہیں۔ یہ خود ہمارے اندر ہی ہے

(بقیہ نوٹ) مگر اب اُس نے زہد و عزلت کی زندگی اختیار کرلی تھی۔ اپنی آتشی کشمکش کے زمانہ میں وہ چلا اُٹھا تھا کہ "سلامتی۔ سلامتی۔ میں سلامتی کا طلبگار ہوں"۔ لیکن اب آخر کار اُس کی روح میں وہ اطمینان جو دنیا دیتی ہے نہیں۔ بلکہ وہ اطمینان جو سمجھ سے باہر ہے داخل ہوا۔ فیرنز +

کیونکہ لکھا ہے۔ کہ "خدا کی بادشاہت تم میں ہے"۔ لوگ اپنے سے باہر خوشی کی تلاش
کرتے ہیں۔ یعنی مال و دولت میں علم میں شہرت و ناموری میں۔ دوستوں او
رشتہ داروں میں۔ اوروں کا ذکر تذکرہ کرنے یا نئی نئی خبریں سننے میں۔ وہ عجائبات
کی تلاش میں دنیا کے حصوں میں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں۔ وہ سمندر کی تہ
میں جاتے اور دولت کی تلاش میں قعر زمین تک پہنچتے۔ اُن کے شورانگیز جذبات
اُنہیں عیش و عشرت کی عجیب و غریب اشیا کی جستجو پر مجبور کرتے۔ وہ ایک دوسرے
سے جنگ کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں سے ہر ایک اپنی دلی بے اطمینانی سے یہ یقین کرتا
ہے کہ اُس کا بھائی اُس خوشی کو جو اُس کا حصہ تھی اُس سے چھین لے گیا ہے۔ مگر
اس تمام عرصہ میں اُن کے پاؤں خوشی سے برابر ٹکر کھاتے رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ
درحقیقت سنگ راہ کی طرح اُن کے پاؤں ہی میں پڑی ہے۔ وہ اُس کی تلاش میں
زمین کی حدود تک بھاگے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ گھر ہی میں موجود ہے۔

"جب کبھی ایک آدمی کسی چیز کی حد سے بڑھکر خواہش کرتا ہے۔ تو
اُس کے دل میں اُسی وقت اُس کے لئے ایک قسم کی بے چینی پیدا ہو جاتی
ہے۔ مغرور اور حریص آدمی کو کبھی چین نصیب نہیں ہوتا۔ مگر یہ صرف روح
کے غریب اور فروتن لوگ ہیں جو اطمینان و سلامتی کی بہتات میں چین کرتے ہیں"۔

"ہم بھی بہت کچھ اطمینان و سلامتی حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اپنے کو دوسروں
کے اقوال و افعال میں یا ایسی چیزوں میں جن سے ہمیں کچھ واسطہ نہیں نہ لگائیں"۔

"وہ شخص کس طرح زیادہ عرصہ تک امن و اطمینان سے رہ سکتا ہے

جو اپنے کو اوروں کے فکر و اندیشہ میں پھنسا دیتا ہے۔ جو ہمیشہ باہر جانے کے لئے تڑپتا رہتا ہے۔ اور اپنے اندر کبھی اطمینان اور چین سے نہیں ٹھیرتا"۔

"پہلے اپنے آپ میں اطمینان پیدا کرو اور تب تم اوروں کو اطمینان دے سکو گے"۔

"ایک نیک اور مطمئن آدمی سب چیزوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ ایسا شخص اپنے آپ پر فتحمند۔ دنیا کا خداوند۔ مسیح کا دوست اور آسمان کا وارث ہے"

یہ نصائح بھی سننے میں ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے دنیا اکثر اپنے معلموں کی زبان سے سنتی رہتی ہے۔ وہ سننے میں سنوئیقی فلسفیوں کے مسائل کی مانند معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے آخر کار مَیں کو ایک چھوٹا سا شیخی باز خدا بنا لیا۔ وہ زمانہ حال کے بعض معلموں کی تعلیم کی مانند سنائی پڑتی ہیں جو اپنی ہستی کی مینار کو تعمیر کرنا اپنی زندگی کا حقیقی مقصد سمجھ کر دوسروں کے حقوق اور اخلاق کے نہائت پاک احکام کو اپنی تہذیب نفس کے واسطے قربان کر دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ کہ باطنی انسان کی خبرداری سب سے بڑھ کر ہم پر فرض ہے رفتہ رفتہ مغرورانہ خودغرضی کے مسئلہ میں تبدیل ہو جائے۔ مگر ٹامسن اے کیمپس نے اس بگاڑ کا پہلے ہی سے بندوبست کر لیا ہے۔ اُس کے اقوال میں کوئی ایسے کرارے یا چبھتے ہوئے قول نہیں جیسے وہ جو اُس نے خودی کی سرفرازی کے برخلاف لکھے ہیں۔ جب وہ ہم کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ ہم بیرونی اشیا سے مُنہ پھیر کر اندرونی دولت اور خوشی کی طرف متوجہ ہوں

تو وہ یہ بھی ساتھ ہی کہتا ہے کہ یہ خوشی و اطمینان ہمکو اپنے آپ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ وہ ہمارے ہی اندر موجود ہے۔ ہم کو اپنے اندر جگہ خالی کرنی چاہئے تاکہ وہ خدا سے معمور ہو جائے۔ کیونکہ روح کا حقیقی اطمینان صرف اُسی سے ہے +

"یہ جان لو کہ اپنے آپ کی الفت دنیا کی کسی اور چیز کی نسبت تمہیں زیادہ نقصان پہنچاتی ہے"+

"اُس نقص پر کہ آدمی حد سے بڑھکر اپنے کو عزیز رکھتا ہے۔ اُن تمام نقصوں کا مدار ہے۔ جن کی تمہیں بیخ کنی کرنی اور جن پر فتح حاصل کرنی ہے۔ اور جب یہ خصلت ایک دفعہ مغلوب و پس پا ہو جائیگی۔ تو فی الفور بہت سا امن اور اطمینان حاصل ہو جائیگا"+

"مسیح خود اپنی تسلی و اطمینان لئے ہوئے تیرے پاس آئیگا۔ بشرطیکہ تو اُس کے رہنے کے لئے پہلے ایک مناسب جگہ تیار کرے"+

"وہ باطنی انسان کی ملاقات کو بہت دفعہ آتا ہے۔ اُس کی رفاقت نہایت شیریں۔ اُس کی تسلّی نہایت فرحت بخش۔ اُس کا امن نہایت عظیم۔ اُس کی بے تکلفی نہایت حیرت بخش ہے۔ اسلئے مسیح کو اپنے دل میں جگہ دو۔ اور اَور سب پر اپنے دل کا دروازہ بند کر دو"+

"جب مسیح تمہارے پاس ہے تو تم دولتمند ہو۔ اور وہی تمہارے لئے کفائت ہے۔ وہ تیرے لئے سب کچھ مہیا کریگا اور وفاداری سے تیری تمام حاجتوں کو رفع کریگا۔ اسلئے تمہیں کسی آدمی کا دست نگر

ہونے کی کچھ ضرورت نہیں "

"مسیح ہم سے فرماتا ہے۔ بیٹا اپنے آپ کو بھول جا۔ تب تو مجھے پائیگا"

۳

تقلید المسیح کی خوبیاں بے مثل اور لازوال ہیں۔ مگر پھر بھی یہ کتاب اُن نقائص سے خالی نہیں جو کم بیش اُس زمانے اور حالات سے ملحق تھے۔

۱۔ تقلید المسیح میں ایک نقص ہے۔ جو بالکل ظاہر ہے۔ اور جس کا عموماً ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا مصنف ایک راہب تھا۔ اور اُس کو راہب خانہ کی دیوارو کے اندر زندگی بسر کرنے کے لئے فقط چند ہی قواعد کی ضرورت تھی۔ مگر ہم آزاد ہیں اور آزمائش و خطرات سے بھری دنیا کے درمیان رہتے ہیں۔ جس کے لئے ہم کو ایک زیادہ عالم اور وسیع نمونہ کی ضرورت ہے۔ اے کمپس اور اُس کے بھائیوں کے نزدیک یہ دنیا شریر (شیطان) کی مملکت ہے جس سے وہ بھاگ کر نکل گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُس سے کسی قسم کا لین دین رکھیں وہ اُس کی حالت کی بہتر و درست بننے کی امید کو چھوڑ چکے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "تمہیں چاہئے کہ آدمیوں کی محبت و الفت کی نسبت ایسے مردہ ہو جاؤ کہ جہاں تک ہو سکے۔ انسانی صحبت کے بغیر رہنے کے خواہشمند ہو" خود زندگی بھی اُس کے نزدیک ایک مصیبت تھی۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب کے ایک نہائت تاریک اور پُر درد صفحہ میں صاف لکھتا ہے "سچ مچ اس زمین پر جینا بھی ایک مصیبت ہے"۔ یہ خوشی کی بات ہے۔ کہ ہمارا یہہ اعتقاد نہیں۔ کیونکہ دنیا ہمارے نزدیک نہ تو ورق سادہ کی طرح ہے۔ نہ ورق اغدار کی

طرح بلکہ نہائت گہرے معنوں سے پُر ہے۔ اور اُس کا انجام نیک ہی +

ہمارے نزدیک وہ خدا کی دنیا ہی۔ اور ہمارا کام یہ ہے کہ اس زندگی کے تمام حصوں میں اُسی کی مرضی کو پورا کریں۔ اور اُسی کے کلام کو تمام شاہراہوں اور کوچوں میں پھیلائیں۔ رہبانیت گویا مسیحی مذہب کی طرف سے اس امر کا اقرار تھا کہ دنیا نے اُس کو پسپا کر دیا ہے۔ لیکن امروز مسیحی مذہب اپنا جھنڈا ہر ایک ساحل پر قائم کر رہا ہے اور فتح کرتے ہوئے اور فتح کرنے کو آگے آگے قدم مار رہا ہے +

۲۔ ایک دوسرا نقص جو اس میں ہے سو یہ ہے کہ اس میں اُس روحانی اتحاد کا جو ایمانداروں کو مسیح کے ساتھ حاصل ہوتا ہے کچھ ذکر نہیں۔ مقدس پولوس کی تمام تعلیم کے دو بنیادی مسائل ہیں یعنی مسیح کی موت کے وسیلے ہمارا راستباز ٹھیرنا اور ہمارے اندر مسیح کی زندگی پیدا ہونے سے ہمارا مقدس ہونا۔ موخر الذکر سچائی اگرچہ تقلید کے صفحوں میں برابر پائی جاتی ہے۔ مگر اُس کی عظمت پورے طور پر جیسا کہ اس کا حق تھا۔ ظاہر نہیں کی گئی +

کیونکہ اگرچہ تقلید المسیح کا نام نہائت خوبصورت معلوم ہوتا ہے تاہم یہ نام اُس گہرے اور پوشیدہ طریق کو پورے طور پر ظاہر نہیں کرتا۔ جس کے مطابق مسیح کے لوگ اُس کی مانند بنتے جاتے ہیں۔ تقلید یا نقل ایک بیرونی عمل ہے۔ جس سے ایک شخص کسی کی سیرت و عادات کو اپنے میں لینے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر یہ زیادہ تر فقط بیرونی نقل کے ذریعہ نہیں کہ ایک مسیحی مسیح کی مانند ہوتا جاتا ہے بلکہ اُس کے ساتھ ایک باطنی اتحاد کے ذریعہ سے۔ اگر اس امر کے لئے لفظ نقل و تقلید

کو استعمال بھی کریں تو یہ ایک ایسی نقل و تقلید ہوگی۔ جیسے بچہ اپنی ماں کی کرتا ہے۔
جس کو ایک نہائت کامل نقل کہہ سکتے ہیں۔ بچہ ماں کی آواز اُس کی حرکات و سکنات
اُس کی وضع و انداز کی ذرا ذرا سی باتوں کی عجیب و غریب طور سے نقل اُتارتا ہے۔
مگر یہ نقل کس لئے ایسی کامل ہے؟ شائد کوئی کہے کہ اس کی یہ وجہ ہے کہ بچے کو اپنی
ماں کو دیکھنے کے بے شمار موقعے ملتے ہیں یا یہ کہ بچے کی قوت مشاہدہ بہت تیز ہوتی
ہے۔ مگر ہر ایک شخص جانتا ہے کہ اس میں اس کے علاوہ کچھ اور بات ہے۔ ماں
بچے میں موجود ہے۔ اُس کی ولادت کے وقت اُس نے اپنی طبیعت اُس میں ڈالدی
اور یہ اس پوشیدہ تاثیر کے سبب سے ہے جو بچے میں کام کر رہی ہے کہ اس نقل میں
اس قدر کامیابی ہوئی ہے۔ اسی طرح ہم بھی مسیح کو اپنے سے الگ دیکھ کر اُس کے خصائل
و عادات کی نقل اُتار سکتے ہیں۔ جیسے کہ ایک مصوّر اصل کو دیکھ کر اُس کی تصویر
اُتارتا ہو۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کر سکتے ہیں کہ دعا اور مطالعۂ کلام اللہ کے وسیلے
روز بروز اُس کی رفاقت میں رہیں اور اُس کی تاثیر کا نقش قبول کریں۔ لیکن اگر
ہم چاہیں کہ اُس کی نقل یا تقلید زیادہ گہری اور کامل ہو تو اس کے علاوہ کسی اور
چیز کی ضرورت ہے۔ ضرور ہے کہ وہ نئی پیدائش میں اپنی فطرت ہم میں ڈالنے
کے سبب ہم میں اُسی طرح موجود ہو۔ جیسے ماں بچے میں موجود ہوتی ہے +

۴

البتہ اِن نقائص سے بڑھ کر ایک اور نقص بھی اس کتاب میں ہے جو زمانہ
حال کے ناظرین کو زیادہ سخت معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں تاریخی ترتیب

نہیں پائی جاتی جو اس زمانہ میں ہر قسم کی تحقیقات میں بطور رہبر کے مانی گئی ہے۔ اگرچہ مسیحی روح تمام کتاب پر حاوی ہے اور اُس کے بہت سے ابواب مسیح کی تعلیم کے جوہر سے اِس قدر معمور ہیں کہ اُن کو اُس کے اقوال کے ساتھ بطور ضمیمہ شارح کے لگا سکتے ہیں تاہم اُس میں مسیح کی ایک صاف صاف تاریخی تصویر نہیں پائی جاتی +

لیکن اگر ہم پوری کامیابی کے ساتھ تقلید و نقل کرنی چاہیں۔ تو اُس کے لئے یہ ایک نہائت ضروری امر ہے۔ اگر ہم مسیح کی مانند بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو ہمیں یہ جاننا ضرور ہے کہ وہ کیسا تھا۔ کوئی مصوّر ایسی تصویر کی ایک عمدہ نقل نہیں اُتار سکتا۔ جس کا تصور خود اُس کے اپنے ذہن میں دھندلا سا ہو۔ اسلئے تقلید المسیح میں مسیح کی ٹھیک تصویر نہیں ملتی۔ اُس کے نزدیک مسیح تمام ممکن الوجود خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ مگر وہ مسیح کی تصویر اُن خوبیوں کے لحاظ سے جن کا خیال خود اُس کے ذہن میں جاگزین ہے کھینچتا ہے۔ بجائے اِس کے کہ اُس کی زندگی کے مرقومہ تذکرات کو لے کر اُن رنگوں سے جو اُن سے حاصل ہوتے ہیں۔ اُس کی تصویر بنائے۔ تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ہمارے منجی کی تاریخ کی بڑی بڑی باتوں کو خاص طور سے بیان کر کے اُن سے ہمکو عملی سبق سکھاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ انسان بننے سے اُس نے اپنے کو پست کیا اور اس لئے ہم کو بھی پست بننا چاہئے۔ یا یہ کہ اُس نے مصیبت میں زندگی بسر کی اس لئے ہم کو بھی مصیبت اٹھانے پر رضامند رہنا چاہئے۔ مگر وہ اِن تعمیمات سے آگے ایک قدم بھی نہیں رکھتا +

لیکن واضح ہو کہ اناجیل میں سے تقلید المسیحؑ کی نسبت مسیح سے زیادہ پوری مشابہت رکھنے والی تصویر کھینچنی ممکن ہے۔ اور اس کا امکان بہ نسبت کسی اور زمانہ کے اس زمانہ میں زیادہ ہے۔ ہماری صدی پہلی صدی کی مانند مسیحی مذہب کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیگی۔ کیونکہ اس میں بھی سب کی توجہ مسیح کی زندگی کے تفصیلی حالات پر جم رہی ہے۔ جو کتابیں اس زمانہ میں اس مضمون پر لکھی گئیں۔ وہ شمار سے باہر ہیں۔ اور اُن سے زمانہ کے لوگوں کے دل پر نہایت گہری تاثیر پیدا ہوئی ہے۔ مسیح کی زمینی زندگی کا سلسلہ قدم بقدم نہائت صبر و استقلال سے دریافت کیا گیا اور علوم کی ہر ایک پہلو سے اُس کو جانچا گیا ہے۔ ہر ایک واقعہ نہائت وضاحت و صفائی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے ہم زندگی کے ہر ایک صیغہ میں اُس کی پیروی کر سکتے ہیں۔ جو پہلے کسی زمانہ میں ممکن نہ تھی۔ مثلاً کنبہ اور ریاست اور کلیسیا۔ نماز گذاری اور دوستداری وغیرہ وغیرہ امور میں۔ اور ہم صحیح طور سے دیکھ سکتے ہیں کہ ہر ایک امر میں اُس نے کیسا وتیرہ اختیار کیا۔ مسیح کو اس طور سے جاننے کا طریق صرف اِسی زمانہ کو عطا ہوا ہے۔ کیونکہ مسیح کو فقط اِس طور سے جاننا کہ گویا وہ تمام ممکن الحصول انسانی خوبیوں کی ایک دُھندلی سی تصویر ہے۔ ایسا ہو گا جیسے کوئی مصور اپنے گھر میں بیٹھ کر کسی قدرتی نظارہ کی تصویر پہاڑوں دریاؤں اور کھیتوں کی ایک عام تصویر کے مطابق کھینچ دے۔ نہ ٹھیک ٹھیک قدرتی نظارہ کے مطابق +

البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی طریق کی قدر و قیمت میں حد سے بڑھ کر مبالغہ کرنے لگ

جائیں۔ دل و دماغ جو کسی طریق کو کام میں لاتے ہیں۔ ہمیشہ اُس طریق کی نسبت نہائت اہم اور ضروری ہوتے ہیں۔ گرمجوشِ محبت بلند پرواز ادب۔ اور خیال کی وسعت اور عظمت سے جو تقلید المسیح میں نظر آتی ہیں مصنف کا مدعا ایسی صفائی اور حقیقت سے اس پر منکشف ہو گیا ہے کہ ہر ایک ہمدرد ناظر کے دل میں اُس کو دیکھ کر ایک قسم کا پاک رشک سا پیدا ہوتا ہے جو ہر ایک زمانہ کے مسیحیوں کے دل کو اپنا گردیدہ کرتا رہیگا۔ مگر تاہم اگرچہ ایک اصلاح و ترقی یافتہ طریق سب کچھ نہیں ہو سکتا تو بھی وہ بہت کچھ تو ہے۔ اگر ہم اپنے ادب و نیاز کو اوروں کی نسبت سرد اور اپنے خیال کے بازوؤں کو کمزور خیال کرتے ہیں تو اس وجہ سے ہمیں اور بھی زیادہ اُن فوائد کو جو اُس سے مل سکتے ہیں حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔ تقلید المسیح ایک ایسا مضمون ہے جو ہمیشہ غور مکرر سہ کرر کا طالب ہے۔ کیونکہ تاریخ کا انقلاب و تصاعد اور علم کی ترقی لوگوں کو مسیح کے مشاہدے کے لئے نئے نئے منظروں پر کھڑا کرتی ہیں۔ ہر ایک نسل اُس پر اپنے اپنے خاص ڈھنگ سے نظر کرتی ہے۔ اور اُس کی نسبت یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اب اس امر کا قطعی فیصلہ ہو گیا ہے۔ اس مضمون پر فکر کرنے کا تازگی قاعدہ غور و فکر کی اُن عادات سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جو اُن فتوحات کے سبب جو اِس قاعدہ نے دوسری باتوں میں حاصل کی ہیں۔ ہمارے اہل زمانہ کے ذہنوں میں طبیعت ثانی بن گئی ہیں اور اگرچہ وہ ایمان و محبت کی کمی کو پورا نہیں کر سکتا تاہم وہ ایک قسم کا مسیح ہی حس کا استعمال کرنا کلیسیا کا فرض ہی اور جس کے استعمال پر خدا اپنی برکات نازل کریگا۔

۵

گو ہمارے دل اس مضمون کی طرف بہت مائل رہے ہیں۔ تو بھی ہم مشکل سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اب تک اس مضمون پر جیسے کہ اس کا حق ہے توجہ کی ہے۔ مجھے اکثر یہ خیال آتا ہے کہ تقلید المسیح کی ہر دلعزیزی کی بڑی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ خود اُس کا نام ہے۔ تقلید المسیح! اس نام کی آواز ہی ایسی ہے کہ اس کو سن کر ہر ایک مسیحی کا دل دھکڑ پکڑ کرنے لگتا ہے اور اس سے اُس کی رُوح میں بے شمار جذبوں اور ولولوں کو تحریک ہوتی ہے۔ اِس کی آواز ایسی دلکش ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی محبوب نہائت سریلی آوازوں سے گلگشت کے لئے ہمیں بلا رہا ہے۔ یہ الفاظ اُن تمام اشیاء کا مجموعہ ہیں۔ جن کی ہم اپنی نہائت عمدہ گھڑیوں اور اپنے دل کی گہرائیوں میں خواہش و آرزو کر سکتے ہیں ✣

لیکن اگرچہ مسیحیوں کے روحانی تجربات میں تقلید مسیح ہمیشہ بے پایان قدر و قیمت رکھتی ہے تاہم عموماً کتابوں میں اُس کو ایک مستقل اور واضح مقام و رتبہ حاصل نہیں ہؤا۔ ایک خیال کے لوگوں نے اگرچہ مسیح کے نمونہ پر بہت کچھ زور دیا مگر اُس سے اپنے ملک کے مذہب کو بہت صدمہ پہنچایا۔ کیونکہ انہوں نے اُس کو مسیح کے کفّارہ سے جدا کر دیا۔ اور یہ ترغیب و تعلیم دی کہ فقط مسیح کے نمونہ کی پیروی کرنی کافی ہے۔ اور اس امر کے تسلیم کرنے کی کہ وہ ہم کو پہلے ہمارے گذشتہ گناہوں سے نجات دیتا ہے کچھ ضرورت نہیں۔ اِس کے برخلاف دوسرے خیال کے لوگوں نے مسیح کے کفارہ کو اپنی شہادت و پیغام کا ماحصل ٹھیرا لیا۔ اور جب کبھی

اُس کے نمونہ کا ذکر ہوتا ہے تو وہ بلا تکلف یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ ہاں یہ تو صحیح ہے۔ مگر اُس کی موت زیادہ اہم چیز ہے۔ اِس طور سے دو فریقوں نے سچائی کو باہم تقسیم کر لیا۔ ایک نے تو مسیح کی تقلید کو اور دوسرے نے اُس کے کفارہ دینے والی موت کو اپنی اپنی تعلیم کا مدعا ٹھیرا لیا۔ اسی طرح جب یونٹیرین (یعنی توحیدی مسیحی) لوگوں نے کچھ عرصہ کے لئے چیننگ صاحب کی عجیب و غریب فصاحت و بلاغت کے سبب زور پکڑا تو اُن کی تمام دلکشی اُن شایستہ تقریروں میں تھی۔ جن میں وہ مسیح کی پاک اور عالی اور خود انکار انسانیت کا ذکر کرتے تھے۔ اُس کے برخلاف مسیحی کلیسیا مسیح کی الوہیت کو ثابت کرتی تھی۔ جو اگرچہ نوشتوں کے مطابق اور لاجواب اور معقول دلائل پر مبنی ہے تاہم ہمیشہ ایسی دلفریب معلوم نہیں ہوتی۔ اس طور سے پھر ایک قسم کی تقسیم واقع ہوگئی۔ جس سے گویا کہ مسیح کی انسانیت تو ایک فریق کے حصے میں آگئی اور اُس کی الوہیت دوسری کے حصے میں۔

اب وقت آگیا ہے کہ اِس قسم کی تقسیم و تفریق پر اعتراض کیا جائے۔ سچائی کے دونو حصے ہمارے ہیں۔ اور اس لئے ہم کل کے دعویدار ہیں۔ مسیح کی موت ہماری ہے اور خدا کے نزدیک مقبولیت حاصل کرنے کی ہماری تمام امیدیں زمان اور ابدیت میں اُسی پر منحصر ہیں۔ اُسی سے ہم آغاز کرتے ہیں۔ مگر اُسی پر انجام نہیں کرتے۔ ہم اُس کی موت سے اُس کی زندگی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُس محبت سے جو نجات پانے کے سبب ہم میں پیدا ہوئی ہے۔ اُس کی پاک زندگی کو اپنی ذات میں پھر نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم

اُس کی الوہیت پر فخر کرتے ہیں۔ تو بھی ہم یہ کبھی روا نہیں رکھینگے کہ کوئی شخص ہم کو اُس کی انسانیت کی مثال ونمونے اور اُس کی دلکش خوبصورتی سے محروم کردے۔ کیونکہ فی الحقیقت اُس کی انسانیت کا کمال اور اُس کی اپنی نسبت شہادت کی وقعت جو اُس سے مستنبط ہوتی ہے۔ یہی دو باتیں ہیں جو ہمارے اس اعتقاد کی سب سے بڑی محکم بنیاد ہیں کہ وہ انسان سے برتر و بالا ہے +

۲

مسیح کا نمونہ خاندانی تعلقات میں

متی ۸: ۱۴، ۱۵
" ۹: ۱۸ - ۲۶
" ۱۷: ۱۸
" ۱۸: ۱-۶
" ۱۹: ۱۳-۱۵
مرقس ۴: ۱۸، ۱۹
" ۱۲: ۱۸-۲۵
لوقا ۷: ۱۱-۱۵
" ۱۱: ۲۷، ۲۸
یوحنا ۸: ۱-۱۱
" ۱۹: ۲۵-۲۷

متی ۱۲: ۴۶-۵۰
لوقا ۹: ۵۷-۶۲

متی ۱ باب
" ۲ باب
لوقا ۱: ۲۶-۵۶
" ۲ باب
" ۳: ۲۳-۳۸

متی ۱۳: ۵۵-۵۸
لوقا ۴: ۱۶ و ۲۲
یوحنا ۶: ۴۲

مرقس ۳: ۲۱
یوحنا ۷: ۳-۹

دوسرا باب

مسیح کا نمونہ خاندانی تعلقات میں

۱

دستورِ خانہ داری انسانی زندگی کے اُن دو بڑے اجزا کی جن کو ہم پابندی اور آزادی کے نام سے پکار سکتے ہیں ایک نہائت عمدہ مثال ہے +

اس میں پابندی کا ایک پُر راز عنصر ہے - ہر ایک شخص ایک خاص کنبے میں پیدا ہوتا ہے جو اپنی خاص تاریخ اور خاص مزاج رکھتا ہے - یہ تاریخ اور مزاج اُس کے آنے سے پہلے بن چکتی ہیں - اُس کا اِس معاملے میں کچھ اختیار نہیں - مگر یہ تعلق ایسا ہے جو اُس کی تمام زندگی پر اثر ڈالتا ہے - خواہ تو وہ ایسے گھر میں

پیدا ہو جو بڑا معزز سمجھا جاتا ہے یا برخلاف اس کے ایسے گھر میں جو نہائت ذلیل اور بے عزت ہے۔ خواہ دل اُبھارنے والی یادگاریں اور شائستہ طور اُس کے ورثہ میں آئیں۔ خواہ جسمانی اور اخلاقی بیماری کا بوجھ اُس کی گردن پر رکھا جائے۔ آدمی کو کچھ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنے باپ اور ماں بھائی اور بہنوں چچا اور چچیرے بھائیوں کو انتخاب کرے لیکن انہی رشتوں پر جن کو وہ کبھی نہیں توڑ سکتا۔ اُس کی آئندہ عمر کی تین چوتھائی خوشی یا رنج کا مدار ہوتا ہے۔ رات کو دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آتی ہے اور باہر جا کر دہلیز پر تم ایک شخص کو پڑا دیکھتے ہو۔ جو ظاہراً ایک اجنبی اور غیر ملک کا باشندہ معلوم ہوتا ہے۔ تم اُسے نہیں جانتے نہ اُس سے تم کو کچھ کام ہے۔ بلکہ وہ تمہاری روح سے ہزارہا میل دور ہے۔ لیکن اگر وہ یہ الفاظ کہہ سکتا ہے کہ کیا تم مجھے نہیں جانتے۔ میں تو تمہارا بھائی ہوں" تو وہ کیسا دم بھر میں بالکل قریب آجاتا ہے گویا ہزارہا میل کا فاصلہ ایک قدم میں طے ہو گیا۔ تمہارے اور اس کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ رشتہ یا تو ایک سونے کی گرطنی کی مانند ہو جو زیور کے طور پر پہنی جاتی ہے۔ یا ایک لوہے کا طوق ہو جو تمہارے جسم کو کاٹتا اور جلاتا ہے۔ خانہ داری کے دستور میں بھی مجبوری کا عنصر ہے۔

یسوع سوائے اس مجبوری کی زنجیر میں پھنسنے کے بنی انسان میں شریک نہیں ہو سکتا تھا جب وہ عورت سے پیدا ہوا تو وہ خواہ مخواہ اس پُر اسرار دائرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک ایسے کنبے میں شریک ہوا جس کی اپنی قدیم روایات تھیں اور سوسائٹی میں ایک خاص درجہ رکھتا تھا اور اُس کے بھائی اور بہنیں بھی تھیں۔

اِن حالات کو اُس کی آئندہ زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ اُس کی ماں نے اُس کے ذہنی قوا کے نشوونما پر بہت کچھ اثر ڈالا اگرچہ ہم تفصیل کے ساتھ اِس اثر کا کھوج نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ ہم کو اُس کی ابتدائی عمر کا بہت کم حال معلوم ہے۔ مگر تو بھی یہ بات قابل لحاظ ہے کہ کنواری مریم نے اُس گیت میں جو اُس نے الیسبات سے ملاقات کرتے وقت سنایا۔ جو اپنے دلی خیالات ظاہر کئے ہیں اُن کی گونج یسوع کی منادی میں باربار سنائی دیتی ہے۔ اِس گیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف بڑی صاحب فضل عورت تھی۔ بلکہ ایسے نادر طبعی اوصاف سے بھی موصوف تھی جنہوں نے خدا کے کلام میں نشوونما پایا تھا یہانتک کہ زمانہ سابق کے انبیا اور مقدس خاتونوں کی زبان گویا اُس کی اپنی زبان ہو گئی تھی۔ گو ہم مریم اور یوسف کی نسبت بہت بڑھکے نہ بھی کہیں۔ مگر اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یسوع کی پاک طفولیت کا زمانہ ایسے گھر میں گذرا جو دینداری اور خداترسی سے آراستہ تھا۔ اور کہ جب اُس نے اُس کو چھوڑ دیا تو بھی اِس گھر کی نشانیاں اُس کی مزاج وخصلت میں برابر نظر آتی تھیں۔ اُس اثر کے علاوہ وہ ایک مشہور نسل سے تھا اور یہ بھی اُس کے لئے کوئی ایسی ویسی بات نہ تھی۔ وہ داؤد کی نسل سے تھا اور انجیل نویس۔ بڑی کوشش سے اُس کے شاہانہ نسب نامہ کو تحریر کرتے ہیں۔ اور یہ بات گویا خود اُس کے اپنے خیال کی گونج سمجھی جا سکتی ہیں۔ شرافت نسب بھی شریف اور عالی کاموں کے لئے ایک طرح سے مہمیز کا کام دیتی ہے۔ انگلستان کا مشہور شاعر ملٹن بھی اپنی مشہور نظم میں جب یہ بیان کرتا ہے۔ کہ نوجوان منجی کے دل میں اپنے

بزرگوں کے کارناموں سے عالی حوصلگی کی تحریک ہوتی تھی تو اُس کی یہ بات جائز اسنت[illegible]
کی حد سے متجاوز نہیں ہے:

آگ کے شعلے کی مانند اُمنگیں میرے
دل میں اُٹھتی تھیں کہ کر فتح کے جھنڈے کو بلند
قوم کے سر سے اُٹھا پھینکوں یہ رومی جُوا
اور دُنیا کے سبھی ملکوں پہ ہو کے قابض
ظلم و بے رحمی کی قدرت کو میں کردوں نابود
تا ہو انصاف و صداقت کا زمانے میں رواج

کم سے کم اس بات پر یقین کرنے میں کچھ تامل نہیں ہو سکتا کہ اُس کی شاہی نسب نے مسیح کے منصبی کام کی طرف اُس کی رہنمائی کی تاہم اُسے اس مجبوری کی دردناک کڑی کا اثر بھی محسوس کرنا پڑا۔ یعنی اُس کو رذیل ہونے کے طعنے بھی جھیلنے پڑے۔ کیونکہ اگرچہ اُس کے دُور کے آباؤ اجداد شریف تھے۔ مگر اُس کے قریبی رشتہ دار غریب تھے۔ اور جب وہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہُوا تو اُس کو اکثر زبانوں سے اِس قسم کے طعنے سننے پڑتے تھے کہ "کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں"؟ اُس کی زندگی ایسے لوگوں کے لئے جو صرف انسان کے ظاہر کے موافق اُس کی عزت کرتے ہیں۔ سخت ملامت کا کام دیتی ہے اور اس سے حقیر اور رذیل الاصل اشخاص ہمیشہ یہ سیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح خصلت کی عمدگی اور خدا اور انسان کی خدمت کی دولت سے وہ مخالفوں کا مُنہ بند کر سکتے اور اہل عالم کی عزت و پیار حاصل کر سکتے ہیں۔

آزادی کا عنصر جو انسانی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس مجبوری کے عنصر کی نسبت کچھ کم عظمت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا۔ اور وہ بھی ایسا ہی پُر راز ہے۔ آدمی اپنی مرضی سے شادی کرتا اور ایک نئے کنبے کی بنیاد ڈالتا ہے اُس کی قوت ارادی کے اِس فعل سے ایک نیا دائرہ قائم ہو جاتا ہے جو آئندہ نسل میں آور انسانوں کو رشتہ داری کے اُنہی تعلقات میں جن میں وہ خود پیدا ہوا تھا۔ گھیرتا رہیگا +

البتہ اُسکے کام کی صورت نے یسوع کو عیال دار بننے سے باز رکھا اور اِس بات کی طرف بعض اوقات اشارہ کیا جاتا ہے کہ یہ کوتاہی اُس نمونے میں جو اُس نے ہمارے لیئے چھوڑا ایک قسم کا نقص ہے۔ اور اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ زندگی کے اِس نہائت ہی مقدّس رشتہ میں ہماری پیروی کے لئے اُس کا نمونہ موجود نہیں ہے۔ اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اِس اعتراض میں کسی قدر جان معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ اِس رشتے کی نسبت جو سب سے عمدہ نصیحت درج ہے وہ براہ راست اُسی کے نمونے سے لی گئی ہے۔ نکاح کے رشتے کی نسبت جو نہائت ہی گہرے اور پاک الفاظ آج تک لکھے گئے ہیں یہ ہیں "۔ اے مردو اپنی جورؤں کو پیار کرو۔ جیسا مسیح نے بھی کلیسیا کو پیار کیا اور اپنے تئیں اُس کے بدلے دیا تاکہ اُس کو پانی کے غسل سے کلام کے ساتھ صاف کر کے مقدّس کرے اور اُسے اپنے پاس ایک ایسی جلال والی کلیسیا حاضر کر رکھے کہ جس میں داغ یا چین یا کوئی ایسی چیز نہ ہو۔ بلکہ جو مقدّس اور بے عیب ہو۔" (افس ۵: ۲۵، ۲۶) +

۲

یسوع اپنی تمام زندگی بھر کنبے کے تمدنی انتظام و دستور کی عزت کرتا رہا ۔

اُس کے زمانہ میں خانگی رشتہ کے توڑنے کی شرمناک رسم کا بہت رواج تھا ۔ طلاق بالکل عام تھی اور ذرا ذرا سی بات پر دی جاتی تھی ۔ قربان کی رسم سے اولاد ہیکل میں کچھ نذرانہ دینے کے بعد اپنے والدین کی خبرگیری سے بالکل آزاد ہو جاتے تھے ۔ یسوع نے نہائت غصہ کے ساتھ اِن خرابیوں کو ظاہر کیا ۔ اور مسیحی کلیسیا کے تمام آئندہ زمانوں کے لئے نکاح کا ایک ایسا قانون باندھ دیا جس کے مطابق لوگ دور اندیشی کے ساتھ اس رشتے میں داخل ہوتے ہیں ۔ اور پھر جب یہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے تو انسان کے دل کی نہائت عمیق الفت و محبّت کے ولولے ۔ اِسی پاک تعلق کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہیں ۔

بچوں کے ساتھ جو محبّت اُسے تھی ۔ اور وہ الٰہی الفاظ جو اُس نے اُن کے حق میں کہے ۔ اگر اُن کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن الفاظ نے والدین کے دل میں بچوں کی محبت کا بیج بو دیا تاہم اتنا تو ضرور کہینگے کہ اُن سے یہ محبّت زیادہ گہری اور شائستہ ہو گئی ہے ۔ وہ محبّت جو غیر مسیحی ماں باپ کو اپنی اولاد سے ہے محض ایک وحشیانہ اور حیوانی میلان یا رغبت کی مانند ہے بمقابلہ اُس محبّت کے جو مسیحی گھروں میں رواج کرتی ہے ۔ اُس نے بچوں کو ادنےٰ حالت سے اُٹھایا (جیسے کہ اُس نے اور بہت سی ایسی ہی کمزور اور ذلیل چیزوں کو اُٹھایا) اور انہیں وسط میں عزّت کے مقام پر کھڑا کیا ۔ اگر زینوں پر ننھے پاؤں کی آہٹ اور گھروں میں توتلی آوازوں کی صدا ہمیں راگ کے شبدوں

اور دل لبھانے والے نغمے کی مانند معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر چھوٹی چھوٹی انگلیوں کے احساس اور پیارے پیارے باریک ہونٹھوں کی بو سے ہمارے دلوں میں دعا اور شکر گزاری کے بھاؤ کو حرکت دیتے ہیں تو ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ زندگی کے اس نور و فرحت کے لئے ہم یسوع مسیح کے ممنون احسان ہیں یہ کہہ کر کہ "چھوٹے بچوں کو میرے پاس آنے دو"۔ اُس نے گھر کو گویا کلیسیا میں اور والدین کو خادمان دین میں بدل دیا۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مسیحی تاریخ میں اُس نے اس ذریعہ سے اُسی قدر شاگرد کئے ہیں جس قدر کہ خود انتظام کلیسیا قائم کرنے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یسوع کے اقوال کی تعلیم دینے والی ماؤں کی نصیحتوں اور مسیحی بزرگوں کی پاک زندگیوں نے مسیحی مذہب کی ترقی میں اُسی قدر مدد دی ہے جس قدر فصیح البیان واعظوں اور بڑے بڑے مجمعوں کی عبادتوں نے۔ کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ جب بیوفا خادموں اور دنیا پرست اہل کلیسیا کی شرارتوں سے جنھوں نے کلیسیا کو شیطان کی جماعت بنا دیا مسیح کا مذہب کلیسیا میں سے نکال دیا گیا تو اُس کو مسیحی گھر میں پناہ ملی۔ بڑے بڑے مسیحی علما و فضلا میں سے شائد ہی کوئی ایسا ہوگا جس کے دل میں مذہبی خیالات نے بچپن کے خانگی حالات کے اثر سے گہری جگہ حاصل نہ کی ہو +

یسوع کے بہت سے معجزوں پر جب نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خانگی محبت کی تحریک سے صادر ہوتے۔ جب اُس نے سورو فینیکی عورت کی لڑکی کو شفا بخشی یا یائرس کی بیٹی کو زندہ کر کے اُس کی ماں کو سونپا یا بیوہ کے بیٹے کو نائین کے دروازہ پر جلایا یا لعاذر کو مُردوں میں سے بُلا کر اُس کے کنبہ میں بحال کیا تو کیا اِس میں

شبہ ہو سکتا ہے کہ منجی کو اِن خانگی الفتوں کے تقاضاؤں کی خدمت کرنے میں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی تھی؟ اُس نے مسرف بیٹے کی تمثیل سے ظاہر کر دیا کہ اِن اُلفتوں کی گہرائی اور مضبوطی کی اُس کے دل میں کیسی قدر و عزّت جاگزیں ہے +

لیکن جو عزت اِس دستور کی نسبت اُس کے دل میں تھی اُس کا سب سے بڑا ثبوت اُس نے اپنے چال چلن سے دیا جو اُس نے خود اپنے کنبے میں برتا۔ اگرچہ اُن ایام کا جو اُس نے مریم کے گھر میں بسر کئے ہمیں مفصل حال معلوم نہیں تو بھی اُس کی زندگی کے ہر ایک واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک کامل اور بے عیب فرزند تھا +

والدین کو اس سے بڑھکر اور کوئی خوشی نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو حکمت۔ شرم و حیا اور شرافت میں ترقی کرتے دیکھیں اور انجیل میں ہم پڑھتے ہیں کہ "یسوع حکمت اور قد اور خدا اور انسان کے نزدیک مقبولیت میں ترقی کرتا گیا"۔ اگر یہ بھی مان لیویں کہ وہ پہلے ہی سے اپنی زندگی کے عظیم الشان کام سے واقف تھا تو بھی باوجود اس علم کے وہ والدین کی اطاعت سے باز نہ رہا جو زمانہ بچپن میں اُس کو کرنی چاہئے تھی۔ کیونکہ ہم اُس زمانہ کی نسبت بھی جب وہ بارہ برس کا تھا پڑھتے ہیں کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ناصرت کو گیا اور اُن کے تابع رہا۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد یوسف نے وفات پائی اور بڑا بیٹا ہونے کے سبب کنبہ کی پرورش کا بوجھ اُس کے سر پر آپڑا۔ یہ بات تحقیق نہیں۔ مگر خود اُس کی اپنی زندگی کے خاتمہ

پر ہم اُس کا ایک کام دیکھتے ہیں جس سے اُس کی زندگی کے اُس زمانہ پر جس کا تحریری حال موجود نہیں روشنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے دل میں اپنی ماں کی نسبت کیسی گہری اور لازوال محبّت بھری تھی۔ جب وہ صلیب پر لٹک رہا تھا تو اُس نے اپنی ماں کو دیکھا اور اُس سے بات چیت کی۔ اُس وقت اُس کی سخت جانکنی کی حالت تھی اور اُس کا ہر ایک رگ وریشہ درد کے مارے تڑپ رہا تھا۔ موت سر پر کھڑی تھی اور بلاشبہ اُس وقت اُس کو یہی فکر ہو گی کہ اپنی توجہ کو دنیاوی باتوں سے بالکل ہٹا کر خدا کی طرف مصروف کردے۔ وہ اُس وقت جہان کا گناہ اُٹھائے تھا جس کا دردناک بوجھ اُس کے دل کو کچل رہا تھا۔ تو بھی باوجود اس حالت کے وہ اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوا اور اُس کی آئندہ زندگی کی پرورش کا خیال کیا۔ اس لئے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ اُسے اپنے گھر میں لے جائے اور اُس کے بیٹے کی جگہ ہو۔ جس شاگرد کو اُس نے اس خدمت کے لئے انتخاب کیا وہ اُسکے اَور شاگردوں سے زیادہ نرم مزاج اور حلیم تھا۔ نہ تو جلد باز پترس کو نہ اُداس اور مغموم طبع توما کو بلکہ یوحنا کو جو زیادہ ملائمت اور نرمی کے ساتھ اُس دردناک مضمون پر جس پر اُن دونو کے دل لگے تھے گفتگو کرسکتا تھا۔ اور جو شائد اَوروں کی نسبت بسبب اپنی مرفہ الحالی کے مریم کی پرورش کا بوجھ بآسانی اُٹھا سکتا تھا۔ اور اس لئے اُس خدمت کی بجاآوری کے زیادہ لائق تھا +

۳

اگرچہ والدین کی اطاعت اولاد پر فرض ہے۔ تو بھی اُس کی

ایک حد ہے ۔ والدین کا یہ کام ہے کہ اپنے بچوں کو ایسے طور سے
تربیت کریں کہ وہ آزادی اور خود مختاری سیکھیں ۔ جیسے کہ معلم کا مدعا یہ ہونا چاہئے
کہ وہ اپنے شاگردوں کی اُس درجہ تک تربیت کرے کہ وہ اُس کی مدد کے بغیر اپنی
زندگی کے کاروبار کا خود انتظام کرنے کے لائق ہو جائیں ۔ اسی طرح والدین کو بھی
یہ امر بخوبی ذہن نشین کر لینا ضرور ہے کہ ایک حد ہے جہاں اُن کی حکومت کا خاتمہ ہوتا ہے
اور بچوں کو یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ اپنی پسند اور مرضی کے مطابق اپنا کاروبار
کریں ۔ اِس سے محبّت قطع نہیں ہو جاتی ۔ ادب و عزّت بھی دور نہیں ہونا چاہیئے ۔
مگر یہ ضرور ہے کہ پدرانہ اختیار و حکومت کا خاتمہ ہو جائے ۔ البتہ یہ کہنا مشکل
ہے کہ بچے کے زندگی میں یہ حد کس وقت واقع ہوتی ہے ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ
ہر ایک بچے کی زندگی میں اُس کا زمانہ مختلف ہو ۔ لیکن سب کی زندگی میں یہ زمانہ
ضرور آتا ہے افسوس ہے اُس بچّے پر جو وقت سے پہلے اس آزادی پر ہاتھ مارنا
چاہے ! یہ بات اکثر نوجوانوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتی ہے اور خود ہمارے
زمانے میں اس سے بڑھ کر اور کوئی افسوسناک بات نہیں کہ عموماً ہمارے نوجوانوں کے
دماغ میں یہ بات سما گئی ہے کہ پیش از وقت والدین کی حکومت کی لگام کو نکال
پھینکیں اور اپنی مرضی کے سوا اور کسی قانون کی پابندی نہ کریں ۔ مگر بعض اوقات
والدین بھی اس امر میں غلطی کرتے ہیں کہ وہ اپنی حکومت کو میعاد مناسب سے زیادہ
عرصہ تک قائم رکھنا چاہتے ہیں ۔ بعض وقت باپ اپنے بیٹے کو اپنے گھر میں رکھنا
چاہتا ہے ۔ جب کہ اُس کے لئے بہتر ہوتا کہ وہ شادی کر کے اپنا گھر الگ

بسا ہے۔ یا ماں اپنی شادی شدہ لڑکی کے خانگی معاملات میں دست اندازی کر بیٹھتی ہے جو شاید بہتر زوجہ بن جاتی۔ اگر اُس کو اُس کی اپنی عقل و دانش پر چھوڑا جاتا۔ یسوع کی ماں مریم نے بھی اس امر میں غلطی کی۔ اُس نے بار بار کوشش کی کہ ناواجب طور سے اُس کے کام میں دست اندازی کرے۔ بلکہ اُس وقت کے بعد بھی جب اُس نے اپنا پبلک کام شروع کر دیا۔ اُس کو اپنے بیٹے پر ایک قسم کا بڑا فخر و ناز تھا اور یہ اُسی فخر کی وجہ سے تھا۔ کہ قانائے جلیل کی شادی کے موقعہ پر اُس نے شراب کے ختم ہو جانے کا اُس کے پاس ذکر کیا۔ اور موقعوں پر اُس کی صحت و تندرستی کا خیال کر کے اُس نے اُس کو اپنے کام سے روکنا چاہا۔ وہ دنیا میں اکیلی ماں نہیں جس نے ناواجب طور سے اپنے بیٹے کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہا۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات تھی جس سے اُس کا غضب بھڑک اُٹھے تو وہ بھی اُس کے کاموں میں دخل دینا تھا۔ اِسی وجہ سے وہ ایک دفعہ پطرس کی طرف پھرا اور اُس سے کہا۔ "اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو" اور اسی وجہ سے ایک سے زیادہ موقعوں پر اُس کا سلوک خود اپنی ماں کے ساتھ بھی ظاہراً کچھ سخت سا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جس قدر محبت بھرے دل سے اُس کے دوست اور رشتہ دار اُس کو اُس کے کام سے باز رکھنے کی خواہش اور کوشش کرتے تھے اُسی قدر اُس کو ایک سخت تر آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ اگر یہ اُس کے اختیار میں ہوتا تو اُن کو خوش کرنے میں کبھی دریغ نہ کرتا۔ لیکن اگر وہ اُن کی بات مان لیتا تو اُس کام سے جس کے کرنے کا اُس نے ذمہ لیا تھا۔ کنارہ کش ہونا پڑتا۔ اور اس لئے اِس قسم کی آزمائش کو رد کرنے

کے لئے اُسے غصہ جیسے جذبے کو اپنی طبیعت میں اُکسانا پڑتا تھا +

اور کسی موقعہ پر اُس کے چلن میں اس قدر ناپسرانہ سختی ظاہر نہیں ہوتی جس قدر کہ اُس وقت جب اُس کی ماں اور بھائیوں نے کام کی اثنا میں آکر اُس سے بات چیت کرنے کی خواہش کی۔ اُس نے پیغام للانے والے کو جواب دیا "کون ہے میری ماں اور کون ہیں میرے بھائی"؟ اور تب اپنے شاگردوں پر جو اس کے سامنے بیٹھے تھے نظر کر کے کہا "یہ ہیں میری ماں اور میرے بھائی۔ کیونکہ جو کوئی خدا کی مرضی پر چلتا وہی میرا بھائی اور بہن اور ماں ہے"۔ اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہ الفاظ ظاہرا سخت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر غالباً اِن الفاظ کو اُس عبارت سے جو انجیل مرقس میں اس واقعہ سے پہلے درج ہے۔ ملا کر پڑھنا چاہئے۔ جہاں یہ لکھا ہے کہ اُس کے دوستوں نے اُس کو پکڑنے کی کوشش کی یہ کہکر کہ وہ بیخود ہے"۔ اُن دنوں یسوع اپنے کام میں ایسا غرق تھا کہ وہ کھانا کھانا بھی بھول جاتا تھا۔ آدمیوں کو بچانے کے پاک جذبہ میں ایسا مجذوب ہو رہا تھا کہ اُس کے رشتہ داروں کو خیال گزرا کہ وہ دیوانہ ہو گیا ہے اور اُنہوں نے اپنا فرض سمجھا کہ اُس کو پکڑ کر نظر بند کر رکھیں۔ اگر مریم بھی اِس ناجائز اور بیدینی کے کام میں شریک ہوئی تو کچھ تعجب نہیں کہ اُس کو

لے خود یہی امر کہ اُس نے اپنے اور اُن لوگوں کے جو خدا کی مرضی بجا لاتے ہیں۔ درمیانی تعلق کا اپنے اور اپنی ماں اور بھائیوں کے درمیانی تعلق کے ساتھ مقابلہ کیا ظاہر کرتا ہے کہ اُس کی نظر میں موخرالذکر رشتہ کو بھی ایک نہائت اعلے اور پاک جگہ حاصل تھی +

ایسی سخت ملامت اُٹھانی پڑی۔ بہرصورت یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ خیال کر کے
اُس کے پاس آئی تھی کہ وہ فی الفور سب کاروبار چھوڑ کر اُس کے ساتھ ہمکلام
ہوگا۔ اس لئے یسوع کو اُسے یہ سبق سکھلانا پڑا کہ خانگی الفت کے سوا اور بھی ایسی
باتیں ہیں جو اُس سے بڑھکر حق رکھتی ہیں۔ کیونکہ خدا کا کام کرنے میں وہ خدا کے
سوا اور کسی کے اختیار کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا +

ہاں ایک ایسا دائرہ ہے جس کے اندر والدین کے اختیار کو بھی کچھ دخل نہیں اور وہ دائرہ ضمیر
ہے یسوع نہ صرف خود اس دائرہ کو پاک رکھتا تھا۔ بلکہ اُن کو بھی جو اُس کی پیروی کرتے تھے
ایسا ہی کرنے کو کہتا تھا۔ اُسنے پیشین گوئی کی کہ کس طرح آئندہ زمانہ میں اُس کے سبب سے خانگی
رشتے توڑنے پڑینگے۔ غور کا مقام ہے کہ اُس شخص کے لئے جو اپنے دل میں خانگی تعلقات کی اس قدر
اعلےٰ عزت کرتا تھا۔ یہ خیال کس قدر سخت دردناک ہوگا۔ وہ فرماتا ہے کہ "یہ مت سمجھو
کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں کیونکہ
میں آیا ہوں کہ مرد کو اُس کے باپ اور بیٹے کو اُس کی ماں اور بہو کو اُس کی ساس سے
جدا کروں۔ اور آدمی کے دشمن اُس کے گھر ہی کے لوگ ہونگے"۔ بلاشبہ یہ اُسکے
لئے ایک دردناک اندیشہ ہوگا۔ مگر اُس نے اس سے پہلو تہی نہ کی۔ اُس کے نزدیک خانگی
رشتوں کی نسبت بھی بڑھکر ایسے امور تھے۔ جن کی بجا آوری ہم پر سب باتوں سے
زیادہ فرض ہے "وہ جو باپ اور ماں کو مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے میرے لائق نہیں اور
وہ جو بیٹے یا بیٹی کو مجھ سے زیادہ پیار کرتا ہے میرے لائق نہیں" +

یہ تلوار اب بھی کاٹتی ہے۔ غیر مسیحی ملکوں میں جہاں مسیحی مذہب رواج

پکڑتا جاتا ہے۔ خاص کر ہندوستان جیسے ممالک میں جہاں خانگی انتظام بہت کچھ ترقی یافتہ ہے مسیح کا اقرار کرنے میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اس سے خاندانی تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں اور اکثر ایسا کرنا جانکنی سے کچھ کم دردناک نہیں ہوتا۔ مسیحی ملکوں میں بھی دنیا پرست والدین کی مخالفت اُن کے فرزندوں کے مذہبی فیصلوں کے برخلاف نہائت سخت ہوتی ہے اور جن کو اس قسم کی صلیب اُٹھانی پڑتی ہے۔ اُن کے لئے بیحد اضطراب اور پریشانی کا باعث ہوتی ہے۔ یہ ایک نہائت نازک معاملہ ہے جس کے لئے بڑے درجے کی مسیحی حکمت و دانائی اور صبر و تحمل کی حاجت ہے لیکن جب نتائج دل اور ضمیر کے سامنے بالکل صاف صاف نظر آئیں تو اس میں کچھ شبہ نہیں کہ والدین کی رضامندی اور اپنے خیال کی پیروی کے درمیان کون سی بات مسیح کی مرضی کے مطابق ہے۔ کیسے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کی ایسی حالت نہیں۔ اور جو جانتے ہیں کہ اگر وہ مسیح کو سچے دل سے قبول کر لینگے اور صاف طور پر اُس کا اقرار کرینگے۔ تو اُن کے رشتہ داروں کے دل ایک ناقابل بیان خوشی و خرمی سے بھر جائینگے +

۴

عموماً کہا جاتا ہے کہ ہر ایک گھر میں ایک قبر ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی کنبہ ظاہراً کیسا ہی کامل اور باہمی اُلفت و محبت سے بسر کرتا معلوم کیوں نہ ہو۔ تو بھی ہمیشہ اُس کے اندر کچھ نہ کچھ ناچاقی یا خوف یا راز ہوتا ہے جو اُس کے نور کو تاریک کرتا رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خیال عام طور پر صحیح نہ ہو۔ بلکہ اُس میں بہت سی مستثنیات بھی

پلائے جائیں تاہم اِس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ گھر میں جہاں بہت سی خوشیاں ہیں وہاں بہت سے رنج بھی ہیں۔ خود کنبے کے لوگوں کے نہایت قریبی باہمی تعلق کی وجہ سے اُن میں سے ہر ایک کو جو ایسا کرنا چاہیئے۔ باقیوں کے دل چھیدنے کا بہت موقعہ ملتا ہے۔ رشتہ داری کے پردے میں بلاخوفِ سزا ایسی تکلیف دی جا سکتی ہے۔ جو تکلیف دینے والا کسی غیر شخص کو پہنچانے کی جرأت نہ کرتا +

یسوع نے یہ تکلیف بھی اُٹھائی۔ جو رنج اُس کو کنبہ کے لوگوں کی طرف سے تھا۔ ایک خاص قسم کا تھا۔ وہ یہ تھا کہ اُس کے بھائی اُس پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اُن کو یقین نہیں آتا تھا۔ کہ وہ جو اُن میں کا ایک ہے اور جس نے اُنہی کے درمیان پرورش پائی ہے اُن کی نسبت اِس قدر بزرگ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اُس کی شہرت کو دیکھ کر اُنہیں رشک آتا تھا۔ اُس کی زندگی میں جہاں کہیں اُن کا ذکر ہے فقط اُس کو تکلیف دینے ہی کا ہے +

وہی لوگ جنہوں نے خود اِس قسم کی تکلیف اُٹھائی ہے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یسوع کو اِس سے کس قدر رنج ہوتا ہوگا۔ خدا کے بہت سے مقدس لوگ ایسے ہیں جن کو بے دین اور دنیا پرست گھروں میں تن تنہا کھڑے ہو کر گواہی دینی پڑتی ہے۔ ایسے بہت سے لوگوں کو ہر روز ایک طرح سے شہیدوں کی سی جانکنی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ جس کا اٹھانا شاید عام لوگوں کی ایذادہی کی نسبت زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ جب باہر کے لوگ ہم کو تکلیف دیتے ہیں تو بہ آسانی بہت سے ہمدرد پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر دوسری صورت میں بھی ایماندار جانتے ہیں کہ اُنکی مصیبت میں

کم سے کم اُس شخص کی ہمدردی اُن کے ساتھ ہے۔ جس نے ان الفاظ میں اپنے دردناک ذاتی تجربہ کا ذکر کیا۔ کہ "نبی اپنے وطن اور گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہے"۔ (متی ۱۳: ۵۷)

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے اپنے بھائیوں کی بے اعتقادی کا کس طور سے مقابلہ کیا۔ آیا اُس نے اُن کے ساتھ بحث و مناظرہ کیا یا خاموش رہ کر اس بات کو اپنی پاک زندگی کی زندہ گواہی پر چھوڑ دیا۔ لیکن یہ تحقیق طور پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ اُن کے لئے ہمیشہ دعا مانگتا رہا۔ اور خوش قسمتی سے ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اُس کی ان کوششوں کا نتیجہ کیا ہوا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے بھائی اُس کی وفات کے وقت تک برابر بے اعتقاد رہے۔ مگر اُس کی وفات کے بعد ہی اعمال کی کتاب کے پہلے باب میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اُس کے رسولوں کے ساتھ ایمانداروں کی جماعت میں شریک تھے۔

یہ ایک عجیب واقعہ ہے۔ کیونکہ ٹھیک اُسی وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک طرح سے اُسکی زندگی کے مقصد میں بالکل ناکامی ہوئی۔ واقعات سے ظاہراً ایسا نظر آتا تھا کہ اُس کا مسیح ہونے کا دعوے جھوٹ ہے۔ تاہم یہہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو اُس کی اعلےٰ شہرت کے دنوں میں اُس سے بے اعتقاد رہے اس وقت اُس کے ایمانداروں کے درمیان دیکھے جاتے ہیں۔ حالانکہ بظاہر اُس کا معاملہ بالکل شکستہ و برباد معلوم ہوتا ہے۔ بھلا اِس کی کیا وجہ ہے؟

مجھے یقین ہے کہ اِس کا جواب پولوس رسول کے ایک خط (۱۔ قرنتیوں ۱۵: ۷)

میں ملتا ہے۔ جہاں وہ اِس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ ہمارا خداوند اپنے جی اُٹھنے کے بعد کن کن لوگوں پر ظاہر ہوا یہ لکھتا ہے کہ وہ یعقوب پر بھی ظاہر ہوا۔ یہ یعقوب غالباً خداوند کا بھائی تھا۔ اور اگر یہ ٹھیک ہے تو کیا یہ ایک تعجب انگیز بات نہیں کہ منجی نے جی اُٹھنے کے بعد جو کام سب سے پہلے کئے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اپنے بے اعتقاد بھائی کے سامنے ایسا ثبوت پیش کرے جو اُس کی بے اعتقادی پر فتح پائے۔ کیونکہ یہ ظاہر تھا کہ اگر یعقوب پر یہ امر ثابت ہو جائے تو وہ اپنا تجربہ مریم کے کنبے کے دیگر اشخاص سے بیان کریگا۔ اِس کا نتیجہ بھی نہائت خاطر خواہ ہوُا۔ کیونکہ اُس کے دو بھائی یعقوب اور یہودا آخرِ کار پاک نوشتوں کے دو صحیفوں کے لکھنیوالے ہوئے +

میرے نزدیک یسوع کے بھائیوں کا ایسے نازک موقعہ پر اُس کے ایمانداروں کے درمیان موجود ہونا اُس کی قیامت کے واقعی ہونے کا بھی ایک نہائت مضبوط ثبوت ہے۔ لیکن فی الحال ہم اس کو صرف اُس انتھک استقلال کا جس سے اُسنے اُن کی نجات کے لئے کوشش کی ایک عمدہ ثبوت خیال کرتے ہیں۔ اور نیز یہ ہمارے لئے ایک نمونہ ہے کہ ہم بھی اُن لوگوں کے لئے جو ہمارے جسم و خون ہیں اور ابھی تک مسیح کے گلّے سے باہر ہیں دعا مانگنا۔ اُمیّد رکھنا اور کوشش کرنا نہ چھوڑیں +

۳

مسیح کا نمونہ مُلکی تعلقات میں

متی ۹ : ۱

" ۱۳ : ۵۴

" ۱۷ : ۲۴-۲۷

" ۲۰ : ۱۷-۱۹

" ۲۳ : ۳۷-۳۹

" ۲۶ : ۳۲

لوقا ۴ : ۱۶-۳۰

" ۱۳ : ۱۶، ۳۴، ۳۵

" ۱۹ : ۹

متی ۲ باب

" ۴ : ۳-۱۰

" ۹ : ۲۷،۲۹

" ۲۱ : ۱-۱۱

" ۲۲ : ۱۵-۲۱

" ۲۶ : ۴۷-۶۸

" ۲۷ باب

لوقا ۲ : ۱۱، ۲۹، ۳۲، ۳۸

" ۱۳ : ۳۱-۳۳

" ۲۳ : ۷-۱۲

یوحنا ۶ : ۱۵

" ۱۱ : ۴۸

متی ۱۸ : ۱-۳

" ۱۹ : ۲۸

" ۲۰ : ۲۰-۲۸

یوحنا ۱۸ : ۳۶، ۳۷

" ۱۹ : ۱۴، ۱۹، ۲۰

تیسرا باب

مسیح کا نمونہ ملکی تعلقات میں

ا

زمانۂ حال کے معمولی حیثیت والے مسیحی کے ذہن میں غالباً سلطنت کے خیال کو کوئی بڑی جگہ حاصل نہیں۔ اُس کے نزدیک اُن فرائض کی نسبت جو وہ ایک شہری ہونے کی حیثیت میں رکھتا ہے اَور بہت سے فرائض ہیں جو زیادہ اہم اور ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ وہ غالباً یہ خیال کرتا ہے کہ سب سے بڑا سوال جو اُس سے اُس کی حالت کی نسبت کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ میں کیسا ہے۔ یعنی اپنی پوشیدہ روح اور باطنی مزاج میں؟ اور غالباً اُس سے دوسرے درجے پر وہ اِس سوال کو سمجھتا ہے کہ وہ کلیسیا کے ممبر ہونے کی حیثیت میں کیسا ہے۔ جس کی عزت کو برقرار رکھنا اور جس کے کام میں شریک ہونا اُس کا فرض ہے۔ اور تیسرے درجے پر وہ شائد اِس سوال کو جگہ دے کہ وہ اپنے کنبے میں بیٹا یا خاوند یا باپ ہونیکی حیثیت میں کیسا ہے؟ مگر اِن باتوں کی نسبت اُس کے نزدیک اُس چوتھے سوال کو بہت ہی کم وقعت ہے کہ وہ سلطنت کی رعایا یا شہری ہونے کی حیثیت میں کیسا ہے؟

50751

فی الجملہ شائد اس مسئلے کے تصفیہ کا یہی صحیح طریق ہے اور غالباً مسیحی طریق بھی یہی ہے۔ مگر یہہ خیال تمام قدیم دنیا کے خیال کے بالکل برعکس ہے۔ مثلاً یونان کے بڑے بڑے اہل الرائے سلطنت کو شخص۔ کنبہ اور کلیسیا سے مقدم جانتے تھے۔ اُن کے نزدیک ہر ایک شخص کی نسبت سب سے اعلٰے سوال یہہ تھا کہ وہ شہری کی حیثیت میں کیسا ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ انسان کی زندگی کی سب سے اعلٰے غرض و مقصد یہہ ہے کہ سلطنت کو زیادہ طاقت اور سرسبزی بخشی۔ اسلئے سلطنت کی بہتری کے لیئے وہ دوسری ہر ایک چیز کو قربان کر دیتے تھے۔ اُن کے نزدیک سب سے پہلا سوال یہ نہیں تھا کہ آیا فرد واحد نیک اور خوش و خرم ہے۔ یا خاندان بے عیب اور متحد ہے۔ بلکہ یہہ کہ آیا سلطنت مضبوط ہے؟

یسوع نے اس ترتیب کو بدل ڈالا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے ایک طرح سے فردی حیثیت کو دریافت کیا۔ کیونکہ اُس نے یہہ تعلیم دی کہ ہر ایک شخص میں ایک روح ہے جو ساری دنیا سے زیادہ قیمتی ہے۔ اور اس دنیا کی سب سے عمدہ پیداوار ایک نیک اور شریف خصلت ہے بجائے اس کے کہ ہم اس بات کو صحیح مانیں کہ اگر سلطنت مضبوط ہے تو افراد کی کچھ پرواہ نہیں۔ حق یہہ ہے کہ سلطنت اور کلیسیا اور خاندان محض فردِ واحد کی بھلائی کے وسائل کے طور پر ہیں اور اُن کی خوبی کا پیمانہ یہی ہے کہ وہ کس قسم کے آدمی بنا سکتے ہیں۔ اس امر میں اور اور بہت سے امور میں بھی مسیحی مذہب نے ساری دنیا کو اوپر تلے کر دیا ہے اور بہت باتوں میں پہلے کو پچھلا اور پچھلے کو پہلا بنا دیا۔ لیکن اگرچہ سلطنت کو مسیحی تعلیم میں وہ جگہ حاصل نہیں جو قدیم فلسفے میں تھی۔

تو بھی یہہ خیال کرنا سخت غلطی ہے کہ مسیحیت کے نزدیک سلطنت کو کچھ بھی وقعت حاصل نہیں۔ اگرچہ مسیحی مذہب کی پہلی غرض نیک آدمی بنانا ہے۔ مگر اُس کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ جو نیک آدمی ہوگا وہ نیک شہری بھی ہوگا۔

۳

ایک صحیح مزاج انسان کے لئے یہہ ایک طبعی امر ہے کہ وہ اُس ملک کو جہاں پیدا ہُوا۔ اُس نظارے کو جس پر ابتدائی عمر سے اُس کی آنکھیں پڑتی رہیں۔ اُس شہر کو جس میں وُہ رہتا ہے۔ پیار کرے۔ اور یہہ بھی خدا کے انتظام کی ایک جز ہے۔ کہ وہ اِن الفتوں کو انسان کی ترقی اور زمین کی پائداری کے لئے جو اُس کا مسکن ہے استعمال کرتا ہے۔ ہر ایک شہر کے باشندہ کو یہہ خواہش رکھنی چاہئے کہ اپنے شہر کی بہتری میں سعی کرے۔ اور اُس کو ہر طرح کے حسن و خوبصورتی سے آراستہ کرے۔ ایک نوجوان کے دل کے لئے اِس خواہش کی نسبت اَور کوئی زیادہ عمدہ خواہش نہیں ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ مفید کام کرنے کی کوشش کرے۔ مثلاً یہہ کہ وہ کوئی عمدہ تدبیر سوچے۔ یا ایک اچھی کتاب لکھے۔ یا ایک شریف گیت گائے یا کسی قومی داغ کو دور کرے۔ جس سے اُس کے وطن کی نیک نامی میں ترقی ہو۔

بعض ملکوں کو ایسی ایسی امنگیں لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے اور اہلِ ملک کو اپنے ملک کی خدمت کے ساتھ وابستہ کرنے میں ایک خاص قسم کی قدرت حاصل ہے۔ کنعان بھی اسی قسم کے ملکوں میں سے تھا۔ اُس کے باشندے اپنے ملک کو نہایت گرمجوشی سے پیار کرتے تھے۔ اُس کی دلفریبی کچھ تو اُس کی خوبصورتی میں تھی اور

کچھ شاید اس بات میں ہوگی کہ وہ ایک چھوٹا سا ملک تھا۔ کیونکہ جیسے کوہستانی نالے تنگ چٹانی نالیوں میں سے گذرنے کے سبب بڑے تیز اور پُر زور ہو جاتے ہیں اسی طرح محبت کے خیال جب تنگ حدود میں محدود ہوں تو ایک قسم کی زبردست طاقت حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن خاص کر بزرگ اور نا خود غرض لوگوں کی جو اس ملک میں زندہ رہ چکے ہوں۔ یادگاریں ہیں۔ جو کسی ملک کے باشندوں کے دل میں ملکی محبت کے خیالات کو سب سے بڑھکر جوش زن کرتی ہیں۔ کنعان کو یہہ اُبھارنے والی طاقت دیگر ممالک سے بڑھکر حاصل تھی کیونکہ اُسکی تاریخ نہایت ہی جوش انگیز کارناموں سے بھری تھی۔ یسوع نے بھی اس دلفریب اثر کو محسوس کیا۔ کون ہے جو اُس کے کلام میں قدرتی خوبصورتی کی تصاویر کا جو اُس نے گلیل کے کھیتوں سے جمع کیں مطالعہ کرے اور اس بات کا قائل نہ ہو جائے کہ وہ ان تمام نظاروں کو محبت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اُس گاؤں کا نام جس میں اُس نے پرورش پائی آج کے دن تک اُس کے نام سے لگا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ اب بھی یسوع ناصری کہلاتا ہے اُس نے ایک عورت کو سبت کے دن چنگا کرنے کے لئے یہہ وجہ پیش کی کہ وہ ابراہام کی بیٹی ہے۔ اور محصول لینے والے اور گنہگار اُس کو اسلئے پیارے تھے کہ وہ اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑیں ہیں۔ یروشلم جو ملک کا صدر مقام تھا ہمیشہ سے یہودیوں کے دلوں پر مضبوط گرفت رکھتا تھا۔ قوم کے شاعر ان الفاظ میں اُس کے گیت گایا کرتے تھے۔ کہ "بلندی سے خوبصورت تمام زمین کی خوشی کوہ صیحون ہے"۔ "اے یروشلم اگر میں تجھ کو بھول جاؤں تو میری زبان تالو سے لگ جائے"۔ مگر اس دلی محبت کے یہ سب اظہار یسوع کے اس

کلام کے سامنے ہیچ ہیں جب اُس نے اُس کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے یروشلم۔ یروشلم۔ مینے کئی بار چاہا کہ تیرے لڑکوں کو جمع کردوں جس طرح مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں تلے جمع کرتی ہے" یہ الفت قبر کی تبدیل کرنے والی حاجت میں سے گزرنے کے بعد تک بھی برابر قائم رہی۔ کیونکہ مردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد جب وہ دنیا میں انجیل کی منادی کرنے کی بابت اپنے شاگردوں کو ہدایات دے رہا تھا تو اُس نے کہا کہ "یروشلم سے شروع کرو"۔ اُسکو اپنے ملک کے گذشتہ زمانے کے الوالعزم بزرگوں اور نیز اُن کارناموں کے ساتھ جو اُن سے سرزد ہوئے دلی ہمدردی تھی۔ ابراہام اور موسے۔ داؤد اور یسعیاہ کا نام ہمیشہ اُس کی زبان پر تھا۔ اور اُس نے اُن کاموں کو جنہیں وہ ناتمام چھوڑ گئے تھے ہاتھ میں لے کر تکمیل تک پہنچایا۔ یہی ملکی ہمدردی کا نہایت حقیقی کام تھا۔ خوش نصیب ہے وہ ملک جس کے باشندوں کی زندگی کی عمدہ سے عمدہ کوششیں کسی عالی تصور کی انجام دہی میں خرچ ہوئی ہوں اور جس کے سب سے بزرگ ناموں کی فہرست میں ایسے اشخاص کے نام پائے جائیں جنہوں نے اپنی ساری طاقت اسی مدعا کے حصول میں صرف کردی ہو۔ چاہیے کہ ایسے بہادروں کے اقوال و افعال بیبل کے بعد ہر ایک ملک کے بچوں کی سب سے بڑی روحانی خوراک ہوں اور اُس کے انتخاب زمانہ عالی دماغ اشخاص کی ہمت صرف اس بات پر صرف ہونی چاہیئے کہ اُن بیجوں کو جو وہ بو گئے ہیں پانی دیں۔ اور اُن کاموں کو جن کی اُنہوں نے بنیاد رکھی پورا کریں*

۳

مسیح کے زمانے اور ملک میں ملکی ہمدردی کا ایک خاص کام تھا۔ جس کو ہر ایک شخص

Nazeeria Collection

جس میں کچھ بھی ملکی ہمدردی کی روح ہو اختیار کرسکتا۔ کنعان اُس زمانے میں دوسری قوم کی غلامی میں تھا۔ فی الحقیقت وہ ایک طرح سے دوگونہ غلامی کے بوجھ کے نیچے دب رہا تھا۔ کیونکہ اگرچہ اُس کے چند ایک صوبے ہیرودیوں[1] کے ظالم خاندان کے زیر حکم تھے۔ کل ملک رومی حکومت کے تابع تھا +

کیا یہ یسوع کا فرض نہ تھا کہ اپنے ملک کو اُس دوگونہ ظلم سے رہا کر کے اُس کی آزادی کو بحال کرے یا اِس سے بھی بڑھکر یہ کہ اُسے قوموں کے درمیان ایک اعلےٰ سلطنت کے رتبے تک بلند کرے؟ بہت لوگ بڑی خوشی سے ایک رہائی دہندہ کو قبول کر کے اور قومی آزادی کے لئے ہر طرح کی قربانی کرنے کو تیار و آمادہ ہوتے ہیں۔ فریسیوں کی ساری جماعت ملکی محبت کے خیال میں سرشار تھی۔ بلکہ اُن کا ایک فرقہ بھی زیلوتس یعنی سرگرم کے نام سے کہلاتا تھا۔ کیونکہ وہ ملکی خدمت کے لئے ہر طرح کی دلیری اور جفاکشی کو تیار رہتا تھا[2] +

معلوم ہوتا تھا کہ یسوع بھی اسی خدمت کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ وہ شاہی سلسلے کے ذریعے داؤد کی نسل سے تھا۔ جب وہ پیدا ہوا تو مجوسی یا دانا لوگ پورب سے یروشلم کو یہ پوچھتے ہوئے آئے "کہ یہودیوں کا بادشاہ جو پیدا ہوا سو کہاں ہے"۔ اُس کے پہلے شاگردوں میں سے ایک شخص نے جب اُس کے سامنے پیش ہوا تو اُس کو شاہ اسرائیل کہکر سلام کیا۔ اور جس دن وہ فتحمندوں کی طرح سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوا تو اُس کے ہمراہیوں نے اُس کو اسی نام سے پکارا۔ جس سے بلاشبہ اُنکی یہ مراد تھی کہ اُنہیں امید ہے کہ وہ فی الحقیقت

---

[1] ہیرودیا ہیرودیس اعظم اس خاندان کا بانی ایک ادومی تھا۔ مگر اُسنے ایک یہودی شہزادی سے اس غرض سے شادی کرلی تھی۔ کہ قوم کی دلی محبت کو اپنے ساتھ وابستہ کرے +

[2] اِسی فرقے کا ایک شخص شمعون زیلوتس یسوع کے شاگردوں میں بھی شامل تھا +

ملک کا بادشاہ ہوگا۔ یہ اور اَور بہت سے حالات جو اناجیل میں مندرج ہیں اِس کا نشان دیتے ہیں کہ اُس کی تقدیر میں ایک پرائیویٹ (عام) آدمی کی حیثیت میں رہنا نہیں تھا۔ بلکہ ایک آزاد شدہ اور شاندار سلطنت کا سردار ہونا +

مگر یہ تقدیر کیوں پوری نہ ہوئی ؟ اِس سوال کا جواب نہایت مشکل ہے۔ یہ سوال ہر ایک شخص کے دل میں جو غور سے انجیل کا مطالعہ کرے اکثر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جب کبھی ہم یہ سوال پوچھتے ہیں۔ تو اسرار و مشکلات کے سمندر میں جا پڑتے ہیں۔ کیا کبھی اُس کے دل میں اپنے ملک کا بادشاہ بننے کی خواہش ہوئی ؟ کیا شیطان جب اُس نے دنیا کی تمام بادشاہتیں اور اُن کی شان و شوکت اُس کو دکھائی تو فی التحقیقت اُسکی جوانی کے دلپسند خیالات کو یاد دلا رہا تھا ؟ اگر یہودی لوگ انکار کرنے کی بجائے اُس کو قبول کر لیتے تو پھر کیا ہوتا ؟ کیا وہ یروشلم میں اپنا تخت قائم کر کے ساری دنیا کو اپنے زیر فرمان کرتا ؟ کیا صرف اُسی وقت جبکہ انہوں نے اُس کے لئے اُن کا بادشاہ بننا ناممکن کر دیا تو وہ اُس بات سے جو اُس کے مقدر میں لکھی معلوم ہوتی تھی۔ ہٹ گیا اور ایک ایسی بادشاہت پر جو اِس دنیا کی نہیں اپنے کام کو محدود کیا ؟

ممکن نہیں کہ کوئی شخص سوچ سمجھکر مسیح کی زندگی کا مطالعہ کرے اور اُس کے دل میں اِس قسم کے سوالات پیدا نہ ہوں۔ مگر اِن سوالات سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ کوئی شخص اُن کا جواب نہیں دے سکتا۔ ہم گویا یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر بعض چیزیں جو واقع ہوئیں واقع نہ ہوتیں تو پھر کیا ہوتا ؟ مگر صرف وہی جو عالم الغیب اور ہمہ دان ہے اِس عقدے کے حل کرنے پر قادر ہے +

تو بھی ہم یقینی طور پر یہہ کہہ سکتے ہیں کہ یہہ انسان کا گناہ تھا جس نے یسوع کو اپنے باپ داؤد کے تخت پر بیٹھنے سے باز رکھا۔ اُس کا اپنے آپ کو اپنے ملک کا مسیح ہونے کے لئے پیش کرنا بالکل صحیح تھا۔ مگر اُس کے ساتھ ایک ایسی شرط لگی تھی جس سے وہ قطع نظر نہیں کر سکتا تھا۔ یعنی وہ صرف راستباز قوم کا بادشاہ ہو سکتا تھا۔ لیکن یہودیوں کی حالت تو بالکل اسکے برعکس تھی۔ اُنہوں نے ایک دفعہ کوشش کی کہ اُسے پکڑکر زبردستی بادشاہ بنالیں۔ مگر اُنکی یہ سرگرمی ناپاک تھی۔ اور اسلئے وہ اِس بات کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔

اُس وقت اُس کی زندگی کے دریا کا رو گویا الٹ کر اُسی پر آپڑا۔ بجاے اِس کے کہ وہ ظالموں کا دفع کرنے والا ہو۔ وہ خود ظلم کا شکار ہو گیا۔ اُس کی اپنی قوم نے جسے چاہیے تھا کہ اُسے اپنا پیشوا سمجھ کر اپنی سیروں پر اُٹھاتی ایک بیرونی حکومت کی عدالت میں اُسکی مُدعی بن گئی۔ اور اُسے رومیوں اور ملک کے ہیرودیسی حکام کے سامنے بطور مجرم کے کھڑا ہونا پڑا۔ ملکی رعیت ہونے کی حیثیت میں اُس نے کامل اطاعت کے ساتھ اپنے کو اُنکے حوالے کر دیا۔ اور اپنے پیروؤں کو حکم دیا۔ کہ تلواریں میان میں کریں۔ سلطنت کے اہلِ عدالت نے اُس کو تقصیر وار ٹھیرا کر دو چوروں کے درمیان صلیب پر کھینچ دیا۔ اُس کا خون ملک کے صدر مقام پر لعنت کے طور پر پڑا اور اُس کے قتل کو آدھی صدی بھی نہ گذری تھی کہ یہودی سلطنت کا نام و نشان صفحہ دنیا پر سے مٹ گیا۔

اِس واقعہ سے نہایت صاف طور پر موجودہ طریق سلطنت کا نقص ظاہر ہوتا ہے۔ سلطنت جان و مال اور عزت کی حفاظت کے لئے ہے تاکہ بدکاروں کو سزا دے اور نیکوکاروں کو انعام۔ تمام تاریخ میں ایک دفعہ اور صرف ایک ہی دفعہ اُسے ایک

شخص سے معاملہ پڑا جو کامل نیک تھا۔ اور جو کچھ اُس سے سلوک ہُوا سو یہہ تھا کہ سلطنت
نے اُس کو بدترین مجرموں کے زمرے میں جگہ دی اور مار ڈالا۔ اگر یہہ بات قانون کی
معمولی عملدرآمد کا ایک نمونہ ہے تو سلطنت بجاے ایک الہٰی انتظام ہونے کے ایک نہایت
سخت آفت اور دنیا کے لئے ایک لعنت سمجھی جانی چاہیے۔ جو لوگ اُس کی بے انصافی
کا شکار ہوئے ہیں بعض اوقات اُسے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر خوش قسمتی سے ایسی باتیں
صرف محدودے چند اشخاص کے مبالغہ آمیز خیالات ہی میں ہیں۔ فی الجملہ جو قوانین
سلطنت مقرر کرتی وہ اور اُن کا عمل درآمد گناہ کی روک اور بے گناہی کی حفاظت کا باعث
ہیں۔ لیکن ہر ایک زمانہ میں اِس قاعدے کی بے شمار اور افسوسناک مستثنیات پائی
جاتی ہیں۔ نہ ہر ایک چیز جس کو ملک کا قانون جائز ٹھیراتا ہے راست ہے۔ نہ
وہ سب جن پر قانون کو جاری کرنے والے فتوے لگاتے ہیں ناراست ہیں۔ اِس
زمانے میں اِس بات کو یاد رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ زمانہ حال میں سلطنت کے
تبدیل شدہ انتظامات کے لحاظ سے ہم نہ صرف سلطنت کی رعایا ہیں بلکہ بواسطہ
یا بلاواسطہ قانون کے بنانے والے اور جاری کرنے والے بھی ہیں۔ اور اِس لئے ہم
بھی اپنے قوانین کو الہٰی عدل کے پیمانہ تک پہنچانے اور دانا اور نیک اشخاص کو کرسی
عدالت پر بٹھانے کی ذمہ داری میں شریک ہیں ۔

۴

ظاہر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسیح کی زندگی بھر کا کام ضائع ہوگیا۔ وہ جو اِس لئے
پیدا ہُوا تھا کہ بادشاہ ہے اب جیتے بچنے کے بھی لائق نہ ٹھیرا۔ محل میں سکونت کرنے کی

بجائے قید خانے میں ڈالا گیا۔ تخت پر بیٹھنے کی بجائے صلیب پر کھینچا گیا۔

لیکن اگرچہ اُس حد تک جہاں تک انسانی شرارت کو دخل تھا۔ اُسکی زندگی ضائع ہو گئی تو بھی خدا کی حکمت میں ایسا نہ تھا۔ انسانی پہلو سے نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کی موت انسان کی تاریخ پر نہایت سیاہ دھبا ہے۔ بلکہ ایک ایسی خطا اور جرم ہے جس کا کوئی ثانی نہیں معلوم ہوتا لیکن الہٰی پہلو سے نظر ڈالنے پر یہ واقعہ تاریخ عالم میں ایک نہایت عظیم الشان نظارہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اِس سے انسان کا گناہ مٹایا گیا۔ الہٰی محبت کی گہرائی منکشف ہوئی اور بنی آدم کے لئے کمالیت کا راستہ کھل گیا۔ یسوع کبھی ایسے کامل طور پر بادشاہ نہ تھا جیسا اُس وقت جبکہ اُس کا دعوے بادشاہی ٹھٹھے میں اُڑایا گیا۔ یہ وحشیانہ مسخری تھی کہ یہہ خطاب اُسکی صلیب پر لکھ کر لگایا کہ "یہہ یسوع یہودیوں کا بادشاہ ہے"۔ پلاطوس نے تو یہہ الفاظ طنزاً لکھے تھے لیکن اِس وقت جب ہم پیچھے نظر ڈالتے ہیں تو کیا وہ الفاظ طنزی معلوم ہوتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ برخلاف اس کے کیا وہ الفاظ اِن گذشتہ صدیوں کے پردے سے لازوال شان و شوکت کے ساتھ چمکتے ہوئے نظر نہیں آتے؟ ہاں۔ وہ اُس بحید شرم و بےعزتی کی گھڑی میں اپنے آپ کو بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ثابت کر رہا تھا۔

یسوع کے دل میں ہر وقت برابر اپنے بادشاہ ہونے کی نسبت ایک صاف اور نادر خیال جاگزین تھا اور اُس نے کئی دفعہ اُس کا ذکر بھی کیا۔ اُس کا یہہ عقیدہ تھا کہ حقیقی بادشاہ ہو کر عوام کا خادم ہوتا ہے۔ اور وہی شخص سب سے بڑھکر

بادشاہ کہلانے کا مستحق ہے جو سب سے زیادہ بنی انسان کی اعلےٰ سے اعلےٰ قیمتی خدمت بجالاسکے۔ وہ خوب جانتا تھا۔ کہ دنیا کا جو خیال بادشاہ کی نسبت ہے وہ ایسا نہیں۔ بلکہ ٹھیک اِس کے برعکس ہے۔ دُنیا کا خیال یہ ہے کہ بادشاہ ہونا یہ ہے کہ لوگوں کی جماعتیں اُس کی خدمت گزار ہوں۔ اور جس قدر زیادہ لوگ اُس کی شان و شوکت اور عیش و آرام کے لئے اُس کے تابع فرمان ہوں اُسی قدر بڑا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اُس نے بھی فرمایا کہ "غیر قوموں کے حاکم اُن پر حکومت جتاتے اور اختیار والے اُن پر اپنا اختیار دکھاتے ہیں" لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا "پر تم لوگوں میں ایسا نہ ہوگا۔ بلکہ جو تم میں بڑا ہوا چاہے تمہارا خادم ہو اور جو تم میں سردار بنا چاہے تمہارا بندہ ہو"۔ یسوع کے خیال کے مطابق بزرگی اسی بات میں تھی۔ اور اگر یہہ خیال صحیح ہے تو وہ کبھی ایسا بزرگ نہ تھا۔ جیسا اُس وقت جبکہ اپنے آپ کی قربانی کے ذریعے وہ تمام دنیا کو نجات کی نعمت عطا کر رہا تھا +

مگر یسوع کا ہرگز یہہ مطلب نہیں تھا کہ بزرگی اور بادشاہی کا یہہ خیال صرف اُس کی اپنی ہی چال سے علاقہ رکھے بلکہ یہہ نسبتِ کلی رکھتا ہے۔ یہہ مسیحی پیمانہ ہے جس سے سلطنت کے تمام مراتبُ مدارج کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ مسیح کے خیال کے مطابق سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے بڑھکر اَوروں کی خدمت بجالائے۔

لیکن افسوس۔ یہہ بات ابھی بہت کم لوگوں کی سمجھ میں آئی ہے۔ یہہ اصول لوگوں کے دل میں بہت آہستہ آہستہ ترقی کر رہا ہے۔ حکومت کی نسبت جو قدیمی خیال ہے وہ ابھی تک رواج کرتا ہے کہ بڑا ہونا بہت خدمت کرانا ہے نہ خدمت کرنا۔

اب تک حکومت کا صیغہ ہوا و ہوس کا کھیل - بلکہ طمع و غارت کا شکار گاہ رہا ہے
نہ خدمت گزاری کا حلقہ - اہل حکومت کی غرض و مقصد اس وقت تک یہی رہا ہے
کہ جہاں تک ہو سکے محکوم لوگوں سے اپنے لئے منفعت حاصل کریں - اور یہہ
دیکھنا ابھی باقی ہے کہ اہل حکومت کی نئی جماعت اس سے بہتر روح کے تابع
ہے کہ نہیں +

تاہم انسانی کاروبار کے صیغے میں بھی یہ مسیحی خیال ترقی پکڑتا جاتا ہے عام
طور پر انسان کا دل مسیح کی اس تعلیم کو مانتا ہے کہ سب سے بڑھکر شاہانہ مزاج وہ شخص
ہے جو اپنے آپ کو دلی رضامندی سے دوسروں کے لئے قربان کرتا ہے - اُن کے
لئے سخت محنت کرتا اور ایسے کام سرانجام کرتا ہے جس میں سب کی بہبودی ہو -
اور اگرچہ زبور نویس کا یہہ قدیم اور دلچسپ قول اب بھی بالکل صحیح ہے کہ "جب تو اپنی
بھلائی کرے لوگ تیری تعریف کرینگے"؛ لیکن اُن اشخاص کی تعداد دن بدن بڑھتی
جاتی ہے - جو یہہ خیال کرتے ہیں کہ حاکم کی بزرگی کا پیمانہ یہہ نہیں کہ وہ رعایا سے
کس قدر خراج وصول کرتا ہے - بلکہ یہہ کہ اُس نے اُن کی بہبودی کے لئے کتنی
بڑی بڑی خدمات سرانجام کی ہیں +

۴

مسیح کا نمونہ کلیسیا کی شراکت میں

متی ۳: ۱۳ تا ۱۵
متی ۸: ۴
ایضاً ۹: ۳۵
" ۱۳: ۵۴
" ۲۱: ۱۲ تا ۱۳
مرقس ۳: ۱ تا ۶
ایضاً ۶: ۲
ایضاً ۱۲: ۴۱ تا ۴۴
لوقا ۱: ۲۱ تا ۲۴ و ۳۹ و ۴۱ تا ۴۹
ایضاً ۴: ۱۶ تا ۳۲ و ۴۴
ایضاً ۲۲: ۵۳
یوحنا ۴: ۲۲
ایضاً ۵: ۱
ایضاً ۸: ۲۰
ایضاً ۱۰: ۲۲ تا ۲۳

متی ۹: ۱۰ تا ۱۷
ایضاً ۱۲: ۱ تا ۱۴
ایضاً ۱۵: ۱ تا ۹
ایضاً ۱۶: ۶
ایضاً ۲۳:
لوقا ۱۰: ۳۱ تا ۳۲
یوحنا ۲: ۱۳ تا ۲۲

متی ۲۴: ۱ تا ۲
ایضاً ۱۶: ۱۷ تا ۳۰
ایضاً ۲۸: ۱۹ تا ۲۰
یوحنا ۲۰: ۲۲ تا ۲۳

چوتھا باب

مسیح کا نمونہ کلیسیا کی شراکت میں

بعض امور کے لحاظ سے تو کلیسیا کنبے کی نسبت بھی زیادہ تنگ اور محدود جماعت ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کنبے کا ایک آدمی تو اُس میں لیا جائے اور دوسرا چھوڑا جائے لیکن دیگر امور میں وہ سلطنت کی نسبت بھی زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ مختلف اقوام کے لوگ ایک ہی کلیسیا کے ممبر ہو سکتے ہیں۔

کنبہ اور سلطنت ایسی انتظامی جماعتیں ہیں جو اپنی ہی جبلی طاقت کے ذریعے اور اپنے ہی جبلی قوانین کے مطابق فطرت انسانی میں سے پیدا ہوئی ہیں لیکن کلیسیا ایک الٰہی انتظام ہے۔ جو بنی آدم کے درمیان اس غرض سے قائم کیا گیا ہے کہ منتخب اشخاص کو اپنے اندر جمع کر کے بالائے فطرت نعمتیں عطا کرے۔ البتہ وہ فطرت انسانی میں طبعی لحاظ سے بھی کچھ جڑ رکھتا ہے لیکن یہ جڑ انسان کی اُن حسات پر مشتمل ہے۔ جو اُس کو بعض حظائظ اور حوائج کے حصول کی تحریک دلاتی ہیں جو اس دنیا میں جس کا

وہ خداوند سے نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ صرف آسمان سے عطیہ اور بخشش کے طور پر مل سکتی ہیں۔ الہام کے بغیر کوئی کلیسیا نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ گرجا کی عمارت لوگوں کے گھروں کے بیچ میں سے جہاں وہ قائم ہے اُٹھی ہوئی نظر آتی ہے اور اُس کا مینار انگلی کی مانند آسمان کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح کلیسیا اپنی انتظامی حیثیت کے لحاظ سے انسان کی اُس اعلےٰ آرزو اور تمنا کا اظہار ہے جو وہ آسمانی زندگی کے واسطے رکھتا ہے یعنی اُس زندگی کے لئے جو خدا میں شامل اور ابدی ہے اور جو محض خدا کے فضل اور مہربانی سے دستیاب ہوتی ہے۔

ا

یسوع ایسے ملک میں پیدا ہوا جہاں پہلے ہی سے ایک حقیقی کلیسیا موجود تھی جس کی بنیاد الہام پر تھی اور جو خدا کے فضل کو لوگوں تک پہنچاتی تھی۔ وہ اُس قوم کا فرزند تھا جس کی نسبت رسول فرماتا ہے کہ "فرزندی اور جلال اور عہد اور شریعت اور عبادت کی رسمیں اور وعدے اُن ہی کے ہیں"۔ وہ ختنے کے معمولی دروازے کے ذریعے کلیسیا کی رفاقت میں لیا گیا۔ اور اُس سے چند ہفتے بعد اور یہودی بچوں کی مانند ہیکل میں پیش کیا گیا۔ جو گویا اس امر کا اقرار تھا کہ وہ خداوند کا ہے۔ اس طور پر پیشتر اِس کے کہ وہ خود اس بات سے آگاہ ہوا۔ وہ اپنے زمینی والدین کی مرضی سے پاک رسموں کے ذریعے خدا کی ظاہری کلیسیا میں داخل کیا گیا۔ یہی بات بپتسما میں ہمارے ساتھ بھی ہوئی ہے لیکن بہت سے لوگ جنہوں نے بچپن میں بپتسمہ پایا بڑے ہو کر اس امر کی طرف کچھ بھی میلان ظاہر نہیں کرتے کہ اپنے کو خدا کے گھرانے کے ساتھ شامل کریں۔ برخلاف اس کے یسوع جونہی پورے طور پر خود آگاہی کے ساتھ کام کرنے کے قابل ہوا اُس نے

اپنے والدین کی نیک مرضی کو اپنی مرضی بنالیا اور اُس کے دل میں خدا کے گھر کے لئے نہایت پُرجوش الفت پیدا ہوگئی۔ بارہ برس کی عمر میں جب وہ اپنے والدین کی ہمراہی سے یروشلم میں الگ ہوگیا تو اُنھوں نے بہت سی تلاش کے بعد اُس کو ہیکل میں پایا اور جب اُنھوں نے اُسے کہا۔ کہ وہ کتنی دیر سے اور کس قدر دور دور اُس کو ڈھونڈتے پھرے ہیں۔ تو وہ حیرت کی آواز میں اُن سے بولا ۔ گویا کہ اُس کے نزدیک اُس جگہ کے سوائے اور کہیں اُس کی تلاش کا خیال کرنا ہی ایک ناممکن سی بات تھی۔ وہ بلاشبہ اپنی عمر کے اُن دنوں میں جبکہ وہ چپ چاپ ناصرت میں رہتا تھا عبادتخانے میں ہمیشہ جاتا ہوگا اور اُس کی نسبت یہ خیال کرنا عجیب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح ہر سبت کو اِس قدر عرصے تک وعظ و نصیحت سنتا رہا[1]۔ جب اُس نے ناصرت کے کنج عزلت کو چھوڑا اور اپنا پبلک کام شروع کیا تو اُس وقت بھی وہ برابر بلاناغہ عبادتخانے میں جایا کرتا تھا۔ بلکہ فی الحقیقت عبادتخانہ ایک مرکز کے طور پر تھا۔ جہاں سے

---

[1] بھلا وہ آدمی کیسا ہوگا۔ جس نے اُس کو وعظ و نصیحت سنائی۔ کیا وہ ایک دانا آدمی تھا۔ جس نے مقدس لڑکے کے پاؤں کی کلام کی چراگاہوں میں رہنمائی کی اور اُس کو وہ زبان سکھائی جس میں اس نے بعد ازاں اپنے خیالات کو ظاہر کیا؟ یا کیا اُس کی ذات میں وہ تمام باتیں جمع تھیں جن کی بابت اُس نے بعد ازاں فریسیوں اور فقیہوں کو ملامت کی۔ خادم الدین کے لئے جماعت کا کوئی حصہ ایسا ہیبت ناک نہیں ہے جیسا بچے۔ شاید کسی اتوار کو ہمارے سامنے کوئی ایسا بچہ بیٹھا ہو۔ جس کے دل میں اُسی وقت ایسے خیالات بیج کھا رہے ہوں۔ جو زمانۂ آئندہ پر حکومت کرینگے اور ہمارے زمانے کو پسپا کر دینگے +

اُس کے کام نے نشو و نما پایا"۔ اُس نے گلیل کے عبادتخانوں میں معجزے دکھائے۔
نیز وہ یہودی عبادت کے دوسری بڑی مرکز یعنی یروشلم کی ہیکل سے بھی غافل نہ تھا۔
وہ بلاناغہ عیدوں کے موقعوں پر وہاں جاتا تھا۔ وہ یروشلم میں فسح کھانے کے لئے
اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھا۔ اُس نے ہیکل کے صحن میں منادی کی۔ بلکہ الٰہی
عبادت کے دنیاوی حصے کو بھی جیسے نذر کا دینا۔ اُس نے نظرانداز نہ کیا۔ اُس نے
پترس کو مچھلی کے منہ سے سکہ نکالنے کے لئے بھیجا۔ تاکہ اُس سے ہیکل کا نیم مثقال ادا
کرے۔ اور اُس نے بیوہ کی جسے اُس نے ہیکل کے خزانے میں چھ دام ڈالتے
دیکھا۔ بہت ہی تعریف و تحسین کی +

اِن باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع خدا کے گھر کو دل و جان سے پیار کرتا تھا۔
وہ داؤد کے لفظوں میں کہہ سکتا تھا۔ کہ "اے لشکروں کے خداوند تیرے مسکن کیا ہی دلکش
ہیں۔ میری رُوح خداوند کی بارگاہوں کے لئے آرزومند بلکہ گداز ہوتی ہے ایک دن جو
تیری بارگاہوں میں کٹے ہزار دن سے بہتر ہے" +

آج کل بعض اوقات ایسے آدمی بھی جو ظاہراً دینداری کے دعویدار ہیں عبادت
عامہ کا حقارت سے ذکر کرتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔ گویا کہ اُن کے نزدیک اُس کے بغیر
دین کی بہبودی میں کچھ فرق نہیں آئیگا۔ وہ ادنےٰ ادنےٰ وجوہات کی بنیاد پر یا بلا کسی
وجہ کے ظاہری کلیسیا سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں گویا کہ کلیسیا اُن جیسے بزرگ
اشخاص کی شراکت کے قابل نہیں۔ مگر یسوع نے ایسا نہیں کیا۔ اُس کے زمانے کی
کلیسیا ہرگز خالص و پاک کلیسیا نہیں تھی۔ اور کسی شخص کی نسبت اگر وہ اُسے اپنی شراکت کے

ناقابل سمجھکر چھوڑ دیتا تو جائز تھا۔ مگر برخلاف اِسکے وہ بلاناغہ اُسکے دستورات کو بجا لاتا۔ بلکہ گرمجوشی سے اُنہیں پیار کرتا رہا۔ شائد ناصرت کی شیر پر جماعت سے بڑھکر مشکل سے کوئی ایسی جماعت ہوگی جو اپنے رتبے سے اس قدر گری ہوئی ہو۔ اور بہت کم وعظ ایسے ناقص ہونگے جیسے وہ وعظ جو وہاں سننے میں آتے تھے۔ لیکن جب وہ اُس چھوٹے سے عبادتخانے میں جاتا تھا تو گویا اپنے آپ کو ملک کے تمام دیندار لوگوں کے ساتھ متحد محسوس کرتا تھا۔ جبکہ پاک نوشتے پڑھے جاتے تو گویا گذشتہ زمانوں کے نیک اور بزرگ لوگ اُس کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ نہیں بلکہ اُس کے لئے خود آسمان بھی اُسی تنگ و تاریک جگہ میں موجود تھا۔

انسانی زندگی کے گھر میں کلیسیا بطور ایک کھڑکی کے ہے جس میں سے باہر نظر کرکے آسمان کو دیکھ سکتے ہیں۔ ستاروں کے دیکھنے کے لئے کسی بڑی نقش و نگار کی ہوئی کھڑکی کی ضرورت بھی نہیں۔ بیبل سے باہر جو نہایت عمدہ نام کلیسیا کو دیا گیا ہے وہ خوشنما محل ہے۔ یہ نام بنین صاحب کی مشہور کتاب مسیحی مسافر میں ملتا ہے۔ لیکن کلیسیائیں جن سے وہ واقف تھا صرف بیپٹسٹ لوگوں کی معمولی چھوٹی چھوٹی مجمع گاہ تھیں۔ اور اُس زمانے میں جبکہ لوگ مذہب کے لئے ستائے جاتے تھے اُن کی حیثیت معمولی قسم کی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں سے کچھ بھی بڑھ کر نہ تھی دیکھنے والے کو معمولی کھتا سا نظر آتا تھا مگر بنین صاحب کی نظر میں ہر ایک ایسی جھونپڑی ایک خوشنما محل تھی۔ کیونکہ جب وہ اُس کی بھدی سی بنچ پر بیٹھتا تھا تو وہ اپنے کو تمام جماعت اور بلوبھوں کی کلیسیا میں شامل سمجھتا تھا اور اُسکی قوت واہمہ کی آنکھ اُس کے میلے کچیلے ٹوٹے پھوٹے

شہتیروں میں سے پار ہو کر کلیسیائے جامع کی شاندار چھت اور منور دیواروں کو دیکھ سکتی تھی۔ یہ پاک شدہ قوت واہمہ کی آنکھ ہے جو کلیسیا کی عمارت کو خواہ وہ اینٹ کی بنی ہو یا عالیشان اسقفی گرجا ہو۔ سچی عظمت و جلال سے ملبس کرتی ہے اور خدا کی محبت جس کا وہ گھر ہے ایک ادنٰے سے ادنٰے جھونپڑی کو بھی روح کے لئے ایک عمدہ آرامگاہ بنا دیتی ہے +

اگرچہ مسیح کے زمانے کی کلیسیا کی بنیاد خدا کی رکھی ہوئی تھی اور وہ بھی اُس کو خدا کا گھر مانتا تھا۔ تاہم وہ خوفناک خرابیوں سے بھری تھی۔ کوئی انتظام خواہ خدا کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔ آدمی اُس میں اپنی باتیں ملا سکتا ہے اور رفتہ رفتہ انسانی ملاوٹ الٰہی انتظام کے ساتھ مل جل کر ایسی ایک بن جاتی ہے۔ کہ دونو باتیں ایک تن معلوم ہوتی ہیں اور یکساں طور پر خدا کی طرف سے سمجھی جانے لگتی ہیں۔ انسانی ایزادیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ یہانتک کہ اُس میں سے جو انسانی آمیزش ہی گزر کر الٰہی باتوں تک پہنچنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ فی الحقیقت بعض کامگار روحیں اُس وقت بھی اُس میں سے حقیقت تک پہنچ جاتی ہیں جیسے درخت کی جڑیں اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے سخت چٹان کے دراڑوں کے بیچ میں سے بھی زمین تک راستہ نکال لیتی ہیں لیکن عوام الناس اپنا راستہ نہیں پا سکتے بلکہ اپنی روحوں کو اُن باتوں سے سیراب کرنے کی کوشش میں جو محض انسانی ہیں اور جن کو وہ غلطی سے الٰہی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ تباہ ہو جاتے ہیں آخرکار ایک طاقتور آدمی برپا ہوتا ہے۔ جو اصل عمارت اور انسانی ایجادوں میں فرق معلوم کر لیتا ہے۔ اور وہ آخرالذکر کو توڑ کر چکنا چور کر دیتا ہے۔ اور گو کہ تمام اُلو اور تاریکی کے جانور جنہوں نے اُس میں اپنے گھونسلے بنا رکھے تھے بہتیرا شور و غوغا مچاتے ہیں تو بھی وہ از سر نو خدا کی بنائی ہوئی اصلی بنیادوں کو دوبارہ ظاہر

کر دیتا ہے۔ اُس شخص کو زبان عام میں مصلح کے نام سے پکارتے ہیں۔ یسوع کے دنوں میں اُس مذہب پر جو خدا نے مقرر کیا تھا۔ انسانی بدعتیں حد کو پہنچ گئی تھیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ کس طرح شروع ہوئیں ایسی باتیں اکثر بغیر کسی بد ارادے کے شروع ہوتی ہیں لیکن یہ ایک غلط فہمی کے سبب سے بہت ہی ترقی کر گئیں جو اس امر میں پیدا ہو گئی تھی۔ کہ خدا کی عبادت کیا ہے۔ عبادت ایک وسیلہ ہے جس سے انسان کی خالی روح خدا کے نزدیک جاتی ہے تاکہ اُس کی بھرپوری سے بھر جائے۔ اور تب خوش و خرم ہو کر واپس آتی ہے تاکہ اُس قوت سے جو اُس کو حاصل ہوئی خدا کی خدمت میں زندگی بسر کرے۔ لیکن ہمیشہ ہم میں طبعاً یہ میلان پایا جاتا ہے کہ ہم اس عبادت کو بطور ایسے خراج کے سمجھنے لگتے ہیں جو ہمیں خدا کو ادا کرنا ہے۔ اور جس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم کو اُس کے عوض کچھ ثواب یا اجر ملتا ہے۔ البتہ اگر عبادت بطور خراج کے ہو تو جس قدر زیادہ اس کو ادا کیا جائے بہتر ہے۔ کیونکہ جس قدر زیادہ دیا جائیگا۔ عابد کو اسی قدر زیادہ ثواب ملیگا۔ پس اس طور سے عبادتوں کی تعداد بڑھائی جاتی ہے۔ نئی نئی صورتیں ایجاد کیجاتی ہیں اور انسانی ثواب کے حصول کے خیال میں خدا کے فضل کی یاد بالکل مٹ جاتی ہے +

یہی بات کنعان کے ملک میں بھی واقع ہوئی۔ مذہب عبادتوں کا ایک لاانتہا سلسلہ بن گیا تھا۔ جن کی اس قدر کثرت ہو گئی کہ آخر کار وہ زندگی کے لئے ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہو گئیں۔ خادمانِ دین اُنہیں لوگوں کی گردن پر لادتے گئے۔ جن کی ضمیر اپنی کوتاہیوں کے خیال سے ایسے شکستہ و پامال ہو گئے کہ مذہبی احکام کی پیروی سے جو خوشی حاصل ہونی چاہئے وہ بالکل ضائع و برباد ہو گئی۔ خود خادمانِ دین بھی اُن احکام کی بجاآوری سے جو

وہ جاری کرتے تھے قاصر تھے۔ اور اس سے ریاکاری کو دخل پانے کا موقعہ ملا۔ کیونکہ طبعی طور پر اُن سے امید کی جاتی تھی کہ وہ خود اُن تمام باتوں کو جن کا اوروں کو حکم کرتے ہیں بجا لائینگے۔ مگر وہ کہتے تھے اور کرتے نہ تھے " وہ بھاری بوجھیں جن کا اٹھانا مشکل ہے باندھتے اور لوگوں کے کاندھوں پر رکھتے تھے۔ پر آپ اُنہیں اپنی ایک انگلی سے سرکانے پر راضی نہ تھے "۔ اب وقت آپہنچا تھا کہ ایک مصلح ظاہر ہوا اور یہ اصلاح کا کام یسوع کے سپرد ہوا۔

اُس اصلاح کے کام میں اُسکی گرمجوشی کا پہلا اظہار اُس کی منسٹری کے شروع ہی میں ہوا جبکہ اُس نے خرید و فروخت کرنے والوں کو ہیکل کے صحن سے نکال دیا۔ اُن لوگوں کا کاروبار غالباً نیک ارادے سے شروع ہوا تھا۔ وہ قربانی کے لئے بیل اور کبوتر اُن لوگوں کے پاس بیچتے تھے۔ جو غیر ممالک سے ہزارہا ہزار کی جماعتوں میں عیدوں کے موقعہ پر عبادت کرنے کے لئے یروشلم میں آتے تھے ایسے لوگوں کے لئے اس قدر فاصلہ سے جانوروں کو اپنے ہمراہ لانا مشکل تھا۔ اور وہ غیر ممالک کے روپیوں کو جو وہ اپنے ہمراہ لاتے تھے وہاں یروشلم کے سکہ سے بدلوا لیتے تھے۔ کیونکہ غیر ملکوں کا سکہ ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ اور اس لئے ہیکل کے خزانے میں صرف وہیں کا سکہ لیا جاتا تھا۔ یہ دراصل تو ایک ضروری اور مفید بات تھی۔ مگر اس سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوگئیں تھیں۔ کیونکہ جانوروں کے لئے بہت زیادہ قیمت مانگی جاتی اور سکے بڑے گراں نرخ پر تبدیل کئے جاتے تھے۔ اِس کاروبار سے اس قدر شور و غوغا ہوتا تھا کہ اُس سے عبادت میں بھی حرج واقع ہوتا تھا۔ اور نیز اس کام کے لئے اِس قدر جگہ رُک گئی کہ غیر اقوام کو ہیکل کے صحن میں جو اُن کے لئے مخصوص تھا۔

عبادت کے لئے بالکل جگہ نہ ملتی تھی۔ قصہ کوتاہ۔ عبادت کا گھر چوروں کی کھوہ بن گیا تھا۔
یسوع نے بلاشبہ بہت دفعہ جب وہ عیدوں کے موقعوں پر ہیکل میں آتا ہوگا افسوس و غصہ
کے ساتھ ان خرابیوں کو دیکھا ہوگا۔ اور جب نبوت کی روح اُس پر اُتری اور اُس نے اپنا
پبلک کام شروع کیا تو اُس کے پہلے کاموں میں سے یہ کام تھا کہ خدا کے گھر کو ان خرابیوں
سے پاک کرے۔ نوجوان نبی کو اپنا رسیوں کا کوڑا لوگوں کے سروں پر گھماتے ہوئے
دیکھنا جو اپنے گناہ سے خبردار ہو کر اُلٹی ہوئی میزوں اور دوڑتے ہوئے جانوروں کے
درمیان اُس کے پاک غصب کے سامنے سے بھاگے جاتے تھے مصلح کی ایک کامل تصویر کا نظارہ ہے
بیان کیا جاتا ہے کہ سردار کاہن کے خاندان کو اس ناپاک تجارت سے بہت آمدنی تھی اور
ظاہر ہے کہ اُن لوگوں کے دل میں اُس شخص کی نسبت جس نے اُن کی آمدنی میں رخنہ
ڈالا بہت محبت و سلوک کا خیال پیدا نہ ہوا ہوگا۔ اسی طرح اُس نے اُن کی لمبی اور نمودی
دعاؤں۔ اور خیرات دیتے وقت اپنے سامنے تُریاں بجلانے کی ہنسی اُڑا کر فریسیوں کی
جماعت کو اپنا دشمن بنا لیا۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ وہ اِس قسم کی باتوں کی پردہ دری سے باز
رہتا۔ کیونکہ لوگ اُن باتوں کو دینداری کا مغز سمجھکر عزت کی نظر سے دیکھتے تھے حالانکہ
وہ ناشائستگی اور جھوٹی شیخی کا ناپاک پوست تھیں اُسنے اِس بات کو منظور کیا کہ لوگ اُسے
گنہگار سمجھکر حقیر جانیں اسلئے کہ وہ روزوں اور سبت منانے کے پُر مبالغہ دستوروں سے
جن کی نسبت وہ جانتا تھا کہ مذہب کا حصہ نہیں ہیں بے پروائی کرتا تھا۔ اور نیز اسلئے
بھی کہ وہ محصول لینے والوں اور گنہگاروں سے ملتا تھا۔ کیونکہ وہ اِس کو الٰہی رحمت کے
عین مطابق سمجھتا تھا۔ آخرکار وہ اِس بات پر مجبور ہوا کہ اُس زمانے کے مذہبی اشخاص کے

چہرے پر سے ریاکاری کا نقاب اُٹھاکر ان کی اصلی صورت کو لوگوں پر ظاہر کردے کہ وہ اندھوں کے اندھے ہادی اور سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہیں۔ جو باہر سے خوبصورت نظر آتیں لیکن اندر سے مُردوں کی ہڈیوں سے پُر ہیں +

اِس طور سے اُس نے انسانی کوڑے کرکٹ کے تودوں کو جو اُنہوں نے خدا کے گھر کے گرداگرد جمع کر دئے تھے۔ صاف کر دیا اور حقیقی ہیکل کو از سر نو اُس کی خوبصورت آن بان میں پھر ایک دفعہ لوگوں پر ظاہر کر دیا۔ لیکن اُسے اِس کا خمیازہ بھی اُٹھانا پڑا۔ کاہنوں نے جن کے ناجائز منافعوں کے وسائل اُس نے بند کر دئے۔ اور فریسیوں نے جن کی ریاکاری کو اُس نے افشا کر دیا۔ ایسے غضب اور کینے کے ساتھ اُس کا تعاقب کیا کہ اُس کو صلیب پر کھینچ کر ہی دم لیا۔ اور اِس طرح مصلح کے نام کے علاوہ اُس نے شہید کا نام بھی حاصل کیا اور خود شہدا کی شریف فوج کا پیشوا بنا جو گذشتہ صدیوں کے صفحہ پر ایک باریک قطار میں صف بستہ نظر آتی ہے +

اِس فوج کے کئی ایک اشخاص مصلح بھی ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں کلیسیا کے برخلاف سر اُٹھایا اور اسی کش مکش میں مارے گئے۔ کیونکہ نئے عہد کی کلیسیا پرانے عہد کی کلیسیا کی مانند خرابیوں کی جولان گاہ بننے سے کسی طرح آزاد نہیں سچی کلیسیا کی حالت اُن مردانِ خدا کے زمانے میں جن کو ہم خاص طور سے مصلح کے خطاب سے مخاطب کرتے ہیں ٹھیک ویسی ہی تھی۔ جیسی پرانے عہد کی کلیسیا کی حالت مسیح کے وقت میں۔ انسان کی ایزادیوں نے خدا کی کاریگری کو بالکل ڈھانپ لیا تھا۔ مذہب خدا کے فضل کو لوگوں تک پہنچانے کے انتظام سے بدل کر رسوم و دستورات کا سلسلہ

بن گیا تھا۔ جس سے انسانی ثواب کے ذریعے خدا کی مہربانی کو طلب کیا جاتا تھا۔ اور خادمانِ دین اندھوں کے اندھے راہ دکھانے والے بن گئے تھے۔ اصلاح کے ذریعے سے خدا نے اپنی کلیسیا کو اِس حالت سے نجات بخشی۔ اور ہم خیال کرتے ہیں کہ اُس وقت کے بعد پھر کبھی اصلاح کی ویسی ہی بڑی حاجت نہیں پڑی۔ تاہم یہ خیال کرنا لاحاصل ہے کہ ہمارے زمانے میں یا کلیسیا کی اُس شاخ میں جس سے ہم تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی خرابیاں نہیں ہیں۔ جن کے لئے مصلح کے چھاج کی حاجت نہیں۔ گو ہم اُن کو محسوس نکریں۔ مگر یہ بات اِن کی عدم موجودگی کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہم تاریخ سے معلوم کرتے ہیں کہ کلیسیا اپنے بدترین دنوں میں بھی اپنے عیوب سے برابر ناواقف رہی۔ جب تک کہ مناسب شخص نے مبعوث ہو کر اُن عیوب کو جتا نہ دیا۔ اور تمام زمانوں میں ایسے شخص ہوتے رہے ہیں۔ جو سچے دل سے یہ یقین کرتے تھے کہ وہ خدا کی خدمت بجا لا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ اُس وقت اپنی جہالت سے نہائت ضروری اور مفید تبدیلیوں کو روک رہے تھے +

۳

مصلح کا نام جہاں اِس کا مخاطب فی الحقیقت اس نام کا مستحق ہو کلیسیا میں بڑا معزز سمجھا جاتا ہے مگر یسوع اِس سے بھی ایک بڑا نام رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ کلیسیا کا بانی بھی تھا[1] +

[1] مسیح کو قدیمی کلیسیا کا مصلح اور نئی کلیسیا کا بانی کہنے میں جو ظاہرہً بتائیں معلوم ہوتا ہے۔ اُس کی وجہ کچھ تو یہ ہے کہ خدا کی مرضی اور انسان کی مرضی میں باہم ضد ہے جس کا ذکر پچھلے باب میں ہوا۔ محدود انسانی آنکھوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرگرمی سے ایسے مقاصد کے حصول میں ساعی تھا جو کبھی حاصل نہیں ہوئے اور کہ اُس کی

قدیم کلیسیا جس میں اُس نے پرورش پائی معدوم ہونے پر تھی۔ اُس کا کام تمام ہو چکا
تھا۔ اور قریب تھا کہ وہ دنیا پر سے اٹھا لی جائے۔ اُس نے پہلے پیشین گوئی کی کہ
ہیکل میں پتھر پر پتھر نہ چھوٹیگا جو گرایا نہ جائے۔ اُس نے سامری عورت کو بتایا۔ کہ وہ
گھڑی آتی ہے۔ جس میں تم نہ کوہ گرزیم پر نہ کوہ صیحون پہ باپ کی پرستش کرو گے بلکہ
سچے پرستار ہر ایک جگہ روح اور راستی سے اُس کی پرستش کرینگے۔ جب وہ مر گیا تو
ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا + اُس نے نئے عہد کی کلیسیا کی اپنے ہی
خون میں بنیاد رکھی۔ اپنا خون بہانے سے اُس نے خدا اور انسان کے باہمی ناکامل
رشتہ کو جو بیلوں اور بکروں کے خون کے وسیلے تھا منسوخ کر دیا۔ اور ایک نیا اور بہتر
رشتہ قائم کیا۔ چنانچہ اُس نے عشاء ربانی کی رسم مقرر کرتے وقت فرمایا کہ "یہ میرے لہو
سے نیا عہد ہے۔" خدا کا نیا گھر اُس کامل مکاشفہ سے جو اُس نے خدا کی بابت
ظاہر کیا منور ہے اور اُس میں نئی اور زیادہ قیمتی برکتیں جو اُس کی زندگی اور موت
سے خریدی گئیں لوگوں تک پہنچائی جاتی ہیں +

لیکن خدا کا نیا گھر تعمیر کرنے میں اُس کے معمار نے قدیمی سامان کو بالکل رد نہیں کر دیا
اُس نے عشاء ربانی کی رسم میں اُنہیں اشیاء کا استعمال مقرر کیا جس کو وہ اور اُس کے

بقیہ نوٹ صفحہ ۶۹۔ زندگی کے نتائج اُس کے ارادوں کی نسبت مختلف تھے۔ علاوہ بریں قدیم اور جدید ایسے الفاظ ہیں
جو ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز کی نسبت استعمال ہو سکتے ہیں۔ یہ بات صحیح اعتقاد کے زیادہ مطابق ہوگی۔
کہ ہم مسیحی کلیسیا کو عہدِ عتیق کی کلیسیا کے ساتھ متحد سمجھیں۔ لیکن نئی کلیسیا کہنا شاید زیادہ تر کتاب مقدس
کے مطابق ہے یا یوں کہو کہ کلیسیا کے علماء اُس چیز پر جو دونو انتظاموں میں مشترک ہے زور دیتے ہیں
مگر کتاب مقدس اُس پر جو دونو کو ایک دوسرے سے ممیز کرتی ہے +

شاگرد اُسی شام کو فسح کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ عبادت کی صورت اور مسیحی کلیسیا کے عہدہ دار عبادتخانے کے عہدہ داروں اور عبادتوں سے خاص مشابہت رکھتے ہیں۔ مزید براں عہدِ قدیم کے نوشتے معہ اپنے مقدسوں اور بہادروں کے تذکرات کے ایک ہی جلد میں عہدِ جدید کی کتابوں کے ساتھ شامل ہیں ٭

یسوع نے خود نئے عہد کی کلیسیا کے انتظام و بندوبست کا نقشہ تفصیل کے ساتھ نہیں کھینچا۔ اُس نے صرف اُس کی بنیاد رکھنے پر اکتفا کیا جو اور کسی شخص سے نہ ہو سکتا۔ اور اُس کی عمارت کا ایک عام خاکہ کھینچ دیا۔ اُس نے اپنی انجیل کلیسیا کے حوالے کی اور یہ حکم دیا کہ ہر ایک مخلوق کے سامنے اُسکی منادی کرے۔ اُس نے کلیسیا کو بارہ رسول دیئے۔ جن کی محنتیں اور الہامی تعلیمیں اس بنیاد کے اوپر جو خود اس نے رکھی پتھروں کے دوسرے ردّے کی مانند تھیں۔ اُس نے اُسکے عہدہ داروں کو یہ اختیار دیا کہ لوگوں کو اُس کی رفاقت میں داخل کریں یا اُس سے خارج کریں۔ اُس نے بپتسمہ اور عشائے ربانی کی رسمیں مقرر کیں۔ اور سب سے بڑھکر اُس نے اپنی کلیسیا کے ساتھ یہ وعدہ چھوڑا جو ہر ایک زمانے میں امید کے ستارے کی طرح چمکتا ہے۔ کہ "دیکھو میں زمانے کے آخر ہونے تک تمہارے ساتھ ہوں" مسیح کا یہ بنیاد نہادی کا کام ایک ہی دفعہ پورے طور پر کیا گیا اور دوہرایا نہیں جا سکتا۔ آدمی بعض اوقات مسیحی کلیسیا کے اُٹھ جانے کی بابت خیالی پلاؤ باندھنے لگتے ہیں۔ مگر بجائے اُس کے کوئی ایسی چیز واقع ہو جاتی ہے۔ جو پہلے سے بڑھکر ہو۔ لیکن "کوئی آدمی دوسری بنیاد ہرگز نہیں رکھ سکتا"۔ کلیسیا کو اس بنیاد پر صرف تعمیر کرنے کا کام ہم پر چھوڑا گیا۔ تاہم یہ بھی اُسی کام کا ایک حصہ ہے۔

اور اُسی روح کے ذریعے جس کے ساتھ اُس نے اُس کی بنیاد رکھے سرانجام پاتا ہے سب سے پہلے اُن لوگوں کو جو اِس کام کو اختیار کرتے ہیں یہ دیکھنا ضرور ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک بنیاد کے اوپر تعمیر کریں۔ بہت سا کام جو مسیحی خدمت کے نام سے کہلاتا ہے۔ آخری روز مسیح اُس کو قبول نہیں کریگا۔ کیونکہ وہ اُس بنیاد پر تعمیر نہیں کیا گیا جو اُس نے رکھی تھی۔ اگر اُس نئے عہد کو جو اُس کے خون سے ہے۔ فراموش کر دیا جائے۔ جس پر اُس نے اپنے کام کو مشتمل ٹھیرایا۔ یا اگر وہ بنیادیں جو اُس کے رسولوں نے اُس کے نام سے رکھیں تسلیم نہ کی جائیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی ہی ایک کلیسیا تعمیر کرلیں۔ لیکن ہماری اُس محنت کو وہ کبھی قبول نہیں کریگا ؛

نیز اُن سب کو جو اِس کام میں حصہ لیتے ہیں یہ بھی لازم ہے کہ اُسی کی پاک گرمجوشی کے ساتھ اُس کو تعمیر کریں۔ اُس نے یہ مناسب سمجھا کہ آدمیوں کی روحوں کو نجات دینے کی خاطر اپنی جان دے۔ اِسلئے ہم کو بھی یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کیا کیا قربانیاں کرنے کو تیار ہیں۔ اُس نے تو اپنی جان دے دی۔ کیا ہم اپنا آرام۔ اپنی کوشش اور اپنا روپیہ دینگے۔ یہ سب اُس نے اِس وجہ سے کیا۔ کہ اُسے یقین تھا۔ کہ ہر ایک انسانی روح عالم کی نسبت بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اِسی لئے وہ انسان کی روح بچانے کے لئے موا۔ کیا وہ روح ہماری نظر میں بھی ویسی ہی قیمتی ہے؟ کیا اُن کی بدبختی اور بربادی کا خیال ہم کو بھی بیچین کرتا ہے؟ کیا اُن کا گناہ ہمیں مغموم کرتا ہے؟ کیا اُن کی نجات سے ہمارے دل میں بھی اُسی قدر خوشی پیدا ہوگی۔ جو

ایک گناہگار کے توبہ کرنے کے وقت آسمانی فرشتوں کے دلوں کو مسرور کرتی ہے ؟

مگر اس عمارت کو تعمیر کرنے کے لئے نہ صرف گرمجوشی کی بلکہ خدا کی پاک کی ہوئی دانش کی بھی ضرورت ہے جیساکہ میں نے پہلے کہا یسوع نے کلیسیا کے انتظام کے لئے ذرا ذرا تفصیلی باتوں کی ہدائت نہیں کردی اُس نے زیادہ تر اُن کو انسانی ذکاوت و ذہانت پر چھوڑ دیا۔ تاکہ وہ خود یہ دریافت کریں کہ کس طرح یہ کام بہتر طور پر سرانجام ہو سکتا ہے۔ اور کلیسیا ابھی تک اِن باتوں کو دریافت کرتی جاتی ہے۔ نئے نئے مسائل حل کرنے کے لئے درپیش آتے۔ نئے نئے کام معرض عمل میں آتے ہیں اسلئے اس کو موجدوں اور پیش رووں کی حاجت ہے جو اُس کی نئی نئی مہموں کے سرانجامی کے لئے تدابیر سوچیں اور نئی نئی فتوحات کے لئے راستہ تیار کریں۔ مثلاً اس برکت کا اندازہ کرنا جو اُس آدمی کے وسیلے سے کلیسیا پر نازل ہوئے۔ جس نے سنڈے سکول قائم کئے ناممکن ہے۔ وہ کلیسیا کا ذی مرتبہ عہدہ دار نہ تھا اور نہ وہ عجیب و غریب لیاقت و قابلیت رکھتا تھا۔ جو خوبی اُس میں تھی سو یہ تھی کہ اس نے دیکھ لیا ایک بہت بڑا کام کرنے کے واسطے موجود ہے۔ اور اُس نے اُس کے سرانجام کرنے کے لئے ایک عمدہ طریق دریافت کر لیا۔ اُس نے بچوں کی جماعت تک لوگوں کی راہ نمائی کی اور اُس وقت سے وہ بے شمار رضامند کاٹنے والوں کے لئے۔ جو پکے ہوئے کھیت کے اس نہائت دلکش حصّے میں اُس کی پیروی کرتے ہیں نہائت عمدہ کام مہیا کرتا رہا ہے۔ اَور بھی بے شمار قسم کے کام ہیں۔ جو پاک شدہ مسیحی جودتِ

ذکاوت کے ذریعے حل کئے جانے کے منتظر ہیں۔ میرے نزدیک اور کوئی تحفہ ایسا عمدہ نہیں جس کے حصول کی طمع کی جائے۔ جیسا یہ کہ سب سے پہلے ہم یہ دریافت کرسکیں کہ کس طرح مسیحی اہل الرائے کو روحانی علم کی کسی نئی کان میں کام کرنا چاہیے یا کس طرح مسیحی مزاج روحانی قابلیت کے کسی نئے زینے پر اُٹھایا جاسکتا ہے یا کس طرح مسیحی سرگرمی جماعت کے کسی ایسے حصے کی جواب تک فراموش رہا ہے روحانی ضروریات کو پورا کرسکتی ہے +

۵

مسیح کا نمونہ دوستی میں

متی ۱۰: ۲-۴
" ۱۱: ۷-۱۱
" ۱۷: ۱ و ۲
" ۱۸: ۶-۱۰
" ۲۱: ۱۷
" ۱۱: ۱۷
" ۲۶: ۱۴-۱۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰
مرقس ۵: ۳۷
" ۱۳: ۳ و ۴

لوقا ۸: ۱-۳
" ۱۰: ۳۸-۴۲
" ۱۲: ۴
یوحنا ۱: ۳۵-۵۱
" ۱۱ باب
" ۱۲: ۱-۷
" ۱۳: ۱-۵ و ۲۳
" ۱۵: ۱۳-۱۵
" ۱۹: ۲۷

پانچواں باب

مسیح کا نمونہ دوستی میں

۱

کتب عہدِ جدید پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُس میں کبھی دوستی کی تعریف و تحریک نہیں کی گئی حالانکہ اُس میں جورو خاوند۔ باپ بیٹے۔ اور بہن بھائی کے باہمی سلوک کی نسبت ہدایات درج ہیں۔ مگر دوست دوست کے باہمی تعلق کا کچھ بھی ذکر نہیں پایا جاتا +

اِس عجیب بھول کی وجہ بیان کرنے کے لئے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اُن پر بحث کریں ہمیں یہ تحقیق کر لینا چاہئے کہ آیا فی الحقیقت یہ خیال ٹھیک ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ عہدِ جدید میں دوستی کا کچھ بھی ذکر نہیں ہوا؟ برخلاف اِس کے میں یہ دعوےٰ کرتا ہوں کہ عہدِ جدید اِس مضمون کے مطالعہ کے لئے نہائت عمدہ کتاب ہے۔ دوست کی سب سے اعلےٰ مثال خود یسوع میں پائی جاتی ہے۔ اور اُس کا سلوک جو اُس نے اِس خوبصورت رشتہ میں

دکھایا خود بطور ایک آئینہ کے ہے ۔ جس میں حقیقی دوستی کی کامل تصویر نظر آتی ہے اور جس کے مطابق ہر ایک دوست کو اپنے تئیں جانچنا چاہیئے البتہ اس امر پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے ۔ کہ دوستی کی یہ مثال قابل تسلیم نہیں کیونکہ یسوع کا اُن لوگوں کے ساتھ جو اُس کے دوست کہے جا سکتے تھے ۔ اُن کے منجی ہونے کا اعلےٰ رشتہ بھی تھا ۔ اور اس بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ اُن لوگوں کے درمیان جو ایسی مختلف حیثیت اور درجہ رکھتے ہوں حقیقی دوستی ناممکن ہے +

لیکن اُس نے خود بارہ کو اپنا دوست کہہ کر پکارا کہ " بعد اس کے میں تمہیں خادم نہ کہونگا ۔ بلکہ دوست " اُس نے بارھوں میں سے تین کو اپنا خاص رفیق بنا لیا ۔ یعنی پطرس ۔ یعقوب اور یوحنا کو ۔ اور ان تینوں میں سے یوحنا خصوصاً وہ شاگرد تھا ۔ جسے یسوع پیار کرتا تھا ۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ " یسوع مارتھا اور اُس کی بہن اور لعازر کو پیار کرتا تھا " اور اس عبارت سے یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیت عینا کے ان لوگوں کے ساتھ ایک خاص طرح کا دوستانہ تعلق رکھتا تھا ۔ منجی ہونے کی حیثیت میں اُس کی نسبت یہ خیال کرنا مشکل ہے ۔ کہ وہ اُن لوگوں میں سے جنہیں اُس نے بچایا ہے ایک کو دوسرے سے زیادہ پیار کرتا ہے ۔ کیونکہ وہ سب کو یکساں پیار کرتا ہے لیکن اُن صورتوں میں جن کا اوپر ذکر ہوا اُس نے اپنے بعض پیرووں کو دوسروں پر ترجیح دی جس سے یہ ثابت ہوتا ہے ۔ کہ منجی اور ناجی کے وسیع اور بلند رشتہ کے درمیان دوستی کے خاص انسانی رشتے کے لئے بھی جگہ تھی +

۲

اُن لوگوں کے درمیان جنہوں نے دوستی کے مضمون پر کچھ لکھا ہے اِس امر پر بہت کچھ بحث ہوئی ہے۔ کہ آیا نہایت عمدہ دوست وہ ہے۔ جو بہت پیار کرتا ہے یا وہ جو سب سے بڑے فواید پہنچاتا ہے ؎

دونو جانب سے بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ بات ہے کہ نہایت ہی عاجز دوست کی سچی محبت سے خواہ وہ ہماری کوئی خاص خدمت بجالانے کے کیسا ہی ناقابل کیوں نہ ہو۔ ایک لامحدود تسکین اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف زندگی کے آفات و مصائب میں جو سب پر وارد ہوتے ہیں ایک ایسے شخص کا ہونا ازحد کارآمد معلوم ہوتا ہے جو عمدہ صلاح و مشورت دے سکے جو مصیبت میں دستگیری کرسکے۔ جو ہمارے معاملات میں ایسی دلچسپی لے گویا کہ وہ اُس کے اپنے ہی ہیں اور یہ سب صرف اس لئے کرے کہ وہ ہمارا دوست ہے۔ مگر میرے خیال میں ان دونو میں سے کوئی بھی دوستی کا اَبدر ہوتی کہلانے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک اور چیز ہے جو اُن دونو سے زیادہ قیمتی ہے ؎

اگر وہ شخص جس نے اس مسرت کے چشمے سے دل کھولکر پیا ہے۔ اپنی گذشتہ زندگی پر نظر کرے اور سوال کرے کہ اُس کی زندگی کے عیش و آرام میں سب سے میٹھی چیز کونسی تھی اور پھر وہ اپنے دلی دوست کو یاد کرے جس کی صورت اُس کے تجربات زندگی کی منتخب گھڑیوں کے ساتھ وابستہ ہے اور تب وہ ہم کو یہ بتائے کہ اُس کی اِس دلی تسکین کا بھید اور روح کیا ہے؟ اگر تمہاری دوستی اعلےٰ درجے کی تھی تو اُس تسکین کی روح صرف

اُس شخص کی لیاقت ہے۔ جس کو اپنا دوست کہنے کی عزت تم کو ملی۔ تم کو یقین ہے کہ وہ بالکل سچا اور وفادار ہے۔ تم اس کو خوب جانتے ہو اور تم کو اُس میں کہیں بھی شک و شبہ یا مکر و فریب نظر نہیں آتا۔ دنیا جھوٹی اور فریبی ہو تو ہو لیکن تم کم سے کم ایک ایسے دل سے واقف ہو جس نے تم کو کبھی دھوکا نہیں دیا۔ اور اگرچہ بہت واقعات پیش آئے ہوں جس سے بنی آدم کی قدر تمہاری نظر سے اُتر گئی ہو تو بھی اپنے دوست کی صورت کو یاد کر کے تم ہمیشہ انسانی فطرت کی صلاحیت پر اعتماد کرنے کے قابل ہو۔ یقیناً یہی بے مثل نفع ہے۔ جو دوستی سے حاصل ہوتا ہے یعنی ایک سادہ خالص اور اُلوالعزم روح سے تعلق رکھنا اگر یہ بات یونہی ہے تو یسوع کی دوستی میں کس قدر لطف ہوگا۔ اگر انسانی فطرت کے نسبتاً عام اور ناکامل نمونے جن سے ہم واقف ہیں۔ ایسا مسرت بخش اثر کر سکتے ہیں۔ تو اُس سے جس کے دل میں ہمیشہ خدا اور انسان کی خالص محبت جوش زن تھی۔ قریبی تعلق رکھنا کیا کچھ ہوگا۔ یا اُس دماغ کے ساتھ جو ایسے خیالوں کا جو انجیل میں مرقوم ہیں ایک بڑا اور جاری سرچشمہ تھا۔ یا ایسی خصلت کے ساتھ جس میں باوجود باریک تحقیقات کے ایک بھی داغ یا چین نہیں پایا گیا۔ گہرا تعلق رکھنا کیا کچھ ہوگا۔ جب ہم بزرگ اور نیک اشخاص کے حالات پڑھتے ہیں تو ہمارے دل میں خواہ مخواہ یہ تمنا پیدا ہوتی ہے۔ کہ کاش ہماری قسمت میں ہوتا کہ ہم افلاطوں کے پیچھے پیچھے اُس کے باغ میں جاتے یا لوتھر کی بات چیت سننے یا بنین کے ساتھ بیڈفورڈ کی گلیوں میں بیٹھتے یا کولرج کو اپنے فلسفے کے سنہری بادل بناتے دیکھتے لیکن یہ سب مریمؔ کی خوش قسمتی کے مقابلے

ف غیر اقوام کا یہ خیال تھا کہ عورت رشتہ دوستی کے ناقابل ہے اور بہت سے مسیحی اہل الرائے بھی اس

میں جو یسوع کے پاؤں پاس بیٹھ کے اُس کی باتیں سنتی تھی۔ یوحنا کے مقابلے میں جو اُس کے سینے پر جھک کر اُس کے دل کی حرکت کو محسوس کرتا تھا کیا حقیقت رکھتے ہیں ؟

۳

اگر وہ بات جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا دوستی کی سب سے پہلی خوبی ہے۔ تو محبت اُس سے دوسرے درجے پر ہے دوستی صرف اُس حق و دعوے کا نام نہیں۔ جو ایک شخص دوسرے پر رکھتا ہے اِسلئے کہ وہ ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اور مدرسہ میں ایک ہی بنچ پر بیٹھے۔ یہ محض ہمسایوں کی واقفیت نہیں ہے جو روزمرہ ایک دوسرے کے ساتھ ملنے جلنے اور گپ شپ مارنے کے سبب ایک دوسرے کی صحبت کو پسند کرنے لگ گئے ہیں لیکن اگر جدا ہو جائیں تو ایک ہی مہینے میں ایک دوسرے کو بھول جائیں۔ یہ ہم سفروں کی اتفاقی واقفیت یا کسی پولیٹیکل مجمع کے ممبروں کی مجالست نہیں ہے۔ سب حقیقی دوستی میں روح کا روح سے ملاپ

بقیہ نوٹ صفحہ ۸۰

امریں اُنہیں کے پیرو ہیں۔ اس دعوے کی تائید میں اس قسم کی وجوہات پیش کی جاتی ہیں کہ کوئی عورت راز پوشیدہ نہیں رکھ سکتی یا کہ وہ مشکل معاملات میں صلاح و مشورت دینے کے ناقابل ہے۔ مگر یسوع مارتھا اور اُس کی بہن کو پیار کرتا تھا“۔ اور اُس کے دوستوں میں بعض عورتیں تھیں ۔ اس طور سے اُس نے اِس معزز رشتے کے لئے عورتوں کا حق ثابت کر دیا اور اُس کے خادموں میں سے سیکڑوں بہترین اور جوانمرد نیک اشخاص نے اُس وقت سے لے کر اس تسکین اور طاقت کو جو نیک عورتوں کی رفاقت سے حاصل ہوتی ہیں تجربہ کیا ہے اور اُن میں سے ایک (جرمی ٹیلر) نے لکھا ہے۔ کہ ”عورت ایسی ہی سرگرمی سے پیار کر سکتی۔ اور ایسے ہی دلپسند طور سے گفتگو کر سکتی۔ اور ایسی ہی وفاداری سے بھید کو رکھ سکتی۔ اور اپنی مقررہ خدمات میں نیک ہو سکتی۔ اور اپنے دوست کے لئے ایسے ہی جان قربان کر سکتی ہے۔ جیسے کوئی رومی بہادر“ +

اور دل کا دل سے تبادلہ ہوتا ہے۔ عہدِ جدید میں جو دوستی کی مثال درج ہے۔ اُس میں اُس دوستی کے شروع ہونے کا حال بڑی خوبی اور عمدگی سے درج کیا گیا ہے۔ "اور ایسا ہوا کہ جب وہ ساؤل سے بات کر چکا یونا تن کا جی داؤد سے مل گیا اور یونا تن نے اُسے اپنی جان کے برابر دوست رکھا" اس قسم کا اتحاد جو ایک دفعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر نہیں ٹوٹتا۔ پر اگر ٹوٹتا بھی ہے۔ تو جسم کے پھٹنے اور بہت سا خون بہنے سے ٹوٹتا ہے +

"تاہم میں اُن لوگوں کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا جو اس خیال کے مُوید ہیں کہ حقیقی دوستی زوجی محبت کی مانند ایک وقت میں صرف ایک ہی شخص سے رکھ سکتے ہیں۔ اس صدی کا ایک نہایت ہی باریک بین شخص جو انسانوں کے باہمی تعلقات کی تمام بلندیوں اور پستیوں سے خوب واقف ہے۔ بڑے زور سے اس خیال کی تائید اور تمام معترضین کے اعتراضوں کی تردید کرتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تمہارا ایک سے زیادہ دوست ہے تو یہی بات ثابت کرتی ہے۔ کہ تم کو حقیقی دوست اب تک نہیں ملا۔ مگر ایسا کہنا اُس الفت کی ماہیت کی غلط فہمی کے سبب سے ہے کیونکہ اُس سے اُس پر ایک ایسا قاعدہ قائم کیا جاتا ہے جو ایک بالکل مختلف قسم کے جذبے سے تعلق رکھتا ہے۔ بایں ہمہ وجوہ مسیح کا نمونہ ہمارے اس خیال کی تائید کرتا اور یہ ثابت کرتا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دوستی میں مختلف مدارج ہو سکتے ہیں اور کہ دل ایک ہی وقت میں کئی ایک شخصوں کی دوستی سے حظ اٹھانے کی قابلیت رکھتا ہے +

۴

دوستوں کی محبت ایک کارآمد جذبہ ہے۔ اور دوستوں کی خدمات بجا لانے اور فوائد پہنچانے

میں خوش ہوتا ہے۔ قدیم زمانے کے لوگ اس بات سے ایسے آگاہ تھے کہ دوستی کے
فرائض پر بحث کرتے ہوئے سوال یہ نہیں ہوتا تھا۔ کہ کس قدر ایک دوست کو دوسرے
کے لئے کرنا چاہئے۔ بلکہ یہ کہ کس حد پر پہنچ کر اُسے رکنا چاہیئے۔ اُن کے نزدیک یہ بات
مسلم تھی کہ آدمی کو اپنے دوست کی خاطر جو کچھ اُس سے ہو سکے کرنا۔ برداشت کرنا۔ اور
دینا چاہیئے۔ اور وہ صرف یہ ہدایت کرتے تھے۔ کہ آدمی کو صرف ایسے نقطے پر ٹھیر جانا
چاہیئے کہ جہاں اُس کی یہ سرگرمی کسی اعلےٰ فرض سے جو وہ اپنے کنبے یا ملک یا خدا سے
رکھتا ہے ٹکر کھائے۔ اُس خیال کے مطابق وہ تصاویر میں دوستی کا مرقع اس طور پر
اُتارتے تھے کہ گویا ایک نوجوان ننگے سر۔ موٹا سوٹا لباس پہنے کھڑا ہے اور اس تصویر
سے چالاکی اور خدمت گذاری پر آمادگی ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا اُس کے لباس کے
دامن پر الفاظ موت اور زندگی لکھے ہوتے تھے جس کا یہ مطلب تھا کہ دوستی زندگی اور
موت میں یکساں ہے۔ اُس کے ماتھے پر گرما اور سرما لکھا ہوتا تھا۔ جس سے مراد
تھی۔ کہ خوشحالی ہو یا تنگ حالی۔ دوستی میں سوائے اس کے کہ اُس کی خدمات کی
قسم میں تبدیلی ہو جائے اور کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ بایاں کندھا اور بازو دل کے
مقام تک ننگے ہوتے تھے۔ جہاں الفاظ دور و نزدیک تحریر تھے اور اُن کی طرف
دائیں ہاتھ کی انگلی اشارہ کرتی تھی جس سے کنایہ تھا کہ حقیقی دوستی نہ وقت سے کم
ہوتی نہ فاصلے سے زائل ہوتی +

یسوع کی دوستیوں میں اس صورت کے متعلق مثالیں دینا آسان ہے۔ مگر اُن
میں سے کوئی ایسی دلگیر نہیں جیسے اُس کا برتاؤ لعازر کی موت اور جی اُٹھنے پر۔ اِس

موقعہ پر اُس کا ہر ایک قدم اُس کی مزاج کی خصوصیت ظاہر کرتا ہے۔ اپنے دوست کی موت کی خبر سن کر اُس کا اُسی مقام میں جہاں وہ تھا اَور دو دن ٹھیر جانا تاکہ اُس عطیے کو جو وہ بخشنے پر تھا زیادہ قیمتی کردے۔ اُس کا باوجود خطرات کے جن کے واقع ہونے کا اندیشہ تھا۔ اور بارہ شاگردوں کے خوف کے۔ یہودیہ میں جانے کا حوصلہ کرنا۔ اُس کا مارتھا کے کمزور ایمان کے شعلے کو تیز کرنا۔ اُس کا خفیہ خفیہ مریم کو بلا بھیجنا تاکہ وہ بھی اُس بڑے نظارے کو دیکھنے سے محروم نہ رہے۔ اُس کا اُن جذبات سے جو ایسے موقعہ پر پیدا ہوتے ہیں کامل ہمدردی کرنا۔ یہاں تک کہ "وہ رو پڑا۔ اور اُسے دیکھکر حاضرین بول اٹھے۔ کہ دیکھو وہ اُسے کیسا پیار کرتا تھا"۔ اُسکا دعا کے ذریعے بہنوں کو تیار کرنا تاکہ وہ اپنے بھائی کو کفن پہنے ہوئے قبر سے نکلتے دیکھ کر دہشت نہ کھائیں۔ اور پھر سب سے بڑھ کر اُس کو زندہ کر دینا۔ یہ سب اُس محبت کے شاہد ہیں۔ جو عورت کے دل کی مانند نرم۔ موت کی مانند قوی اور خدا جیسی فیض بخش تھی*

لیکن دوستی بعض اوقات اپنی قوت فوائد کی قبولیت میں مستعدی دکھانے سے بھی اُسی قدر ظاہر کر سکتی ہے۔ جس قدر کہ اُس آمادگی سے جس سے وہ اُن فوائد کو دوسروں تک پہنچاتی ہے۔ دوست کے ہاتھ سے فوائد کی قبولیت سے وہ یہ ثابت کرتی ہے۔ کہ اُس کو طرف ثانی کی محبت پر پورا اعتماد ہے یسوع نے اپنی دوستی کی گہرائی کا جو وہ یوحنا کی نسبت رکھتا تھا۔ اِس قسم کا ایک ثبوت دیا جبکہ صلیب پر لٹکتے ہوئے اُس نے اپنے پیارے شاگرد سے درخواست کی کہ وہ مریم کو اپنی ماں کی جگہ سمجھے اس سے بڑھ کر دوستی کے لطیف اظہار کا نمونہ ملنا مشکل ہے۔ یسوع نے اُس سے یہ نہ

پوچھا کہ آیا وہ ایسا کریگا۔ بلکہ اُسنے اُس کی محبت کو بلا پوچھے فرض کر لیا۔ اور یہ اعتماد سب سے بڑی عزت تھی جو شاگرد کو ملنی ممکن تھی +

۵

دوستی کا یہ ایک مشہور خاصہ ہے کہ دوست ایک دوسرے کی باہمی رفاقت اور گفتگو سے حظ اُٹھاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے سامنے اپنے ایسے بھید بیان کر دیتے ہیں۔ جو وہ دنیا کے سامنے ظاہر کرنا گوارا نہ کرتے +

دو نہایت گاڑھے دوستوں کی نسبت ہم لوگوں کو عموماً یہ کہتے سنتے ہیں کہ اگر تم ایک کی تلاش میں ہو تو دوسرے کے گھر پر جانا بہتر ہوگا۔ ایک دوسرے کی صحبت سے اُن کو اطمینان ملتی۔ بلکہ کلام کی بھی اُن کو مشکل سے ضرورت پڑتی ہی۔ کیونکہ اُن کے پاس خیالات اور حسات کو معلوم کرنے کا ایک مخفی ذریعہ ہے۔ دوستوں کا ایک دوسرے کی صحبت میں بغیر کسی بدوضعی کے خاموش رہنا دوستی کا ایک قیمتی حق ہے تاہم جب کلام کے دروازے کھُل جاتے ہیں تو اُس وقت دل کے خزانے اس طور سے اُبل کر نکلتے ہیں کہ کسی اور حالت میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ انہیں ایک دوسرے سے کسی چیز کے چھپانے کی حاجت نہیں پڑ جیا خیال جو خود اپنے موجد سے بھی مُنہ چھپاتا تھا اُس وقت باہر نکل آتا ہے۔ سخت سے سخت رائے بھی بلا کسی خوف کے بول پڑتی ہے۔ اعتماد اعتماد کا جواب دیتا ہے۔ جیسے دو کوئلے جو جدا جدا مدھم جلتے ہیں جب اکٹھے کئے جاتے تو اُن میں سے ایک شعلہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ اُسی طرح دو دل جب ایک دوسرے کو مس کرتے ہیں تو جلنے لگتے اور ایسے خوبصورت چنگاڑے

نکالتے ہیں جو اس مخالطت کے بغیر نکلنے ممکن نہ تھے۔ وہ شخص انسانیت کے نہایت شاندار حق سے بے خبر ہے۔ جس کے دل کے خزانے میں عقل کی ضیافت اور روح کی روانی کے ایسے سنہری گھنٹوں کی یادگاریں جمع نہیں ہیں ؞

یسوع نے بارہ کو اس لئے چنا کہ "وہ اُس کے ساتھ رہیں"۔ تین سال تک وہ اُس کے دائمی رفیق تھے اور اکثر وہ اُن کو غیر آباد جگہوں یا دور دراز سفروں میں علیحدہ لے جاتا۔ خاص کر اس غرض کے لئے کہ علیحدگی میں اُن کی صحبت اور رفاقت کا لطف اٹھائے۔ مقدس یوحنا کی انجیل میں ہم ان مکالمات کا کچھ کچھ ذکر پڑھتے ہیں اور اس بڑے فرق کو دیکھ کر جو یسوع کے اُن اقوال میں جو اِس انجیل میں درج ہیں اور جو اناجیل ثلاثہ میں مرقوم ہیں جن میں زیادہ تر وہ تقریریں درج ہیں جو اُس نے عام لوگوں کے سامنے کیں، ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ کس طرح پورے طور پر ان ملاقاتوں میں وہ ان بارہ شاگردوں کے سامنے اپنے دل کی پوشیدہ باتوں کو کھولتا تھا۔ اور اس اعتماد سے جو اثرات اُن کی طبیعت پر پیدا ہوئے اُن دو شاگردوں کے اِس قول سے جن کے ساتھ اُس نے اماؤس کی راہ پر گفتگو کی دیکھ سکتے ہیں" کہ جب راہ میں ہم سے باتیں کرتا اور ہمارے لئے کتابوں کا بھید کھولتا تھا تو کیا ہم لوگوں کے دل میں جوش نہ ہوا"؞

خاص کر زیادہ عزیز شاگردوں کے دلوں میں اس قسم کی بہت سی گھڑیوں کی قیمتی یاد اُن کی زندگی کے بعد کے برسوں میں بھی قائم رہی جبکہ وہ غرق حیرت دل کے ساتھ مسیح کے خیالوں کے وسیع اور مخفی عالم پر نظر کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ اُن کو ان سے بھی عظیم تر چند گھڑیاں عطا کی گئیں۔ اکثر وہ دعا کرنے کے لئے اُن کو علیحدہ

لے جاتا تھا۔ مثلاً اُس وقت جبکہ اُنہوں نے مقدس پہاڑ پر اُس کا جلال دیکھا۔ یا جبکہ اُس نے گیتسمنی کے باغ میں اُنہیں اپنے ساتھ جاگنے کے لئے بلایا۔ یقیناً اُس کی اُس حالت میں اُس کے بالکل انسانی دوست کی مانند ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ وہ آخری موقعہ پر اُن سے اپنی مصیبت کے وقت اُن کی ہمدردی کا طالب ہوا۔ اور اُن سے التجا کی کہ اُس کی جاں کنی کی حالت میں اُس کے قریب رہیں۔

اِن نظاروں کو دیکھکر ہمیں تعجب ہوتا ہے۔ کہ کس طرح کسی شخص کو اُس کی زندگی کی ان پوشیدہ باتوں میں اس قدر دخل ملا۔ کیا خاص کر یہ دعا کی گھڑیاں اپنے تقدس کے لحاظ سے فانی آدمیوں کی آنکھ کے ناسزاوار نہیں تھیں؟ یہ بات کہ اُس کے دوستوں کو ایسے وقتوں میں اُس کے پاس رہنے کا موقعہ ملا۔ ثابت کرتی ہے کہ دوست کا یہ حق ہے کہ اُس کو روحانی تجربات کی پوشیدہ باتوں تک بھی اپنا ہمراز بنایا جائے وہ دوستی ایک سربریدہ اور نہایت ناکامل دوستی ہوگی۔ جس پر اس عالم کا دروازہ بند کیا جائے۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہونگے کہ یہ اکلوتا دوست دوسرے کی زندگی کے نہایت گراں قدر حصے سے خارج کیا گیا ہے۔ اِس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ دوستی اپنے نہایت اعلےٰ معنوں کے لحاظ سے صرف مسیحیوں کے درمیان ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی اِس پیالے کا مزہ صرف اُسی وقت چکھتے ہیں جبکہ اُن کی دوستی اِس حد کو پہنچ جائے کہ وہ اُن امور پر جن کا ذکر ہمیشہ مسیح کے لبوں پر تھا۔ بے تکلف اور اکثر گفتگو کرنے کے قابل ہوں۔

۶

دوستی بھی اَور چیزوں کی طرح اپنے نتائج سے جانچی جاتی ہے۔ اگر تم کسی دوست کی قدر کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو یہ سوال کرنا ضرور ہے کہ اُس نے تمہارے لئے کیا کیا اور تم کو کیا کچھ بنا دیا؟

یسوع کی دوستی اِس پیمانے سے ٹھیک اُترتی ہے۔ بارہ شاگردوں پر نظر کرو اور پھر غور کرو کہ اُس سے ملنے سے پہلے وہ کیا تھے اور سوچو کہ اُس کی تاثیر نے انہیں کیا کچھ بنا دیا۔ اور وہ اب کیا مرتبہ رکھتے ہیں؟ وہ غریب آدمی تھے۔ گو شاید اُن میں سے بعض غیر معمولی طبعی قابلیتیں رکھتے تھے۔ مگر وہ سب ناتراشیدہ اور ناتربیت یافتہ حالت میں تھیں۔ اُس کے بغیر وہ کبھی بھی کچھ نہ بنتے۔ وہ اپنے ادنے پیشوں میں گمنامی کی حالت میں زندگی بسر کر کے مر جاتے اور دریائے جلیل کے نیلگوں پانی کے کنارے بے نام و نشان قبروں میں دفن کئے جاتے۔ اُن کے گھروں سے بیس میل کے فاصلے پر بھی کوئی اُن کو نہ جانتا اور ایک صدی سے کم عرصے میں وہ بالکل فراموش ہو جاتے۔ مگر اُس کی صحبت اور مکالمت نے اُن کو بنی انسان کے بہترین اور داناترین اشخاص کے رتبے تک پہنچا دیا۔ اور وہ اب تختوں پر بیٹھے ہوئے اپنے خیالات اور نمونے سے موجودہ دنیا پر حکمراں ہیں +

ہماری دوستیوں کو بھی اِس پیمانے سے جانچنا چاہئے۔ بعض دوستیاں ایسی ہیں جو چکی کے پاٹ کی طرح اُن لوگوں کو جو اُس سے بندھے ہوں ذلت اور بیعزتی کے گڑھے میں دبا دیتی ہیں لیکن حقیقی دوستی پاک اور سرفراز کرتی ہے۔ دوست ضمیر ثانی

کی جگہ ہو سکتا ہے۔ یہ آگاہی کہ میرا دوست مجھ سے کیا اُمید رکھتا ہے۔ اعلےٰ سعی
وکوشش کے لئے مہمیز کا کام دے سکتی ہے۔ صرف یہ خیال کہ وہ زندہ ہے۔ گو کہ
فاصلے ہی پر کیوں نہ ہو۔ نامناسب خیالوں کو دبا سکتا اور نالائق کاموں کو روک
سکتا ہے۔ بلکہ جب ہمارے اپنے ضمیر کی مخالفت کا خوف بدی سے باز رکھنے کے
لئے کافی قوت نہ رکھتا ہو۔ اُس وقت یہ خیال کہ ہمارے اس فعل کو ہمارے دوست کے
حضور میں پیش ہونا ہوگا کسی کمینہ حرکت کے ارتکاب کو غیر ممکن کر دیگا۔ دوستی کے حقوق
میں سے سب سے قیمتی یہ حق ہے۔ کہ ہمارا دوست ہم کو ہمارے عیوب بتا دے۔
ہر ایک آدمی میں بعض بیہودہ خصلتیں ہوتی ہیں۔ جن کو اُس کے سوائے سب کی
آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور ہماری عزت کے لئے بعض ایسے خطرے ہوتے ہیں جن کو صرف
ایک دوست کی آنکھ پیشتر اس کے کہ وہ ہم کو دکھائی دیں۔ دیکھ لیتی ہے۔ ایسی ملامت
یا زجر و توبیخ کرنے کے لئے کمال ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ اور اُس کو شکر گزاری کے
ساتھ قبول کرنے کے لئے بھی کچھ ذاتی خوبی چاہیئے۔ "لیکن وہ گھاؤ جو دوست کے ہاتھ
سے لگیں بے دغا ہیں" اور دوستی کے بہت کم تحفے ایسے قیمتی ہیں جو اس معقول تنبیہ و
تادیب کے الفاظ سے بڑھکر قابل قدر ہو سکتے ہیں ؎

تو بھی جبکہ ہم ان دوستیوں کی قدر کا اندازہ جو ہمیں حاصل ہیں۔ اُس اثر سے کرتے ہیں
جو اُن سے ہم پر ہوتا ہے تو اس بات کو یاد رکھنا بھی کچھ کم ضروری نہیں کہ اس رشتہ
میں ہمارا چال چلن بھی اسی پیمانے سے آزمایا جائیگا۔ کیا میرے دوست کے لئے یہ
اچھا ہے کہ میں اُس کا دوست ہوں؟ کیا اپنی عقل اور قوت فیصلہ کی پختگی کے وقت

بھی وہ اِس تعلق کو پسند کی نظر سے دیکھیگا؟ کیا عدالت گاہ اور ابدیت میں بھی وہ اُس کی قدر کریگا؟ انسان کو اِن سوالوں کے جواب میں تامل ہوگا۔ مگر یقیناً کوئی مدعا سخت تمنا اور دلی دعا کے زیادہ لائق نہیں بہ نسبت اِس کے کہ ہماری دوستی اُس شخص کے لئے جس کو ہم پیار کرتے ہیں کبھی ضرر رساں نہ ہو۔ کہ ہماری دوستی کبھی اُس کو نیچے کی طرف نہ لے جائے ۔ بلکہ اوپر کی طرف اُٹھائے اور برقرار رکھے۔ کیا یہ انعام کسی قسم کی دنیوی عزت و امتیاز سے بہتر نہیں ہوگا۔ اگر • بہت سالوں کے بعد جبکہ ہم بوڑھے اور سر سفید ہوں یا شاید مٹی کے نیچے پڑے ہوں تو دنیا میں ایک دو شخص ایسے ہوں۔ جو کہہ سکیں کہ میری زندگی میں فلاں شخص کا اثر نجات بخش ثابت ہوا۔ اُسی نے نیکی پر یقین کرنا اور انسانی نیچر کی نسبت اعلےٰ خیال رکھنا مجھے سکھایا۔ اور میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میری اُس شخص سے واقفیت ہوئی +

اور کوئی طریق نہیں جس سے ہم کو یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ ہم دوسروں پر اچھا اثر ڈال رہے ہیں سوائے اس کے کہ ہم خود اچھی تاثیر کے سب سے بڑے سرچشمے کے ساتھ ملے رہیں۔ یسوع ملک کنعان میں بہت عرصہ ہوا پطرس اور یوحنا اور یعقوب ۔ مارتھا اور مریم اور لعاذر کا دوست تھا۔ مگر وہ اب بھی انسانوں کا دوست ہے۔ اور اگر ہم چاہیں تو ہمارا بھی ہوگا۔ ایسے لوگ بھی اس وقت دنیا میں ہیں جو اُس کے ساتھ ساتھ چلتے اور اُس سے بات چیت کرتے ہیں۔ وہ جب صبح کو بیدار ہوتے تو اُس سے ملتے ہیں۔ چلتے پھرتے اور کام کے وقت

بھی وہ اُن کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ اُسے اپنے سارے بھید بتا دیتے اور ضرورت کے وقت اُسی کو پکارتے ہیں۔ وہ کسی اور دوست کی نسبت اُسے زیادہ ترجانتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے زندگی کا راز دریافت کر لیا ہے اور مسیحی کی زندگی کے واقعی ہونے کی بابت بنی انسان کے ایمان کو زندہ رکھتے ہیں +

٦

مسیح کا نمونہ لوگوں سے ملنے جُلنے میں

متی ۱۱: ۱۶ - ۱۹
لوقا ۱۵: ۱ - ۲
〃 ۱۹: ۵ - ۷
〃 ۲۴: ۴۱ - ۴۳

لوقا ۱۱: ۳۷ - ۴۴
〃 ۱۴: ۱ - ۲۴

متی ۱۶: ۶ - ۱۳
لوقا ۷: ۳۶ - ۵۰
یوحنا ۲: ۱ - ۱۱
یوحنا ۱۲: ۱ - ۸
متی ۱۴: ۱۵ - ۲۱
〃 ۲۶: ۲۶ - ۳۰
لوقا ۲۴: ۲۹ - ۳۱
یوحنا ۱۳: ۱ - ۱۵

چھٹا باب

مسیح کا نمونہ لوگوں سے مِلنے جُلنے میں

اُن اشخاص کے تنگ دائرہ سے پرے جن کو ہم دوست کے نام سے پکارتے ہیں واقفیتوں کا ایک بڑا دائرہ ہوتا ہے۔ جن کے ساتھ مختلف طریق سے ہمارا تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اِن کو ہم سوسائٹی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس قسم کے لوگوں کے ساتھ میل جول کرنے کے بارے میں بعض سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب دینا دقت سے خالی نہیں۔ مگر یسوع کے رویّے پر غور کرنے سے اِن سوالات پر بہت کچھ روشنی پڑتی ہے +

۱

اِس تعلق کے لحاظ سے ہمارے خداوند اور اُس کے پیشرو یوحنا بپتسمہ دینے والے کے درمیان بڑا فرق تھا۔ یوحنا سوسائٹی سے دور دور لوگوں کی رہایش گاہ سے الگ جنگل میں رہتا تھا۔ اُس کا لباس گھر یا شہر کے لئے نامناسب تھا۔ اور وہ بن باسیوں کی موٹی جھوٹی خوراک پر گذارہ کرتا تھا۔ ہمارا منجی برخلاف اس کے

اپنے ہم جنسوں میں رہتا تھا۔ بجائے اِس کے کہ وہ بپتسمہ دینے والے کی مانند اس بات کا انتظار کرتا۔ کہ لوگ باہر اُس کے پاس آئیں۔ وہ خود اُن کے پاس گیا۔ گاؤں اور شہر میں۔ کوچہ اور منڈی میں عبادتخانے اور ہیکل میں جہاں کہیں دیا تین آدمی اکٹھے ہوتے وہاں وہ اُن کے درمیان ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کے گھروں میں داخل ہوتا۔ جب وہ خوشی کرتے تو اُن کے ساتھ خوشی کرتا جب وہ ماتم کرتے تھے تو اُن کے ساتھ ماتم کرتا تھا۔ یہ بھی تعجب سے خالی نہیں کہ ہم اکثر اُس کے ضیافتوں میں شامل ہونے کا ذکر پڑھتے ہیں۔ وہ اپنے کام کے شروع ہی میں ایک شادی کے موقعہ پر حاضر تھا۔ متی محصول لینے والے نے اُس کی ضیافت کی۔ اور وہ اُس کے مہمانوں کے درمیان جاکے بیٹھا۔ زکی ایک دوسرے محصول لینے والے کے گھر پر وہ خود کہہ کر گیا۔ یہاں تک کہ اُس کے اِس قسم کے لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے کی شہرت ہوگئی۔ لیکن جب اِن سے بالکل مختلف رتبے کے آدمیوں نے اُس کی دعوت کی تو اُس نے اُن کی مہمانداری کو بھی ایسے ہی بلا تامل منظور کرلیا۔ اور وہ ویسی ہی بے تکلفی کے ساتھ جیسے کہ محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ برتتا تھا۔ فقیہوں اور فریسیوں کے ساتھ کھانے بیٹھا۔ مقدس لوقا کم سے کم تین موقعوں کا ذکر کرتا ہے جبکہ اُس نے فریسیوں کے ساتھ کھانا کھایا۔ اِس طور سے "ابنِ آدم کھاتا پیتا آیا"۔ فی الحقیقت اس بارے میں اُس کا چال چلن ایسا بے قید تھا۔ کہ ترش رو اور زنگ مزاج نکتہ چینوں کو یہ کہنے کا موقعہ ملا کہ وہ کھاؤ اور شرابی ہے۔ بات تو بالکل جھوٹ تھی۔ مگر ظاہراً اُس کے طریقِ زندگی سے اِس امر کی تائید ہوتی تھی

کیونکہ کسی شخص کو اس قسم کے نام بپتسمہ دینے والے کی طرف منسوب کرنے کا کبھی بھی خیال نہ آتا ایسے دو شخصوں کے درمیان جو یوحنا اور یسوع کی مانند باہم ایسا قریبی تعلق رکھتے ہوں ایسا اختلاف عجیب معلوم ہوتا ہے۔ دونو مذہبی معلم تھے اور اُن کے شاگرد اُن کے رویّے کی تقلید کرتے تھے لیکن خاص اِس امر میں اُن کے نمونے بالکل متضاد تھے۔ یوحنا کے شاگرد روزہ رکھتے مگر یسوع کے شاگرد ضیافتیں اُڑاتے تھے۔ بھلا ان دو متضاد امور کو کس طرح جائز اور درست ٹھیرا سکتے ہیں +

بلاشبہ یوحنا کے پاس اس قسم کے رویّے کے واسطے وجوہات تھیں۔ جو اُس کی اپنی تسلی کے لئے کافی تھیں۔ سوسائٹی میں بہت سے خطرات ہیں۔ جسم کی شہوت اور آنکھوں کی بری خواہش اور زندگی کا جھوٹا فخر وہاں موجود ہیں۔ بدصحبت نے بہت سے آدمیوں اور بہت سے خاندانوں کو تباہ کر دیا۔ سوسائٹی میں بعض ایسے فرقے یا شخص ہیں جو مذہب کی برداشت نہیں کر سکتے اور ایسے بھی ہیں جن میں وہ لوگ جو اُس کا اقرار کرتے ہیں اپنے عقائد کو چھپانے کی سخت آزمائش میں پڑتے ہیں۔ یوحنا نے معلوم کیا کہ یہ اثرات اُس زمانے کی سوسائٹی میں ایسے زورآور ہیں کہ نہ وہ نہ اُس کے پیرو اُن کا مقابلہ کر سکینگے۔ اِس لئے انہیں اِن دو باتوں میں سے ایک کو پسند کرنا تھا۔ یا تو یہ کہ سوسائٹی سے کنارہ کش ہوں اور اپنے مذہب کو خالص اور ثابت رکھیں یا یہ کہ اُس میں شامل ہوں اور مذہب کو خیرباد کہیں۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے کونسا رستہ اختیار کرنا اُن کا فرض تھا۔ برخلاف اِس کے یسوع سوسائٹی میں برابر ملتا جلتا تھا۔ نہ صرف اپنے عقائد کو چھپانے کے بغیر۔ بلکہ اُن عقاید کو لوگوں

پر ظاہر کرنے کی غرض سے۔ اُس کے مذہبی خیالات اُس کی ذات کے ساتھ مل کر ایسے کامل طور سے ایک ہو گئے تھے اور اُس کے اصول ایسے طاقتور اور زبردست تھے کہ اُس کو اس امر کا کچھ خوف نہیں تھا۔ کہ مبادا کسی صحبت میں بیٹھنے سے وہ خدا کے نام پر گواہی دینے میں کسی طرح کی کوتاہی کر بیٹھے۔ اور اُس نے اپنے پیرؤں کو بھی وہی قدرت بخشی۔ اُس نے اُن کے دل کو ایسی گرمجوشی سے بھر دیا جس نے اُن پر نئی شراب کا کام کیا۔ وہ دنیا کے لوگوں کے درمیان شادی کے مہمانوں کی آزاد اور خوش و خرم وضع کے ساتھ چلتے پھرتے تھے۔ اور اس لئے جہاں کہیں وہ جاتے تھے۔ اُن کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں پر ایسی ہی تاثیر پیدا ہوتی تھی۔ وہ گرمجوشی سے ایسی لبریز تھے کہ یہ زیادہ اغلب تھا۔ کہ وہ دوسروں میں آگ لگا دیں بہ نسبت اس کے کہ اُن کا اپنا جوش دنیاوی اثرات سے ٹھنڈا ہو جائے۔

اِس بات سے ہمیں اُن پیچیدہ سوالات کا جو اکثر کئے جاتے ہیں حقیقی جواب حاصل ہوتا ہے۔ کہ کس حد تک خدا کے لوگوں کو سوسائٹی میں شریک ہونا اور اُس کے کاروبار میں حصہ لینا مناسب ہے؟ پہلے دیکھو کہ تمہاری مذہبی زندگی اور اقرار پر اُس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ کیا وہ تمہاری شہادت کو خاموش کرتی ہے؟ کیا وہ تمہاری گرمجوشی کو ٹھنڈا کرتی ہے؟ کیا وہ تمہیں بالکل دنیادار بنا کر دعا و عبادت کے ناقابل کر دیتی ہے؟ اگر ایسا ہے۔ تو تمہیں بپتسمہ دینے والے کے نمونے پر عمل کر کے اُس سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ یا ایسی صحبت کی تلاش کرنی چاہئے۔ جہاں تمہارے اصول سلامت رہیں۔ ہاں یہ لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیاوی باتوں میں بہت کچھ حصہ لیتے ہیں۔ تو بھی ہر

کہیں اپنے منجی کے وفادار بندے بنے رہتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ اپنی صورت دکھاتے ہیں۔ لوگ اُن کو مسیحی جانتے اور اُن کی عزت کرتے ہیں۔ وہ ایسی جگہ کبھی نہ جاتے اگر وہ جانتے کہ وہاں وُہ اُن مضامین پر جو اُن کو دل سے عزیز ہیں آزادانہ بات چیت نہیں کر سکینگے۔ مسیح کی قوت اُن کے اندر ایک ایسی تیز اور فتحمند طاقت کی مانند ہے۔ کہ وہ بجائے اس کے کہ اُس سے ڈھلے جائیں۔ وہ سوسائٹی کو اپنی صورت پر ڈھال لیتے ہیں۔ گو اِس قدرت کا حاصل کرنا مشکل معلوم ہو۔ مگر اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ دنیا کے ساتھ اِس قسم کا برتاؤ مسیح کے پیرؤوں کے شایاں اور خود اُس کے نمونہ کے مطابق ہے ✢

۲

اوپر بیان ہؤا ہے۔ کہ ہم اناجیل میں اکثر اُس کے ضیافتیں کھانے کا ذکر پڑھتے ہیں۔ اُس کے چلن کا یہ حصہ بھی باقی حصوں کے ساتھ پوری مناسبت رکھنے کے سبب بالکل متحد ہے۔ کیونکہ اُس نے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ جو خواہ کیسا ہی چھوٹا معلوم کیوں نہ ہو۔ جو اُس عظیم رسالت سے جس کے لئے وہ اس دُنیا میں آیا تھا تعلق نہیں رکھتا تھا۔ وہ رسالت یہ تھی۔ کہ آسمان کی محبت کو ظاہر کرے اور زمین پر محبت کو جگائے اور بڑھائے۔ اُس کی زندگی کا یہ مقصد تھا کہ انسان کی محبت کو خدا کی طرف اور انسان کی طرف زیادہ کرے اور ہر ایک چیز جو اِن مقاصد کے حصول میں مدد دے سکتی تھی اُسکی نظر میں گراں قدر رکھتی ✢ اُس نے مہمان نوازی کی ترغیب دی۔ اِس لئے کہ وہ اُن مقاصد میں سے ایک مقصد کو ترقی دیتی ہے۔ وہ اُن رکاوٹوں کو دور کرنے میں جو لوگوں کو ایک دوسرے

سے جدا کرتی ہیں۔ مدد دیتی ہے اور اُن کو خیر خواہی کے بندوں میں باہم جکڑ دیتے ہیں جب آدمی ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تو غلط فہمیاں اور غلط خیالیاں جن سے جدائی پیدا ہوئی تھی۔ ایک دوسرے سے زیادہ واقفیت حاصل کرنے سے زائل ہو جاتی ہیں۔ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ ہم ایک شخص کے ساتھ جس کی نسبت ہمارے دل میں کچھ تعصب پیدا ہو رہا تھا۔ پہلی دفعہ گفتگو کرنے کے ساتھ ہی اقرار کرتے ہیں۔ کہ فے الحقیقہ وہ کچھ بُرا آدمی نہیں۔ اور کئی دفعہ ایک شخص سے جس کو ہم پہلے مغرور یا ظاہر دار یا کم ظرف خیال کرتے تھے۔ ایک دوستانہ ملاقات کے بعد اُس کی خوبیوں پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے شبہات و تنفرات فاصلے پر پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں۔ مگر واقفیت پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں*

یسوع روزمرہ کی خوش اخلاقی یا تواضع و تکریم کی باتوں کو حقیر یا ناقابل توجہ نہیں سمجھتا تھا۔ اِس سے آدمی آدمی کے درمیان عزت کا خیال پیدا ہوتا۔ اور ہم ایک دوسرے کو بطور زندہ شخصوں کے سمجھنے لگتے ہیں نہ بطور ایسی اشیاء کے جنہیں فراموش کرنے یا پاؤں تلے روند ڈالنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ایک دفعہ اُس کی ایک گھر میں دعوت ہوئی جہاں میزبان نے اُس کی معمولی تواضع و تکریم بجا لانے میں جس کا مشرقی ممالک میں رواج ہے کوتاہی کی۔ اُس شخص کے دل میں اپنے مہمان کی نسبت کچھ حقیقی عزت نہیں تھی۔ بلکہ اُس نے اپنی ایک غرض کو پورا کرنے کے لئے اُسے مدعو کیا تھا۔ اِس دعوت سے اُس کی صرف یہہ غرض تھی۔ کہ اُس شخص کو جس کا ملک میں چرچا پھیل رہا تھا۔ اچھی طرح سے

ملاحظہ کرے۔ یا یہ کہ ایسے معزز و ممتاز آدمی کو اپنے گھر بلا کر اپنی عزت بڑھائے۔ مگر اِس میں وُہ اپنی کچھ کسرِ شان بھی سمجھتا تھا۔ اور اِس لئے اُس نے اُس کی ایسے طور سے خاطر تواضع نہ کی جو وہ اپنے ہم رتبہ مہمان کی کرتا۔ یسوع نے اِس بے پروائی کو محسوس کیا اور دسترخوان سے اُٹھنے سے پہلے اُس نے شمعون کے دل کی سبکی اور بے محبتی کو فاش کر دیا۔ اُس نے غصے کی آواز میں اُن تمام باتوں کو جو اُس نے اُٹھا رکھی تھیں ایک ایک کر کے گن دیا۔ کیونکہ اُس کو اِس محبت سے خالی دعوت سے کچھ لطف حاصل نہ ہوا*۔

برخلاف اِس کے جہاں محبت ہوتی تھی وہ اُس کا روکا جانا کبھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ جب ایک دوسرے شمعون کی دعوت پر اُس کی شاگرد مریم نے اپنا قیمتی عطر اُس کے سر پر بہا دیا جس سے بعض تنگدل آدمیوں نے اُس کو فضولخرچی کے لئے ملامت کی۔ تو یسوع نے اِن غریبوں کے بناوٹی حمائیتیوں کے خلاف اُس کی طرفداری کی اور اِس بات پر زور دیا کہ محبت کو اپنی دلی خواہش پوری کرنے دو*۔

لیکن جہاں محبت کے سوا کوئی اور غرض اُس کی تہ میں ہو تو اس سے مہمانداری کی پاک رسم کی بے عزتی ہوتی ہے۔ یسوع نے اُن لوگوں کو قابلِ سزا ٹھہرایا جو صرف اُنہی مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں۔ جن سے اُن کو عوض ملنے کی امید ہوتی ہے۔ اور اِس طور سے اُس کو ذلیل کر کے ایک طرح کی سوداگری بنا لیتے ہیں۔ اگر کوئی مہمانداری کو ذاتی نمائش کی غرض سے استعمال کرے تو یہ بھی کمینہ پن ہے۔ بھاری تکلفات بھی حقیقی مہمانداری کے دشمن ہیں۔ اُن سے اُس کا دائرہ عمل

محدود ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک بڑا دولتمند بھی ایسی فضول خرچی کبھی کبھی کر سکتا ہے اور کم مایہ لوگ تو سوائے اپنے کو برباد کرنے کے ایسا کرنے کا حوصلہ بھی نہیں کر سکتے۔ زمانۂ حال میں یہ خرابی بہت کچھ ترقی پر ہے۔ اُس روپیہ سے جو ایک ٹھکانے بیٹھوالی ضیافت پر خرچ کیا جاتا ہے۔ کم سے کم آدھی درجن سادہ اور واجبی ضیافتیں مہیا ہو سکتیں۔ اور اس طور سے مہمانداری کا دائرۂ عمل وسیع ہو جاتا۔ بجائے دولتمندوں کا پیٹ بھرنے کے جن کے پاس پہلے ہی بہت کچھ ہے مقدور والے لوگوں کو چاہیئے کہ کبھی کبھی اُن لوگوں پر بھی جو اُن سے کم عمر اور کم حیثیت ہوں اپنا دروازہ کھول دیا کریں اس طور سے والدین بھی اکثر اپنے دسترخوان پر اپنی اولاد کے فائدے کے لئے لائق اور قابل قدر اشخاص کی صحبت مہیا کر سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ اُن کو اپنا فارغ وقت سیر و تماشا میں گذارنے کے لئے پبلک مقامات ڈھونڈنے پر مجبور کریں۔ مسیحی مذہب کی موجودہ کارکن جماعتوں کے علاوہ ابھی ایک ایسا مشن کھولنا باقی ہے۔ جو دوستانہ محبت اور میل جول کے جلسوں کو ترقی دے۔

۳

اگرچہ یسوع کا ان دعوتوں کے قبول کرنے سے ایک یہ مقصد تھا کہ مہمان نوازی اور اُس کے ذریعے سے محبت کو ترقی دے۔ مگر وہ اس سے ایک اعلیٰ تر مقصد کو بھی پورا کرتا تھا۔ جب وہ زکی کے گھر پر کھانا کھانے گیا تو اُس نے فرمایا کہ آج اس گھر میں نجات آئی"۔ اور اسی طرح اور بہت سے گھروں میں بھی جن میں وہ داخل ہوتا تھا نجات آتی تھی۔ مہمانداری میں گفتگو کے لئے بے مثل موقعے ملتے ہیں۔ اور

یسوع ان موقعوں کو ابدی زندگی کی باتیں بتانے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اگر تم بڑی توجہ سے اُس کی باتوں پر نظر کرو۔ تو تم یہ دیکھکر متحیر ہو گے کہ اُن میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اُس نے دستر خوان پر کہیں۔ اُس کے بعض نہایت بیش قیمت اقوال جو اب اُس کے مذہب میں تکیہ کلام کے طور پر ہیں۔ انہیں عام موقعوں پر کہے گئے تھے مثلاً یہ کہ "وہ جو تندرست ہیں حکیم کے محتاج نہیں بلکہ وہ جو بیمار ہیں" "ابن آدم اسلیئے آیا ہے کہ کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈے اور بچائے" اور نیز اسی قسم کے اور بہت سے اقوال جو یہ ایک عمدہ مثال اس امر کی ہے۔ کہ کس طرح یسوع زندگی کو توقیر بخشتا تھا اور اُس کے اُن حصوں میں نیکی کرنے کے عمدہ موقعے نکال لیتا تھا۔ جن کو اکثر صرف تضیع اوقات سمجھا جاتا ہے۔ دستر خوان کی گفتگو اور ہنسی مذاق ایک پھندا ہیں۔ شیریں گفتار لوگ اکثر اپنی اس قابلیت کو اپنی بربادی اور دوسروں کے نقصان کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یاران شاطر کے جلسے بہتوں کی بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔ بلکہ جہاں کہیں اس قسم کے جلسوں کو آزمائش کے درجے تک گرنے نہیں دیتے وہاں بھی اکثر دستر خوان پر کی گفتگو بیہودگی اور ہزل سے خالی نہیں ہوتی۔ دوستوں کی ملاقاتیں جن سے خیالات کی ترقی اور شریف ارادوں کی تحریک ہونی چاہئے۔ ایسی بھاری معلوم ہونے لگتی ہیں کہ اُس سے کچھ بھی لطف نہیں آتا۔ لوگوں میں یہ صفت شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے۔ کہ گفتگو کو گڑھے میں سے نکال کے مردانہ اور فائدہ مند معاملات کی طرف لے جا سکیں ✣

البتہ خدا کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس امر میں بھی اپنے آقا کے

نقشِ قدم پہ چلے ہیں۔ اُنہوں نے گفتگو کو ایک فرحت انگیز اور نفع بخش فن بنا دیا
اور دوستانہ ملاقاتوں میں اُن کی صحبت خوبی اور سچائی کے بارہ میں
بجائے خود ایک درس گاہ کا کام دیتی تھی۔ والدین اپنے بچوں کی اِس سے بہتر خدمت
نہیں کر سکتے کہ اپنے گھر کو دانا اور نیک لوگوں کی گذر گاہ بنا دیں۔ تاکہ بچے اپنی تیز
قوتِ مشاہدہ سے شریف مردوں اور شریف عورتوں کے نمونے سے بہرہ ور
ہو سکیں۔ عبرانیوں کے خط میں لکھا ہے کہ "مُسافر پروری کو مت بھولو۔ کیونکہ اُسی
سے کتنوں نے بن جانے فرشتوں کی مہمانی کی ہے"۔ ایک دانا مفسر اِس آیت کی
یوں تفسیر کرتا ہے کہ مہمانداری کرنے سے۔ یعنی اُن لوگوں سے جو ابھی تک بہت سی
باتوں میں ہم سے اجنبی ہیں ہمدردی اور دلی شوق کے ساتھ برتاؤ کرنا۔ محبت سے
پیش آنا۔ اور جب کبھی ایسے حالات پیش آئیں اور موقعہ ملے۔ اُن کے لئے اپنے گھر کا
دروازہ کھول دینا ہو سکتا ہے کہ ایسا کرنے سے ہمیں بھی فرشتوں کی مہمانی کا موقعہ
ملے۔ یعنی ایسے آدمیوں کی جن کو ہمیں خدا کی طرف سے ہمارے پاس بھیجے ہوئے
قاصد یا عالم عقل و خیالات سے آئے ہوئے پیغمبر سمجھنا چاہیے۔ اور جن کا ہمارے
گھر میں اُترنا۔ جن کی گفتگو۔ جن کی تاثیر۔ ہماری روحوں پر ایک ایسی برکت لا سکتی
ہے۔ جو اُس تمام خدمت و تواضع سے جو ہم اُن کی کر سکتے ہیں بدرجہا بڑھ کر
ہے +

۴

ہم اِس وقت تک اپنے خداوند کو دوسروں کے مہمان بننے کی حیثیت میں

دیکھتے رہے ہیں۔ مگر اناجیل میں وہ ہمارے سامنے بطور مہماندار کے بھی ظاہر ہوتا ہے
البتہ یسوع کے پاس کبھی اپنا گھر نہیں تھا جس میں وہ اَور لوگوں کی دعوت کرتا۔
لیکن دو موقعوں پر جب اُس نے پانچ ہزار اور چار ہزار کو کھانا کھلایا تو اُس نے
بڑی بھاری مہمانداری کی ۔

اُس وقت بھی اِس حیثیت میں جو کچھ اُس نے کیا بالکل اُس کی فطرت کے مطابق
تھا۔ کیونکہ اُس سے یہ ظاہر ہوا کہ وہ انسان کی معمولی ضروریات کا بھی خیال رکھتا ہے
اگرچہ وہ روحانی تھا۔ اور روح کی نجات ہر وقت اُس کے مدنظر رہتی تھی تو بھی اُس نے
کبھی جسم کی کم قدری یا اُس سے بے پروائی نہیں کی۔ برخلاف اِس کے اُس نے
اُس پر اُس کے خالق کی مُہر اور عزت کو پہچان لیا۔ اور وہ بخوبی جانتا تھا کہ اکثر اوقات
صرف جسم کے وسیلے سے روح تک پہنچ سکتے ہیں۔ اُس کے مہمانوں کی بڑی تعداد
بلاشبہ غریب لوگ تھے۔ اور اُس کے فیاض دل کو یہ بھلا معلوم ہوا کہ اُن پر کچھ احسان
کرے۔ البتہ یہ ایک سادہ[1] قسم کا کھانا تھا جو اُس نے اُن کو دیا۔ دسترخوان زمین تھی۔
میز پوش کی جگہ سبز گھاس تھا۔ اور مقام دعوت پر آسمان کا نیلگوں شامیانہ تن رہا
تھا۔ مگر اُس کے مہمانوں کو ایسا لطف پہلے کسی کھانے سے حاصل نہ ہُوا
ہوگا۔ کیونکہ یہ دسترخوان محبت سے بچھایا گیا تھا۔ اور یہ محبت ہی ہے جو
مہمانی کو لذیذ بن کرتی ہے ۔

جب ہم اُس کے چہرے پر جو اُس بڑی جماعت کو دیکھ کر سچی خوشی سے درخشاں

---

[1] یعنی جو کی روٹیاں جو غریبوں کی خوراک ہے ۔

تھا۔ نظر کرتے ہیں تو خواہ مخواہ اُس کے اِس قسم کے الفاظ کا خیال آتا ہے "میں زندگی کی روٹی ہوں" "روٹی جو میں دونگا میرا گوشت ہے جو میں جہان کی زندگی کے لئے دونگا"۔ اپنی تعلیم میں وہ انجیل کو ضیافت کے جلسے سے تشبیہہ دیتا ہے جس میں وہ خود ایک شاہی میزبان کی دلکش روح و مزاج میں تمام بنی آدم کی دعوت کرتا ہے ✦

مگر یہ بات کہ اِس قسم کا مزاج بالکل اُس کا خاصہ تھا اس امر سے زیادہ تر واضح ہوتی ہے کہ وہ یادگار جس کے ذریعے سے اُس نے تمام پشتوں میں یاد کیا جانا پسند کیا ایک ضیافت ہے۔ ممکن تھا کہ وہ اور سیکڑوں چیزوں میں سے جو یادگار کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں کسی دوسرے کو چن لیتا۔ مثلاً وہ اپنے پیرؤں کے لئے ایک خاص موسمی روزہ مقرر کر سکتا تھا۔ لیکن یہ اُس کے لئے ایک بالکل نامناسب یادگار ہوتا۔ کیونکہ وہ خود افراط۔ شادمانی اور اتحاد کی انجیل ہے۔ اُس نے وہی چیز چنی جو ٹھیک اُس کی حالت کے مناسب اور پُر معنی تھی۔ اور اِس طرح تمام زمانوں میں منجی اپنے ہی دسترخوان کی صدر جگہ پر میزبان کی حیثیت میں بیٹھتا ہے۔ جبکہ اُس کا چہرہ رضامندی سے منور اور اُس کا دل فیاضی سے لبریز ہوتا ہے۔ اور اُس کے اوپر اُس دیوار پر جو اُس کے پیچھے ہے۔ یہ الفاظ لکھے نظر آتے ہیں۔ کہ "یہ آدمی گنہگاروں کو قبول کرتا اور اُن کے ساتھ کھانا ہے" ✦

۷

مسیح کا نمونہ دعا کرنے میں

متی ۱۱ : ۲۵، ۲۶
〃 ۱۴ : ۱۹
〃 ۱۹ : ۱۳
〃 ۲۱ : ۱۲، ۱۳
〃 ۱۶ : ۵۳
لوقا ۹ : ۱۸
〃 ۱۱ : ۱
یوحنا ۶ : ۲۳
〃 ۱۴ : ۱۶، ۱۷
〃 ۱۷ باب

متی ۱۴ : ۲۳
مرقس ۱ : ۳۵
〃 ۱۴ : ۲۲، ۲۳
لوقا ۵ : ۱۶

متی ۲۷ : ۳۶ - ۴۴
لوقا ۶ : ۱۲، ۱۳

لوقا ۳ : ۲۱، ۲۲
〃 ۹ : ۲۸، ۲۹
یوحنا ۱۱ : ۴۱، ۴۲

ساتواں باب

مسیح کا نمونہ دعا کرنے میں

۱

یقیناً یسوع کی دعاؤں میں ایک راز ہے۔ اگر جیسا کہ ہمیں یقین ہے وہ خدا سے کم نہ تھا تو کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا خدا سے دعا مانگے۔ یا اُسکی طبیعت میں کونسی ایسی حاجت واقع ہو سکتی ہے جس کے پورا کرنے کے لئے اُسے دعا مانگنے کی ضرورت پڑے؟

اِس سوال کا کچھ تو یہ جواب ہے کہ تمام دعا ایسی درخواستوں پر مشتمل نہیں ہوتی جو حاجت کے خیال سے پیدا ہوں عموماً لوگ دعا کا اِس طور پر ذکر کرتے ہیں خاصکر وہ جو اس کی ہنسی اُڑانا چاہتے ہیں کہ سوائے اِسکے کہ وہ درخواستوں کا ایک سلسلہ ہے جو خدا سے کیجاتی ہیں اور کچھ نہیں۔ مثلاً اچھے موسم کے لئے۔ رفع بیماری کے لئے یا کسی اور طریق سے ہمارے بیرونی حالات کو ہمارے خواہشوں کے مطابق بدل ڈالنے کے لئے۔ لیکن وہ لوگ جو دعا کے عادی ہیں دعا کا ایسے طور پر ذکر نہیں کرتے میں کہہ سکتا ہوں کہ اُن لوگوں کی دعاؤں میں جو بہت اور بہترین دعا مانگنے والے

ہیں ایسی درخواستیں بہت تھوڑی جگہ پاتے ہیں۔ دعا زیادہ تر روح کی معموری ظاہر کرتی ہے نہ اس کا خالی ہونا یا یوں کہو کہ وہ پیالے کا چھلکنا ہے۔ اگر ایسا کہنا جائز ہو۔ تو میں کہونگا۔ کہ دعا اپنی بہترین صورت میں خدا کے ساتھ گفتگو کرنا ہے۔ جیسے ایک بچہ اعتماد کے ساتھ اپنی ہر ایک بات کا اپنے باپ کو رازدار بناتا ہے۔ اسکی نہایت عمدہ مثال ہم کو مقدس اگستین کے اقرارات میں ملتی ہے۔ یہ گرانقدر کتاب شروع سے لیکر آخر تک دعا کی صورت میں ہے۔ تاہم اس میں مصنف کی زندگی کے حالات کا بیان اور اسکے نہایت عظیم واہم خیالات کی تشریح درج ہے۔ جس سے صاف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مرد خدا نہایت عمیق مسائل میں اس طرح پر غور وفکر کرنے کا عادی تھا گویا کہ وہ خدا سے بات چیت کرتا ہے۔

اگر دعا اسی کا نام ہے تو اس بات کو سمجھنا مشکل نہیں کہ کس طرح ازلی بیٹا اپنے ازلی باپ سے دعا مانگتا ہوگا۔ فی الحقیقت یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ ان معنوں میں وہ ہمیشہ بلا توقف دعا مانگتا ہوگا۔

مگر صرف اتنی بات سے ہی یسوع کی دعاؤں کا راز پورے اور صاف طور پر نہیں کھلتا۔ کیونکہ ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جن سے بلاشبہ حاجت کا خیال ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً رسول نے لکھا ہے۔ کہ "اس نے اپنے مجسم ہونے کے دنوں میں بہت رو رو کر آنسو بہا بہا کے اس سے جو اسکو موت سے بچا سکتا تھا دعائیں اور منتیں کیں۔ اور اسکے تقوی کے سبب سے اسکی سنی گئی" (عبرہ ۵: ۷) بھلا اس طرح کے بیان کی کیا شرح ہو سکتی ہے؟ میرے خیال میں اسکی صرف ایک ہی شرح ہے۔ یعنے یہ کہ وہ حقیقی انسان تھا

ہم صرف اِسی سچائی کو اُسکے پورے معنوں کے مطابق قبول کرنے سے اُسکی زندگی کے اِس پہلو کو سمجھ سکتے ہیں۔ مسیح نیم خدا اور نیم انسان نہیں بلکہ کامل خدا اور کامل انسان تھا۔ اِس کے متعلّق بہت سی باتیں اور خود اُسکے اپنے اقوال اِسی قسم کے ہیں کہ جب تک ہم اُسکو مطلق خدا نہ مانیں اُن کی قابلِ اطمینان طور پر شرح نہیں کر سکتے۔ گو ہمیں اِس قسم کے اقرار میں تامل ہو۔ مگر یہ واقعات سوائے اِسکے کہ ہم اُن سے پہلو تہی کریں ہمکو ایسے اقرار پر مجبور کرینگے۔ برخلاف اِسکے اُسکے متعلّق اَور باتیں ایسی ہیں جو ہم کو مجبور کرتی ہیں کہ اِس لفظ کے پورے معنوں کے مطابق اُسکو انسان کہیں۔ اور اگر ہم اِس سچائی کو بھی اُسکی کامل صورت اور تمام نتائج کے لحاظ سے قبول نکریں تو ہم اُسکی عزّت نہیں بلکہ بے عزّتی کرتے ہیں +

تو اِس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دعا مانگتا تھا اِسلئے کہ وہ انسان تھا۔ انسانیت اپنی بہترین صورت میں بھی کمزور اور محتاج ہے۔ وہ کبھی اپنے آپ میں قائم اور کافی نہیں ہو سکتی۔ خود یسوع میں بھی انسانیت اپنی ذات میں کافی نہیں تھی بلکہ اپنی زندگی کی ہر ایک گھڑی میں اُسکا انحصار خدا پر تھا۔ اور یسوع اپنے اِس انحصار کے خیال کو دعا کے ذریعے سے ظاہر کرتا تھا۔ کیا یہ خیال اُس کو ہم سے بہت قریب نہیں کر دیتا؛ سچ مچ وہ ہمارا بھائی ہے۔ وہ ہماری ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہے +

لیکن اِس سے ایک اور سبق بھی حاصل ہوتا ہے جو بہت گراں ہے۔ اگرچہ یسوع انسان تھا مگر وہ گناہ سے پاک انسان تھا۔ نشوونما کے ہر ایک درجے میں اُسکی

انسانیت کامل تھی - اُس نے ماضی میں کوئی گناہ نہ کیا تھا جو حال کے جدوجہد کے زور کو کمزور کر دے - تو بھی وہ دعا کرنے کا حاجت مند تھا اور وہ ہمیشہ اُسکی طرف رجوع کرتا تھا - دیکھو اِس سے ہماری حاجت مندی کس قدر عیاں ہے - جب کہ وہ ویسا ہو کر ہر وقت دعا کا محتاج تھا - تو ہم ایسے ہو کر کس قدر زیادہ اُس کے محتاج نہ ہوں +

۲

دعا کی زندگی ایک باطنی زندگی ہے - اور ہر ایک شخص جو درحقیقت دعا کو پیار کرتا ہے اُسکی بابت ایسی عادتیں رکھتا ہے جو خود اُسی کو معلوم ہیں - یسوع کے شغل دعا کا بہت سا حصہ ضرور ہے کہ خود اُس کے شاگردوں کے نظر سے بھی اوجھل رہا ہو - اور اِس لئے اناجیل میں اُس کا کچھ ذکر نہیں - مگر اُن میں اُسکی بعض عادات کا ذکر درج ہے جو نہایت دلچسپ اور تعلیم بخش ہیں +

جب کبھی اُسے دعا کرنی ہوتی تو اُس کا یہ دستور تھا کہ گھر اور شہر سے نکل کر باہر تنہا اور سنسان جگہوں میں چلا جاتا - چنانچہ ہم پڑھتے ہیں - کہ "بڑے تڑکے کچھ رات رہتے وہ اُٹھ کے نکلا اور ایک ویران جگہ میں جا کے دعا مانگی" (مرقس ۱: ۳۵) پھر ایک اور موقعہ پر لکھا ہے - کہ "وہ بیابان میں الگ جا کے رہا اور دعا مانگتا تھا" (لوقا ۵: ۱۶) معلوم ہوتا ہے کہ دعا مانگنے کے لئے وہ خاصکر پہاڑی مقامات کو بہت پسند کرتا تھا - جہاں کہیں اناجیل میں یہ لکھا ہے کہ "وہ پہاڑ پر دعا مانگنے گیا" - تو مفسرین اُس نواحی پر غور کر کے جہاں وہ اُسوقت ٹھہرا ہوا تھا اِس امر کے دریافت کرنے

کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کونسا پہاڑ تھا جس پر وہ اِس مطلب کے لئے چڑھا۔ مگر میرے نزدیک وہ اِس امر میں غلطی پر ہیں۔ کیونکہ ملک کنعان میں پہاڑ ہر کہیں موجود ہیں۔ شہر سے ایک دو میل باہر جاؤ اور پہاڑ موجود۔ صرف گھر سے نکلنا اور چند ایکڑ مزروعہ میں کا طے کرنا کافی ہے اور تمہارے پاؤں ایک سرسبز مرغزار میں جا پہنچتے ہیں جہاں تم بالکل تنہا ہو سکتے ہو۔ یسوع نے بھی ایک طرح سے یہ امر دریافت کر لیا تھا کہ وہ اِس قسم کی تنہائی پا سکتا ہے۔ اور جب کسی شہر میں پہنچتا تو اُسکا پہلا خیال یہ ہوتا ہوگا۔ کہ پہاڑ کی سب سے قریب سڑک کونسی ہے جیسا کہ عام سیاحوں کو نئے شہر میں پہنچکر نہایت مشہور و معروف نظارے اور عمدہ سرائے دریافت کرنے کی جستجو ہوتی ہے۔

جیسے مکان کی تنہائی ہوتی ہے ویسے ہی زمان کی تنہائی بھی ہے۔ جو نسبت پہاڑ اور ویرانے شہر اور قصبوں سے رکھتے ہیں وہی نسبت رات اور فجر کے وقت دوپہر اور غروب آفتاب کے وقت سے رکھتے ہیں۔ یسوع دعا کے لئے اِس تنہائی میں بھی جایا کرتا تھا۔ ہم اُسکی بابت سنتے ہیں کہ "اس نے تمام رات خدا سے دعا مانگنے میں بتائی"۔ اور پھر لکھا ہے کہ "وہ بہت تڑکے اُٹھا اور ایک ویران جگہ میں دعا مانگنے گیا"۔

شاید کچھ تو اِسکی وجہ یہ ہو گی کہ مفلسی کے سبب اُن گھروں میں جہاں وہ اُترتا تھا آسانی سے تنہا جگہ نہیں پا سکتا تھا۔ اس کے اس نمونے سے ایسے شخصوں کے لئے ایک خاص نصیحت نکلتی ہے جو اپنی ظاہری تنگ حالی کے سبب اسی مشکل میں گرفتار ہیں۔ مگر یہ ایک ایسی

---

[۱] ہم میں سے بہت ایسے ہیں جو اپنے گھروں میں تنہا ہو سکتے ہیں۔ یسوع کو ایسوں ہی کا خیال تھا جب اُس نے کہا "جب تو دعا مانگے اپنی کوٹھری میں جا اور اپنا دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دعا مانگ"۔

دریافت ہے جس سے ہم سب نہایت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اِس بات کو تحقیق
کرلیں کہ قدرتی گوشۂ تنہائی میں پہنچنا کیسا آسان ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا شہر ہوگا جسمیں سے
چند ایک منٹ میں باہر جا کر تم اپنے کو بالکل تنہا نہ کر سکو۔ خواہ دریا کے کنارے پر یا پہاڑ پر یا چراگاہ
میں یا جنگل میں۔ شہر کا تمام شور و غوغا اور اُسکے تمام تقیید جماعتیں جو اُسکی مشقتوں یا تفریحوں کی
پاؤں چکّی سے جکڑی ہوئی ہیں کیسے ہی قریب کیوں نہ ہوں مگر تم اِس حالت میں اُس سے باہر
اور اکیلے خدا کے ساتھ ہو۔

یہ صرف تنہائی نہیں بلکہ کچھ اور چیز بھی ہے جو ایسے مقام میں دعا کی معاون ہوتی ہے۔
خود قدرت ایک ایسی تاثیر ڈالتی ہے جس سے دل کو تسکین ملتی اور اُسکو عبادت پر آمادہ کرتی
ہے۔ میکڈولیر اِس بات نے کہ یسوع نے اس عادت میں زندگی کے ایک بڑے راز کو افشا کر دیا
ہے کبھی اِس قدر پُر زور اثر نہیں کیا تھا جیسا اُس دن جبکہ میں تنِ تنہا ایک پہاڑی پر چڑھ گیا

(متی ۶: ۶) اصل بات یہ ہے کہ دنیا کو دل سے الگ کر کے خدا کے ساتھ تنہا ہوں۔ اسی وجہ سے ہم دعا مانگتے وقت
آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ تاکہ ہماری توجہ تمام بیرونی نظاروں اور آوازوں سے ہٹ کر باطنی رویت اور آوازوں
پر جم جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم باطنی عالم سے ایسے مانوس ہو جائیں کہ ہماری یہ عادت پڑ جائے کہ جب کبھی
چاہیں خواہ کوئی وقت اور کیسی حالت کیوں نہ ہو اپنے آپ کو اُس دنیا میں منتقل کر دیں۔ کلوں کی آواز گلی کے
شور و غوغا بلکہ گفتگو کے اثنا میں بھی ہم ذہنی طور پر زمانے کی حدوں کو توڑ کر غائب ہو جا سکتے اور لمحہ بھر کے لئے
ابدیت میں خدا سے رو در رو کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اور تھوڑی دعائیں ایسی قیمتی ہیں جیسے کہ وہ دعائیہ آوازیں
جو روزانہ کاروبار کے اثنا میں کبھی کبھی خود بخود ہمارے دل سے نکلتی ہیں۔ جس شخص میں یہ عادت پیدا ہو گئی ہے
وہ گویا ایک برج مستحکم کا مالک ہے۔ جس میں وہ ہر ضرورت کے وقت پناہ لے سکتا ہے۔

اور اسکی چوٹی پر لیٹے ہوئے صبح کے چند گھنٹے محویت کے عالم میں صرف کئے۔ چاروں طرف کوہ و میدان پر ایک تنہائی کا عالم چھایا ہوا تھا۔ نیچے ایک جھیل سورج کی کرنوں کے سبب نقرئی ڈھال کی مانند درخشاں تھی۔ دامن کوہ میں شہر نظر آتا تھا اور لوگ گلیوں میں اِدھر اُدھر پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ مگر شور و غوغا کی کوئی آواز وہاں تک نہ پہنچتی تھی۔ آسمان کا شامیانہ سر پر کھچا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا خدا پاس ہی کھڑا ہوا ہماری ہر ایک بات سننے کا منتظر ہے۔ ایسے ہی مقامات تھے جن میں یسوع دعا مانگا کرتا تھا۔

مگر وہ نہ صرف تنہائی میں بلکہ جماعت میں بھی دعا مانگتا تھا۔ ہم بار بار اسکی نسبت سنتے ہیں کہ وہ اپنے دو یا تین شاگردوں کو الگ لے گیا اور اُنکے ہمراہ دعا مانگی۔ اور بعض اوقات یہ کہ اس نے سب کے ہمراہ دعا مانگی۔ بارہ شاگرد ایک طرح سے اُس کا کنبہ تھے۔ اور وہ بڑی کوشش سے اُن کے ساتھ خاندانی عبادت کو ادا کیا کرتا تھا۔ وہ مل کر دعا مانگنے کی قدر و خوبی کا بھی ذکر کرتا ہے۔ "اگر تم میں سے دو شخص زمین پر کسی بات کے لئے میل کر کے دعا مانگیں وہ میرے باپ کی طرف سے جو آسمان پر ہے اُن کے لئے ہو گی" (متی ۱۸: ۱۹)

ملکے دعا مانگنے سے روح پر بہت کچھ اسی قسم کا اثر پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ گفتگو سے دل پر۔ بہت لوگوں کے ذہن کی حرکات جب وہ تنہا ہوں بہت سست ہوتی ہیں۔ اور اُنکے دماغ میں بہت کم خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ دوسرے شخص سے ملتے اور گفتگو میں گویا اس سے ٹکراتے ہیں تو اُن کی صورت بدل جاتی ہے۔ وہ چالاک اور دلیر ہو جاتے۔ وہ افروختہ اور پرشور ہوتے۔ اور اپنے اندر سے ایسے ایسے خیالات نکالتے جنکو

لارڈ بیکن دوستی کے مضمون میں لکھتے ہیں۔ یہ تحقیق ہے کہ جس کسی کے دل میں بہت سے خیال بھرے ہوں

دیکھ کر وہ خود بھی متعجب ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب دو یا تین اکٹھے ہوتے ہیں تو ایک کی دعا کی ضرب دوسرے کی روح سے شعلہ پیدا کرتی ہے۔ اور پھر یہ اسکے عوض روحانیت کی اعلےٰ بلندیوں پر دوسرے کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور دیکھو جوں جوں اس طور پر انکی خوشی بڑھتی ہے اُن کے درمیان ایک شخص آموجود ہوتا ہے جسکو سب پہچانتے اور لپٹتے ہیں۔ وہ پہلے بھی وہاں موجود تھا۔ لیکن صرف اس وقت جبکہ اُن کے دل مشتعل ہونے لگتے ہیں۔ وہ اسکو پہچانتے ہیں۔ اور ایک طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ سچ مچ اپنی کوشش سے اسکو وہاں کھینچ لاتے ہیں "جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہوں میں بھی اُن کے درمیان ہونگا"

۳

ایسے موقعے جن پر دعا کی ضرورت پڑتی ہے بیشمار ہیں اور انکو گننے کی کوشش کرنا عبث ہے۔ یسوع کو ہماری طرح بلاشبہ ہر روز دعا کے لئے نئی نئی وجوہات ملتی ہونگی۔ مگر بعض موقعے جن پر اس نے دعا کی خصوصاً تعلیم بخش ہیں +

بقیہ حاشیہ۔ اُس کی فراست و دانش زیادہ صاف اور شگفتہ ہو جاتی ہے۔ جب وہ دوسرے شخص پر اُن کو ظاہر کرتا اور اُن کی بابت گفتگو کرتا ہے۔ وہ اپنے خیالات کو زیادہ آسانی سے سمجھاتا ہے۔ زیادہ درستی کے ساتھ اُنکی صفیں باندھتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ لفظوں میں ادا کرنے سے وہ کیسے نظر آتے ہیں۔ غرضکہ وہ اپنی پہلی حالت کی نسبت زیادہ دانا ہوتا جاتا ہے۔ اور بہ نسبت دن بھر کے غور و فکر کے ایک گھنٹے کی گفتگو سے زیادہ تر فائدہ حاصل کرتا ہے +

(۱) ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی زندگی میں کوئی عظیم کام شروع کرنا ہوتا۔ تو وہ خاص طور سے دعا میں مشغول ہوتا تھا۔ اسکی زندگی کا ایک نہایت عظیم موقع وہ تھا جبکہ اسنے اپنے شاگردوں میں سے بارہ کو منتخب کرکے اپنا رسول ٹھیرایا۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس پر مسیحی مذہب کی تمام آئندہ حالت منحصر تھی۔ اور دیکھو اس سے پہلے اس نے کیا کیا؟ "اُن دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا مانگنے کو گیا اور خدا سے دعا مانگنے میں رات بتائی۔ اور جب دن ہوا اُسنے اپنے شاگردوں کو پاس بُلا کے انمیں سے بارہ کو چنا اور اُنکا نام رسول رکھا۔" (لوقا ۶: ۱۲ و ۱۳) یہ رات بھر کی دعا و بیداری کے بعد تھا کہ اُسنے وہ انتخاب کا کام کیا جو اسکے اور اُنکے اور تمام دنیا کے لئے ایسا عظیم تھا۔ پھر ایک اور دن تھا جسکی بابت ہم پڑھتے ہیں کہ اس نے ایسی ہی تیاری کی۔ یہ وہ موقعہ تھا جبکہ اُس نے پہلی دفعہ اپنے شاگردوں کو خبر دی کہ وہ دکھ اُٹھائیگا اور مارا جائیگا۔

پس اس سے ظاہر ہے کہ جب کبھی یسوع کو ایک نازک وقت یا مشکل کام آپڑتا۔ تو وہ خاص طور سے دعا میں مشغول ہوتا۔ اگر ہم بھی اپنی مشکلات کا اسی طریق سے مقابلہ کریں تو کیا وہ بہت کچھ آسان نہیں ہو سکتیں۔ کیا اس سے ہماری چشم دانش کی بینائی نہیں جس سے ہم ایک مسئلے کی تہ کو پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہاتھ کی طاقت میں جو ہم فرض کے ہتے پر رکھتے ہیں ایک لامحدود زیادتی نہ ہو جائیگی۔ زندگی کے پتے زیادہ صفائی سے حرکت کرینگے اور ہمارے ارادے زیادہ یقینی طور پر اپنے مقاصد تک پہنچینگے۔ اگر ہم ہر صبح کو پہلے ہی سے اپنے روزانہ فرائض پر خدا کی حضوری میں کھڑے ہو کر نظر مارلیں۔

---

۱ حیات مسیح مصنفہ نکل صاحب میں ایک عمدہ خیال اس امر پر درج ہے۔ یسوع مسیح نہ صرف بڑے اور نازک

(۴) معلوم ہوتا ہے کہ یسوع خاصکر ایسے وقتوں میں دعا میں مشغول ہوتا تھا جبکہ اُس کی زندگی غیر معمولی طور سے کام اور اضطراب سے پُر ہوتی تھی۔ اُسکی زندگی بہت مصروف زندگی تھی۔ قریباً ہر وقت اُس کے پاس بہت لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ بعض اوقات

(بقیہ حاشیہ) امور سے پہلے دعا مانگتا تھا بلکہ اُن کے بعد بھی۔ اِس بات سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ اِسکو نظرانداز کرنا آسان تو ہے مگر اُس سے سخت نقصان پیدا ہوتے ہیں۔ جب ہم کوئی بڑا کام بہت سا زور و طاقت خرچ کرکے انجام کر چکتے ہیں تو ہم کہہ بیٹھا کرتے ہیں کہ ہم نے اپنا حق ادا کر دیا اب ہم اور کچھ نہیں کر سکتے۔ بہت سے آدمی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ اُنکی پیاری زندگی کا انجام اور معراج اِس طور سے ہو کہ اُنکی کسی بڑی فتحیابی یا کارنامے کے لئے لوگ اُنکے لئے صدائے تحسین و آفرین بلند کریں تاکہ جب وہ کام سے دستکش ہوں تو اُس پر فخر کیا کریں اور اپنی زندگی کے باقی دن اُسی فخر انگیز بات کی یاد میں بسر کریں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ہم دعا مانگیں کہ اگر خدا کی مرضی ہو تو وہ ہم کو نئی طاقت عطا کرے تاکہ ہم نئے نئے امور میں گو وہ کم وقعت ہی کیوں نہ ہوں اُس کو صرف کر لیں۔ اور اگر یہ نہ ہو تو اُن کاموں پر جن کے لئے ہم نے کوشش کی یا جن کو ہم نے سر انجام کیا اُس کی برکت طلب کریں۔ یسوع مسیح نہ تو فخر کرتا تھا اور نہ کام سے دستبردار ہو کر بیٹھ رہتا تھا بلکہ نئی نئی خدمات کے واسطے دعا میں مداومت کرکے اپنے آپ کو تیار و مضبوط کرتا تھا۔ دوسری آزمایش غرور ہے۔ ہم اپنی سابقہ زندگی کی سادگی اور کم مائگی سے اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔ ہمارے دل پھولنے لگتے ہیں اور ہم خیال کرنے لگتے ہیں کہ ہماری سابقہ زندگی کمینہ اور بے وقعت تھی۔ ہم کبھی خدا سے اتنے دور نہیں ہوتے جتنے اُس وقت جب ہم غرور کے نشے میں چور ہوں بہت سے فرشتے اپنے دلوں کے غرور میں گر گئے اور ہم بھی اگر اِس گناہ سے بچتے نہیں تو ضرور گر جائینگے ہمارے اِس غرور کو دبانے اور خاموش کرنے کے لئے کوئی چیز ایسی کارگر نہیں جیسی دعا اپنے باپ کے ساتھ رفاقت رکھنے میں ہمارا غرور سرد اور معدوم ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے کارنمایاں کرنے کے بعد ایسی ہی ایک اور آزمایش ہے جس سے ہم ملول اور افسردہ دل

بہت سے امور کا ایسا جمگھٹا ہو جاتا تھا کہ اُسے کھانے کے لئے بھی وقت نہیں ملتا تھا۔ مگر وہ ایسے وقتوں میں بھی دعا کے لئے وقت نکال لیتا تھا۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اوقات میں وہ معمول کی نسبت دعا پر زیادہ وقت خرچ کرتا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "لیکن اس کا زیادہ چرچا پھیلا اور بہت سے لوگ جمع ہوئے کہ اُس کی سنیں اور اُس کے ہاتھ سے اپنی بیماریوں سے چنگے کئے جائیں۔ پر وہ بیابان میں جا کے رہا اور دعا مانگتا تھا" (لوقا ۵: ۱۵ و ۱۶)

آج کل بہت لوگ ایسے ہیں جو اس اجتماع اشغال سے واقف ہیں۔ کثرتِ کاروبار سے اُنکے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں اور مشکل سے انہیں کھانا کھانے کی فرصت ملتی ہے۔ ہم اس بات کو دعا نہ مانگنے کی ایک وجہ ٹھیراتے ہیں مگر یسوع اس کو دعا مانگنے کی وجہ ٹھیراتا تھا۔ کیا اس امر میں کہ اِن دونوں میں سے کونسا طریق بہتر ہے کچھ شبہ ہو سکتا ہے؟ بہت سے اہل دانش نے بھی اس بارے میں ایسا ہی کیا ہے جیسا یسوع نے۔ جب لوتھر کو بہت کاروبار یا اضطراب انگیز واقعات پیش آتے تو وہ دعا کے لئے معمول کی

(بقیہ حاشیہ) ہو جاتے ہیں۔ جب کوئی کسی کام کرنے میں حتی الوسع اپنی طاقتوں کو لگا دیتا اور اپنی زندگی کا سارا زور خرچ کر دیتا۔ تو بالکل تھکا ہارا ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اُسکا کام تمام ہو چکا۔ جن لوگوں نے قدرت کے ساتھ بڑی بڑی جماعتوں کے سامنے وعظ بیان کرتے ہیں کہ دل کے پورے جوش کے اظہار کے بعد ایک خوفناک کاہلی طرح پر غالب ہو جاتی ہے اور اُس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُس اعلےٰ جہد میں اُن کی زندگی اُنکے پاس سے چلی گئی اور پھر کبھی واپس نہیں آئیگی۔ یہ ایک طبعی بات ہے۔ اور ہم یسوع مسیح سے سیکھ سکتے ہیں کہ اِسکا کس طرح سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ ہم کو دعا اِس امر کے لئے مانگنی چاہئے کہ دعا اور خدمت کے ذریعے سے ہم یہ محسوس کرنا سیکھیں کہ

نسبت پہلے ہی سے زیادہ وقت ٹھیرا لیا کرتا تھا - ایک خردمند نے ایک دفعہ کہا کہ میں اس وقت ایسا مصروف ہوں کہ جلد بازی نہیں کر سکتا - جس سے اسکا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ تعجیل کو کام میں لائے تو سب کچھ جو اُسے کرنا ہے نہیں کر سکیگا - اِس قسم کی با اطمینان خودداری پیدا کرنے کے لئے دعا کے برابر اور کوئی چیز نہیں - جب کام کی دھول سے تمہارا کرہ ایسا بھر جائے کہ تمہارا دم گھٹنے لگے تو اُس پر دعا کا پانی چھڑک دو تب تم اُس کو تسلی اور اہتمام سے صاف کر سکو گے ۔

(۳۳) ہم یسوع کو ایسے موقعے پر بھی جب وہ آزمائش میں داخل ہونے کو ہوتا خاص کر دعا میں مشغول دیکھتے ہیں - اُسکی زندگی بھر میں دعا کا سب سے بڑا سین (نظارہ) بلاشبہ گیتسمنی ہے - جب ہم اُسکے پیچھے پیچھے باغ میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں اس سین پر نظر کرتے بھی خوف معلوم ہوتا ہے - کیونکہ وہ بہت مقدس اور ہماری سمجھ سے باہر ہے - اور جب ہم اُن دعاؤں کو جو زمین سے جہاں وہ پڑا ہے اُٹھتی ہیں سنتے ہیں تو ہمارے دل کانپ جاتے ہیں ایسی دعائیں کبھی سننے میں نہیں آئیں - گو ہم اُن کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے تو بھی ان سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں - مگر فی الحال ایک سبق کافی ہے - کہ اُس نے اِس مصیبت کے امتحان میں پڑنے سے پہلے دعا مانگی - کیونکہ باغ کے دروازے پر پہنچکر جان کنی کے دور ہونے کے بعد اُس نے کہا تھا یہ تمہاری گھڑی اور ظلمت کا اختیار ہے" (لوقا ۲۲: ۵۳) یہ زمین اور

(بقیہ حاشیہ) ہمارے سوتے خدا میں ہیں اور کہ جس نے ہم کو اس مہم کے لئے مضبوط و مامور کیا - جس کی بابت ہمیں خوف ہے - کہ دوبارہ کبھی نہیں کر سکینگے - وہی اگر اُس کی مرضی ہو تو نئے اور زیادہ اہم کام کے لئے ہماری کمر کو کس سکتا ہے ۔

جنم کے اختیار والوں کے ساتھ اُس کی آخری جنگ کا آغاز تھا۔ لیکن اُس نے باغ میں دعا مانگ کر پہلے ہی سے اپنے آپ کو اس کشمکش کے لیئے مستعد کر لیا تھا۔ اور اسلیئے وہ اس تمام جدوجہد میں سے جو اُسکے بعد واقع ہوا مستقل مزاجی اور کامل کامیابی کے ساتھ گذر سکا۔ اُسکی طاقت دعا کی طاقت تھی +

اُسکے مقابلے میں شاگردوں کی کمزوری پر جو انہوں نے اُس موقعہ پر ظاہر کی نظر کرو۔ اُنکے واسطے بھی تاریکی کی گھڑی اور اختیار گیتیمنی کے دروازے پر شروع ہوا۔ مگر اُنکے واسطے وہ ایک افسوس ناک ذلت اور شکست کی گھڑی تھی۔ کیوں؟ صرف اسلیئے کہ جب اُنکو دعا مانگنی چاہیئے تھی وہ سوتے رہے۔ اگرچہ وہ اُن کے سر پر کھڑا ہو کے کہتا رہا۔ کہ "جاگو اور دعا مانگو تاکہ امتحان میں نہ پڑو"۔ مگر انہوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ اور اسلیئے جب آزمایش کی گھڑی آئی تو وہ گر گئے۔ افسوس! ہمکو بھی اکثر اسی قسم کا تجربہ پیش آیا ہے۔ جس زرہ سے ہم آزمایش کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتے ہیں دعا ہے۔ لیکن اگر ہم دشمن کو اپنے تک پہنچنے دیں پیشتر اِسکے کہ ہم اس زرہ کو پہن چکیں۔ تو اُس کے سامنے جم کر کھڑے ہونے کی کچھ امید نہیں +

(۲) ہاں اگر ہمارے خداوند کی زندگی کا کوئی اَور موقعہ دعا کے لحاظ سے اِس موقعہ کی برابری کر سکتا ہے۔ تو وہ سب سے آخری موقعہ ہے یسوع نے دعا مانگتے ہوئے جان دی اُسکے آخری الفاظ دعا کے الفاظ تھے۔ زندگی بھر کی عادت موت کے وقت بھی نہ چھوٹی۔ شاید موت ہمیں ابھی دور معلوم ہو۔ مگر یہ موقعہ ہم پر بھی آنے والا ہے۔ بھلا ہمارے آخری الفاظ کیا ہونگے؟ کون بتا سکتا ہے؟ لیکن اگر ہماری سوچ میں دعا کی عادت

نے گھر کر لیا ہو تو کیسی اچھی بات ہو گی۔ کہ دعا کے الفاظ آخری دم طبعی طور پر ہمارے منہ سے نکلیں۔ بہت لوگ اس دنیا سے گذر گئے اور اسوقت مسیح کے آخری الفاظ انکی زبان پر تھے۔ ایسا کون ہے جس کے دل میں یہ ہوس نہو کہ کاش میری زبان پر بھی یہی الفاظ ہوں۔ کہ "اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"۔

۴

اگر کوئی شخص مسیح کی زندگی میں اسکی دعاؤں کی مقبولیت کی تلاش کرے تو مجھے یقین ہے کہ اسکو بہت سی مل سکتی ہیں۔ لیکن میں اسوقت صرف دو کا ذکر کرونگا جن پر کلام اللہ بھی زور دیتا ہے اور جن سے خاص طور پر تعلیم حاصل ہوتی ہے *

مسیح کی تبدیل صورت بھی دعا کے جواب میں تھی۔ انجیل نویس اسطور سے اسکا ذکر شروع کرتا ہے "اور ان باتوں کے روز آٹھ ایک بعد ایسا ہوا کہ وہ پطرس اور یوحنا اور یعقوب کو ساتھ لیکر پہاڑ پر دعا مانگنے گیا۔ اور دعا مانگتے ہی ایسا ہوا کہ اسکے چہرے کی صورت بدل گئی اور اسکی پوشاک سفید براق ہو گئی۔ اور دیکھو دو مرد جو موسے اور الیاس تھے اس سے گفتگو کرتے تھے"۔ (لوقا ۹: ۲۸-۳۰) میں یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنی صورت اور پوشاک کی تبدیلی کے لئے یاران دانا اور ہمدرد ارواح کے ساتھ اس کام کی بابت جو وہ یروشلم میں پورا کرنے والا تھا بات چیت کرنے کی عزت حاصل ہونے کے لئے دعا مانگتا تھا۔ مگر تو بھی میں کہتا ہوں کہ یہ سب دعا کے جواب میں تھا جو وہ اسوقت جب یہ سب کچھ واقع ہوا مانگ رہا تھا۔ بعض ایسے شخص ہیں جو اس بات کو نہیں مانتے کہ دعا میں کوئی

ایسی واقعی خوبی ہے جس سے امور مطلوبہ خدا سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ تاہم وہ یقین کرتے ہیں کہ دعا سے ایک قسم کا معکوسی اثر طبیعت میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ دعا کرنا اچھی بات ہے گو کہ اس سے تمہیں ظاہرا کچھ حاصل نہو۔ بلکہ اس حالت میں بھی جبکہ بالفرض کوئی بھی تمہاری دعا کا سننے والا حاضر نہو۔ لیکن اگر دعا صرف اتنی ہی بات ہو۔ اور کچھ بڑھکے نہو۔ تو یہ تو ایک مسخری ہوئی۔ اور ایک نہایت سادہ مزاج شخص بھی اسکو ایسا ہی سمجھیگا۔ مگر تو بھی یہ سچ ہے کہ دعا میں ایک نہایت مبارک معکوسی اثر بھی ہے۔ نیکی اور پاکیزگی کیلئے دعائیں ایک طرح سے خود ہی اپنا جواب ہیں۔ کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ تم انکے لئے دعا مانگو۔ اور کسی مقدار تک خود اسی فعل سے انکو حاصل نہ کرلو۔ خدا کیطرف روح کو اٹھانے سے روح کو ایک قسم کی تسکین اور شرافت حاصل ہوتی ہے۔ میرے نزدیک یہی بات تھی جو مسیح کی تبدیل صورت کا آغاز تھی۔ باپ کے ساتھ جو رفاقت اسکو حاصل تھی اسکی محویت اور خوشی سے اسکی صورت بھی حسن و جلال سے منور ہوگئی۔ گویا کہ اس طور سے باطنی جلال کو پھوٹ نکلنے کے راہ مل گئی۔ کسی حد تک یہ بات ان سب لوگوں پر جو دعا مانگتے ہیں واقع ہوتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں پر جو زیادہ دعا مانگتے ہیں اور بھی زیادہ ہو۔ موسے جب وہ چالیس روز تک خدا کے ساتھ پہاڑ پر رہ چکا تو اس کی صورت بھی اسی قسم کے نور سے نورانی ہوگئی۔ جیسا کہ شاگردوں نے مقدس پہاڑ پر اپنے استاد کی صورت میں دیکھا۔ اور خدا کے تمام مقدسوں کو بھی جو بہت دعا مانگتے ہیں کسی قدر ایک قسم کا روحانی حسن عطا ہوتا ہے جو اسی طرح کا ہے۔ اور دعا کے تمام جوابوں سے زیادہ بیش قیمت ہے۔ انسانی

خصلت مزاج دعا کے سوتوں سے سیراب ہوتی ہے۔

یسوع کی دعا کا دوسرا جواب جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ ہے جو بپتسمہ کیوقت ملا۔ مقدس لوقا اس کا اس طور سے ذکر کرتا ہے۔" اور ایسا ہوا کہ جب سب لوگ بپتسمہ پا چکے تھے اور یسوع بھی بپتسمہ پا کر دعا مانگ رہا تھا۔ تو آسمان کھل گیا اور روح القدس جسم کی صورت میں کبوتر کی طرح اُس پر اترا" (لوقا ۳: ۲۱، ۲۲) یعنے جب وہ دعا مانگ رہا تھا تو روح اُس پر نازل ہوا۔ اور غالباً وہ اُسوقت اسی کے لئے دعا مانگتا تھا۔ اس نے ابھی اپنے ناصرت کے گھر کو چھوڑا تھا تاکہ اپنا کام شروع کرے۔ اور اسکو روح قدس کی سخت حاجت تھی تاکہ اُس کی کام کے لئے اُس کو مستعد و تیار کرے۔ لوگ اکثر اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یسوع روح قدس سے معمور تھا۔ مگر یہ سچائی نہایت صاف طور پر انجیل میں ظاہر کی گئی ہے۔ یسوع کی انسانی طبیعت اول سے آخر تک روح قدس کی محتاج تھی۔ اور اسی کے ذریعہ سے الوہیت کے لئے ایک مناسب آلہ بن گئی۔ اسی الہام کی قوت سے اس نے منادی کی معجزے دکھائے۔ اور نجات کے کام کو پورا کیا[1]۔ اور اگر کسی حد تک ہماری زندگی اُسکے نمونے پر ڈہل سکتی اور اگر ہم دنیا میں اُسکے کام کو جاری رکھتے ہیں یا اس کی مصیبتوں کی کمی کو پورا کرنے میں مددگار ہو سکتے ہیں تو ہم کو بھی اسی روح کی تاثیر پر بھروسا کرنا چاہئے۔ لیکن وہ ہمیں کسطرح مل سکتا ہے؟ اس نے

---

[1] روح قدس نے اُس کو اُن تمام عجیب و اعلےٰ طاقتوں اور قابلیتوں سے جو دنیا میں اُس کے منصبی کام کی بجا آوری کے لئے ضروری تھیں خاص طور پر مسوح کیا۔ یسعیاہ کی کتاب (۶۱: ۱) میں لکھا

خود ہمیں بنایا ہے۔ کہ پس جب تم بڑے ہو کر اپنے لڑکوں کو اچھی چیزیں دینی

کو" خداوند خدا کی روح مجھ پر ہے کیونکہ خداوند خدا نے مجھے مسیح کیا تاکہ میں مصیبت زدوں کو خوشخبریاں
دوں۔ اس نے مجھے بھیجا ہے کہ میں ٹوٹے دلوں کو درست کروں۔ اور قیدیوں کے لئے چھوٹنے اور بندیوں
کے لئے قید سے نکلنے کی منادی کروں"۔ اس آیت میں مسیح کے منصب نبوت اور اس کے فرائض کو اسی
دنیا میں انجام دینے کا ذکر ہے۔ اور وہ ان الفاظ کو اپنی انجیل کی منادی کے لحاظ سے اپنی طرف منسوب
کرتا ہے (لوقا ۴: ۱۸، ۱۹) کیونکہ یہی عہدہ تھا جس کو اس نے خاصکر اس دنیا میں پورا کیا۔ کیونکہ اسی
سے اس نے لوگوں کو اپنے دوسرے مناصب کی ماہیت اور مقاصد کی تعلیم دی۔ اسی عہدے کے لئے
وہ روح کے اس مسح سے تیار کیا گیا۔ اسی سے ہم اس فرق کو معلوم کرتے ہیں جو اس قول میں کہ "روح
جو اس پر تھی" اور "وہ منادی کے لئے ممسوح کیا گیا ہے" ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اس روح کی نعمتیں اسکو
دی گئی ہیں۔ اور ان عجیب وغریب نعمتوں کا اجتماع جو اس کے منصب نبوت کے سرانجام کرنے کے
لئے ضروری تھا اسکے بپتسمہ کے وقت ہوا۔ یہ نعمتیں کلیسیا کے سر کو صرف اس غرض سے دی گئی ہیں۔
اور نیز اسی قسم کی اور نعمتیں عام کلیسیا کے شرکا کو دیجاتی ہیں۔ کہ وہ ان کو استعمال کریں۔ کام
میں لائیں۔ اور ترقی کریں۔ اور یہ بات کہ وہ اسوقت مجموعی طور پر دی گئیں۔ اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ
(۱) اسوقت اسکو ظاہری نشان ملا جس سے وہ اپنے عہدے کی انجام دہی پر مقرر و مستحکم کیا گیا۔ (۲)
اس کام کے لئے خدا کی طرف سے مقرر ہونے کے بابت دوسروں کو گواہی ملی۔ کیونکہ اسوقت خدا کی
روح کبوتر کی شکل میں اس پر اتری اور ٹھہری اور دیکھو کہ آسمان سے ایک آواز یہ کہتی آئی کہ یہ میرا
پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ (متی ۳: ۱۶، ۱۷) اسی طور سے خدا نے جو باپ ہے اس پر
مہر کردی۔ گویا کہ اسکے کام پر جو اسکے سپرد ہوا آسمانی مہر لگا دی۔ اور یہ بات دوسروں کے لئے بھی

جانتے ہو۔ تو وہ باپ جو آسمان پر ہے کتنا زیادہ اُن کو جو اُس سے مانگتے ہیں روح قدس دیگا"
(لوقا ۱۱: ۱۳) قدرت بھی خصلت کی طرح دعا کے سرچشمہ سے حاصل ہوتی ہے +

شہادت کے طور پر بھی۔ کہ وہ اُس کے اِس عہدے کو تسلیم کریں۔ اور تاکہ انکو یہ معلوم ہو کہ اب اُس نے اِس منصب کے فرائض کی انجام دہی کو اپنے ذمے لے لیا ہے +

(۲) اُس نے اب اپنے کام کو شروع کیا اور اپنے کو بالکل کام کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ پہلے وہ صرف کبھی کبھی خدا کی حضوری کو جو اُسکے ساتھ تھی ظاہر کرتا تھا۔ تاکہ لوگوں کے دلوں کو اُس کے کام پر توجہ کرنے کے لئے تیار کرے۔ جیسا کہ اُس نے ہیکل میں یہودی علماء سے گفتگو کر کے اُنکو حیرت میں ڈال دیا۔ (لوقا ۲: ۴۶، ۴۷) اور اگرچہ ظن غالب ہے کہ روح نے اُس میں ہو کے اُس کی پرائیویٹ زندگی کے اثنا میں بہت سے ایسے عجیب و غریب کام کرائے۔ لیکن اپنے کام کے لئے پوری قابلیتیں اُسکو صرف بپتسمہ کے وقت ہی حاصل ہوئیں۔ اور اسلئے اُس نے اُس سے پہلے اپنے آپ کو کلیتاً پبلک کام میں نہ لگا دیا تھا۔

(۳) اِس واقعہ کے بعد ہی یہ لکھا ہے کہ "وہ روح قدس سے بھرا تھا (لوقا ۴: ۱)۔ مگر اِس سے پہلے یہ لکھا ہے۔ کہ وہ روح میں قوت پاتا رہا" (لوقا ۲: ۴۰) یعنے برابر بھرتا گیا۔ لیکن اب لکھا ہے کہ وہ روح قدس سے بھرا تھا۔ یعنے وہ فی الواقع اُن تمام روحانی نعمتوں کی معموری پر قابض اور اُن سے ملبس تھا جو اُس کے لئے کارآمد تھیں۔ یا جن کا وہ حاجتمند تھا۔ یا جن کو حاصل کرنے کی انسانی فطرت قابلیت رکھتی تھی۔

(از کتاب اوون صاحب)

۸

مسیح کا نمونہ پاک نوشتوں کے مطالعہ کرنے میں

متی ۴: ۴، ۷، ۱۰
〃 ۵: ۱۷، ۱۸، ۴۳
〃 ۶: ۲۹
〃 ۷: ۱۲
〃 ۸: ۴، ۱۱
〃 ۹ ۱۰: ۱۵
〃 ۱۱: ۲۱، ۲۴
〃 ۱۲: ۲۳، ۳۹-۴۲
〃 ۱۳: ۱۴، ۱۵
〃 ۱۵: ۷ — ۹
〃 ۱۹: ۴، ۱۸، ۱۹
〃 ۲۱: ۱۶، ۴۲
〃 ۲۲: ۲۹-۳۲، ۳۷-۴۰، ۴۳ ۴۵
〃 ۲۴: ۳۶-۳۹
〃 ۲۶: ۳۰، ۳۱، ۵۳، ۵۴
〃 ۲۷: ۴۶

لوقا ۴: ۱۶ — ۲۷
〃 ۸: ۲۱
〃 ۱۶: ۲۹، ۳۰
〃 ۲۳: ۴۶
〃 ۲۴: ۲۷

یوحنا ۵: ۳۹، ۴۵، ۴۶، ۴۷
〃 ۶: ۴۴، ۴۵، ۴۹
〃 ۹: ۲۲
〃 ۸: ۱۷، ۳۶
〃 ۱۰: ۳۴، ۳۵
〃 ۱۳: ۱۸
〃 ۱۷: ۱۲، ۱۳، ۱۸

آٹھواں باب

مسیح کا نمونہ پاک نوشتوں کے مطالعہ کرنے میں

۱

گمان غالب ہے کہ یسوع تین زبانیں جانتا تھا۔ اُسکی ملکی زبان آرامی تھی۔ اِس زبان کے بعض فقرات جو اُس کی زبان سے نکلے اناجیل میں محفوظ رکھے گئے ہیں۔ مثلاً طالیتا قومی۔ جس سے اُس نے یائرس کی بیٹی کو زندہ کیا۔ لیکن غالباً اُسنے نوشتوں کو اپنی اِس دیسی زبان میں مطالعہ نہیں کیا۔ گو بعض اوقات وہ حوالجات جو عہد عتیق سے عہد جدید میں منقول ہیں اُس عہد عتیق سے جو اِسوقت ہمارے ہاتھوں میں ہے کسی طرح سے ٹھیک مطابقت نہیں رکھتے ۔ اور اِس پر بعض لوگ یہ قیاس کرتے ہیں کہ اِن صورتوں میں وہ حوالجات ایک آرامی ترجمے سے جو اُسوقت رائج تھا لئے گئے ہیں۔ لیکن یہ صرف قیاس ہی قیاس ہے +

دوسری زبان جو وہ بولتا تھا یونانی تھی۔ جلیل میں جہاں اُس نے پرورش پائی اِس قدر کثرت سے یونانی لوگ آباد تھے کہ وہ غیر قوموں کا جلیل کہلاتا تھا اور یونانی تجارت پیشہ لوگوں کی زبان اور نیز متفرق اقوام کی باہمی بول چال کی زبان تھی۔ اُن دنوں میں ایک لڑکے کو جو جلیل میں پرورش پائے یونانی سیکھنے کا ایسا ہی

موقعہ حاصل تھا جیسا کہ آجکل ہندوستان کے کسی انگریزی کیمپو میں رہنے والے کو
انگریزی سیکھنے کا۔ اِسکے علاوہ مسیح کے زمانے میں کتب عہد عتیق کا ترجمہ یونانی زبان
میں موجود تھا۔ اور وہ اِسوقت بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ جو سپٹوآجنٹ یعنے ستر کے
نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ گمان کیا جاتا ہے کہ ستر آدمیوں نے مسیح سے دو یا تین سو سال
پہلے مصر میں اُسکو انجام دیا تھا۔ اِس ترجمے کا کنعان میں بہت ہی رواج تھا۔ کتب
عہد جدید کے راقم اکثر اُس سے نقل کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے خداوند نے بھی
اُسے پڑھا ہو۔

تیسری زبان جو وہ جانتا تھا غالباً عبرانی تھی۔ مگر یہ بات یقینی نہیں۔ کیونکہ اگرچہ
عبرانی یہودیوں کی زبان تھی مگر مسیح کے زمانے سے پہلے کنعان سے اُس کا عام رواج اُٹھ
گیا تھا۔ یہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ زبانیں اپنے ہی ملک میں زوال پکڑ جاتی ہیں۔ اور غیر زبانوں
کے الفاظ سے مخلوط ہو کر ایسی بدل جاتی ہیں کہ مشکل سے پہچانی جا سکتی ہیں۔ اِس کی
مثال ملک اٹلی میں موجود ہے جہاں لاطینی اب ایک مُردہ زبان ہے۔ کیونکہ وہ رفتہ رفتہ
صدہا سال کے عرصے میں تبدیل ہو کر بالکل ایک اَور زبان بن گئی۔ جو اگرچہ قدیم زبان
سے بہت کچھ مشابہت رکھتی ہے تاہم اُس ملک کے لڑکوں کو لاطینی اُسی طرح سیکھنی
پڑتی ہے۔ جیسے دوسرے ملک والوں کو۔ دور کیوں جاتے ہو ہمارے ہندوستان ہی
کو دیکھو جہاں ایک زمانے میں سنسکرت ملک کی زبان تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ بدل کر
بھاشا بن گئی۔ اور ایسی اجنبی ہو گئی کہ اب صرف بڑے بڑے پنڈت ہی سالہا سال
کی محنتوں سے اُس کو سیکھ سکتے ہیں۔ اور اب یہ بھاشا بھی رفتہ رفتہ اردو کے سامنے

پس پا ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہی حالت کنعان کی تھی۔ عبرانی زبان جس میں عہد عتیق لکھا گیا بگڑ کر ارامی میں بدل گئی اور جو یہودی پاک نوشتوں کو اصلی زبان میں مطالعہ کرنا چاہتا تھا اُس کو یہ زبان سیکھنی پڑتی تھی۔ اِس امر کے یقین کی کئی وجوہات ہیں کہ یسوع نے بھی اِس زبان کو سیکھا۔ عہد عتیق کے بعض حوالوں سے جو عہد جدید میں ہیں علما نے دریافت کیا ہے کہ وہ اراوتاً یونانی ترجمے سے قطع نظر کرکے اصل عبرانی کے ٹھیک ٹھیک الفاظ استعمال کرتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ناصرت کے عبادتخانے میں اُسکو نوشتوں کے پڑھنے کے لئے کہا گیا۔ غالباً یہ نوشتے عبرانی میں تھے۔ جنکو قاری پہلے اُس زبان میں پڑھتا اور پھر لوگوں کی بول چال میں اُسکا ترجمہ کرتا تھا۔ اگر یہ ٹھیک ہو تو یہ خیال دلچسپی سے خالی نہیں۔ کہ یسوع نے ایک مردہ زبان کو سیکھا تاکہ کلام اللہ کو اُسکی اصلی زبانمیں مطالعہ کر سکے۔ یاد رکھو کہ وہ صرف ایک معمولی پیشہ ور تھا۔ اور صرف محنت مشقت کے بعد فرصت کے مختصر اوقات میں اُس نے اُن عجیب حروف و اشکال کو سیکھا ہوگا جنکے ذریعہ سے وہ زبوروں کو جیسا کہ داؤد نے اُنکو لکھا اور نبوتوں کو جیسے کہ وہ یسعیاہ یا یرمیاہ کے قلم سے نکلیں پڑھنے کے قابل ہوا۔ اِس زمانے میں بھی بعض ایسے اشخاص ہوئے ہیں۔ ہم بعض حرفت پیشہ لوگوں کا ذکر سنتے ہیں[1] جنہوں نے یونانی زبان کی گرامر (صرف و نحو) کام کرتے وقت اپنے سامنے رچھ پر رکھ کر مطالعکی تاکہ وہ عہد جدید کو اُسکی اصلی زبان میں پڑھ سکیں۔

[1] ولیم کیری کی بابت جو ہندوستان کا پہلا مشنری اور ایک طرح سے مشن کا بانی خیال کرنا چاہئے لکھا ہے کہ اُس نے اپنی زندگی کے پہلے تیس سالوں میں جبکہ وہ بڑی محنت سے کفش دوزی کا کام کرتا تھا۔ قریباً سات مختلف زبانوں میں جن میں یونانی۔ عبرانی۔ لاطینی۔ فرانسیسی وغیرہ بھی شامل تھیں بائبل پڑھنا سیکھ لیا۔

یقیناً بیبل ہیں جب ہم اسکو اسکی اصلی زبان میں مطالعہ کیا جائے ایک ایسی لذت ملتی ہے جو فقط ترجمہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے میں جبکہ بیبل کی محبت ایسی عام ہے اور حصول علم کے وسائل ایسے آسان ہیں تو بھی اُسکو اُسکی اصلی زبان میں مطالعہ کرنے کی حرص و خواہش ایسی عام نہیں ہے *

یہ خیال بھی کچھ کم رقت انگیز نہیں کہ یسوع کے پاس اپنی بیبل نہیں تھی۔ اور اس امر میں کچھ بھی شبہ نہیں ہو سکتا ہم اس زمانے میں ایسی کتابوں کی قیمت نہائت گراں تھی۔ جو اس درجہ کے آدمی کی حیثیت سے بالکل باہر تھی۔ اور علاوہ بریں اُن طوماروں کا حجم جن پر وہ لکھی جاتی تھیں اس قدر بڑا تھا کہ اگر وہ اس کی ملکیت میں بھی ہوتیں تو بھی اُس کو جگہ جگہ لئے پھرنا ناممکن ہوتا۔ ممکن ہے کہ اُس کے گھر میں کتاب مقدس میں سے زبور یا دیگر دلچسپ حصوں کے چند ایک طومار ہوں۔ لیکن ضرور ہے کہ جو کچھ کتب مقدسہ کا علم اُس نے حاصل کیا عبادت خانوں میں جانے اور وہاں کی کتابوں کے استعمال سے حاصل کیا ہو۔ اور شائد اسغرض کے لئے اُس کو محافظ کا ممنون احسان بھی ہونا پڑتا ہوگا۔ آجکل کتاب مقدس برائے نام قیمت پر مل سکتی ہے اور بچے بچے کے پاس موجود ہے۔ خدا کرے کہ ارزانی اور عام رواج سے وہ ہماری نظروں میں ایک معمولی چیز نہ بنجائے *

البتہ یہ صرف عہد عتیق تھا جو یسوع نے پڑھا۔ اِس بات کو یاد دلانا اسلیئے بھی زیادہ ضروری ہے کہ ہمارے پاس اپنی بڑھی ہوئی بیبل کو زیادہ تر پیار و عزت کرنے کے لئے کتنی بڑی وجوہات ہیں۔ جب میں زبور میں کلام اللہ کی نسبت اس قسم کے کلمات جو جوش محبت سے بھرے ہوئے ہیں پڑھتا ہوں کہ "آہ میں تیری شریعت کو کیسا پیار

کرتا ہوں۔ تمام دن وہی میرا ورد ہے۔ تیری باتیں میرے منہ میں کیسی میٹھی لگتی ہیں۔ ہاں میرے منہ میں شہد سے زیادہ میٹھی ہیں۔ وہ سونے سے بلکہ بہت کندن سے زیادہ نفیس ہیں۔ شہد اور اسکے چھتے کے ٹپکوں سے شیریں تر ہیں" (زبور ۱۹: ۱۰) ہاں جب میں ان پرجوش الفاظ کو پڑھتا ہوں اور پھر یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ ان لوگوں کی زبان سے نکلے۔ جن کے پاس صرف عہد عتیق یا شاید صرف اسکا ایک حصہ تھا۔ جن کی بیبل میں نہ توانا جیل تھیں نہ پولوس کے خطوط نہ مکاشفات کی کتاب۔ جنہوں نے پہاڑی وعظ یا مسرف بیٹے کی تمثیل۔ یوحنا کا سترواں یا رومیوں کا آٹھواں۔ قرنتیوں کا تیرھواں یا عبرانیوں کا گیارھواں باب کبھی نہیں پڑھا تھا۔ تو میں اپنے دل سے سوال کرتا ہوں کہ اس بیبل کی نسبت جو اس سے کہیں بڑی ہے میرا کیا خیال ہے اور پھر دل میں کہتا ہوں کہ یقیناً زمانہ حال میں انسان کا دل پتھر ہوگیا ہے اور شکر گذاری کے چشمے سوکھ گئے ہیں۔ اور تعریف اور جذب دل کی آگ بجھ گئی ہے۔ کیونکہ بمقابلہ ان لوگوں کے ہماری محبت اس زیادہ کامل شدہ کتاب کی نسبت پھیکی سی معلوم ہوتی ہے۔

۲

اس بات کے لئے نہایت پختہ شہادت ملتی ہے کہ یسوع کلام اللہ کا بڑی محنت سے مطالعہ کرتا تھا۔ اس کا ثبوت نہ صرف اس بات سے ملتا ہے کہ اس امر کا بار بار ذکر کیا گیا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھکر دلنشین ثبوت پائے جاتے ہیں۔ اس کے اقوال کلام اللہ کے حوالوں سے پر ہیں۔ بعض جگہ تو صاف طور پر صحیفے اور آیت کو بتا دیا ہے۔ لیکن اکثر اوقات عہد عتیق

کے مندرجہ واقعات اور بزرگان کی طرف اشارہ کیا ہے یا اُسکی عبارتوں کو اپنے کلام کے تانے بانے میں ایسا بُن دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا عہد عتیق اُس کے دل کے رگ و ریشے میں مل گیا تھا۔ اور اُسکی قوت واہمہ ہمیشہ اسی کے سبزہ زار میں لوٹتی بلکہ اُس کے خیال بھی اُسکی طرز بیان کے قالب میں ڈہلے جاتے تھے۔ جب اُس کے حوالجات کو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب کے ہر ایک حصے سے لئے گئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف بائبل کی بڑی بڑی باتوں سے بلکہ اُس کے تنگ و تار گوشوں سے بھی واقف تھا۔ یہانتک کہ کتب عہد عتیق کی وسعت میں جہاں کہیں ہم سفر کریں ہمیں یقین جاننا چاہیئے کہ اُسکے متبرک قدوم ہم سے پہلے اُس رستے سے گذر چکے ہیں۔ اسلیئے یہ بات بھی کچھ کم لطف انگیز نہیں کہ نوشتوں کے مطالعہ میں بہت سی ایسی آیات مل سکتی ہیں جن کی بابت ہم جانتے ہیں کہ اُس نے اُنکا حوالہ دیا۔ اور ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ اُسی پیالے میں سے جسکو ہم اپنے لبوں کی طرف اُٹھا رہے ہیں یسوع نے زندہ پانی پیا۔ ایسی آیات بھی ہیں جن کی نسبت ہم بے ادبی کے مجرم ہونے کے بغیر کہہ سکتے ہیں کہ وہ اُس کو بہت دل پسند تھیں کیونکہ وہ اُن کو بار بار نقل کرتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ نوشتوں کی بعض کتابیں مثل استثناء۔ زبور اور یسعیاہ کے اُس کو خاصکر عزیز تھیں ❖

کچھ عرصہ ہوا۔ مجھے اپنے ایک مرحوم دوست کے کاغذات دیکھنے کا کام سپرد ہوا۔ جن لوگوں کو ایسے کام سے واسطہ پڑا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کیسا دردناک ہوتا ہے۔ یہ کچھ بے ادبی سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص کے بھید دل میں جو اُس نے زمانۂ حیات میں پوشیدہ رکھے نظر دوڑائیں اور یہ بات معلوم کریں کہ وہ آدمی سطح کے نیچے دراصل کیا تھا۔

میرا دوست ایک دنیا دار آدمی تھا اور اُن تمام آزمائشوں سے جو ہر ایک آدمی کو جو اُس قسم کے کام کو اختیار کرتے اور دنیا کے لوگوں سے ملتے ہیں پیش آتی ہیں۔ گھرا ہوا تھا۔ لیکن تو بھی وہ سب لوگوں میں دیندار آدمی مانا جاتا تھا۔ اب میرے پاس اس امر کے دریافت کرنے کے وسائل موجود تھے۔ کہ آیا یہ دینداری فقط اُسکا ظاہری لباس تھی یا دل میں بھی جگہ رکھتی تھی۔ جب بڑے خوف و ہیبت کے ساتھ میں اُسکے کاغذات کو دیکھتا گیا تو مجھے یکے بعد دیگرے ایک باطنی زندگی کی شہادتیں ملیں جس کی جڑیں میری اُمید سے بھی بڑھ کر گہری اور تر و تازہ تھیں۔ خاصکر جب میں نے اُسکی بیبل کو کھولا تو وہ ایک صاف اور نا شک پذیر کہانی بیان کرتی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کے ہر ایک صفحے پر اس بات کے نشان پائے جاتے تھے کہ گویا وہ عرصۂ دراز تک دن رات اُسکے استعمال میں رہی ہے۔ اوراق بوسیدہ تھے خاص خاص آیتوں پر خط کھینچے تھے اور کہیں کہیں حاشئے پر مختصر الفاظ میں دلی خیالات درج تھے۔ بعض حصوں کی نسبت معلوم ہوتا تھا کہ خصوصاً زیادہ استعمال میں آئے ہیں۔ یہ حالت خاصکر عہد عتیق میں زبور یسعیاہ اور ہوسیع میں تھی اور عہد جدید میں مقدس یوحنا کی تحریرات میں۔ اب مجھکو اس ختم شدہ زندگی کی حقیقت معلوم ہوئی اور یہ بھی دریافت ہوا کہ اس کی تمام خوبیوں کا سرچشمہ کیا تھا۔

پس کسی آدمی کی بیبل کی ظاہری صورت ہی اُسکی نہایت پوشیدہ عادات کی تاریخ کا کام دے سکتی ہے جو اُن لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آئیں اُس کی دینداری یا بے دینی کی یادگار ٹھیر سکتی ہے۔ خود زندہ آدمی کے واسطے شاید اس کی اپنی مذہبی حالت کے جانچنے کے لئے اس سے عمدہ کوئی کسوٹی نہیں۔ کہ وہ اسی کتاب کے صفحوں پر نظر

ڈالے۔ کیونکہ اُس کے استعمال یا بے پروائی کے نشانات سے وہ معلوم کرسکتا ہے۔ کہ وہ اُس کو عزیز رکھتا ہے یا نہیں۔ میں نے اپنے اِس دوست کی بائیبل کے سرورق سے چند الفاظ نقل کرلئے جو اُسی سچی محبت کے منبع کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو وہ کلام کے ساتھ رکھتا تھا۔ "کاش کہ میں مسیح سے خدا سے پاکیزگی سے۔ قریب تر ہوتا جاؤں۔ ہر روز اُس میں۔ اُس سے۔ اُسکے لئے۔ اور اُسکے ساتھ۔ زیادہ زیادہ کامل طور سے جیوں۔ زندگی بسر کروں۔ مسیح موجود ہے تو کیا میں بے مسیح رہوں؟ حمام موجود ہے کیا میں غلیظ رہوں؟ پدرانہ محبت موجود ہے۔ کیا میں الگ رہوں؟ آسمان موجود ہے۔ کیا میں اُس سے باہر کیا جاؤں؟

۳

نوشتوں کو بغرض افادہ مطالعہ کرنے کے کئی طریق ہیں۔ اِنکی بابت مسیح نے کوئی صاف تعلیم نہیں دی۔ مگر اُسکے حالات کے مطالعہ سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ وہ اُنکے مطالعہ میں بعض طریق استعمال کرتا تھا۔ اُس طریق کے مطابق جس سے وہ مطالعہ کیا جاتا ہے۔ خدا کا کلام روحانی تجربے میں خاص خاص مختلف فوائد بخشتا ہے۔ ایک طریق ایک قسم کے فائدے کے لئے کار آمد ہے دوسرا دوسرے کے لئے۔ یسوع نے اِن تمام طریقوں میں کامل مہارت ظاہر کی۔ اور اِس سے ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ اُس نے کس طور سے اُس کا مطالعہ کیا۔

خصوصاً تین بڑے بڑے فوائد ہیں جن کے حاصل کرنے کے لئے ہم معلوم کرتے

ہیں کہ اُس نے بیبل کو استعمال کیا۔ اور یہ ایسے اہم ہیں کہ ہم کو بھی اُس کی تقلید کرنی چاہئے ٭

(۱) بچاؤ کے لئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے اُس نے آزمائش سے بچنے کے لئے اُس کا استعمال کیا۔ جب اُس شریر نے بیابان میں آکر اُس کو آزمایا تو اُس نے ہر ایک بات کے جواب میں کہا "یہ لکھا ہے"۔ کلام اُس کے ہاتھ میں رُوح کی تلوار تھا اور اُس نے اُسکی دھار سے دشمن کے حملوں کو روکا۔

اِسی طرح اُس نے اُس سے شریر آدمیوں کے حملوں کے برخلاف اپنی حفاظت کی۔ جب وہ اُسکی تاک میں لگے تھے اور اُسے باتوں باتوں میں پھنسانا چاہتے تھے تو اُس نے کلام اللہ سے اُنکا مُنہ بند کر دیا خصوصاً اُس بڑے مباحثے کے دن جو اُسکے انجام[1] سے تھوڑے دن پہلے واقع ہوا جب اُسکے تمام دشمن اُس پر آپڑے اور مختلف فریقوں کے سربرآوردہ لوگوں نے اُسکو گھبرا دینے اور اُسکی باتوں کی تردید کی حتی الوسع کوشش کی۔ تو اُس نے اُنکے حملوں کو یکے بعد دیگرے نوشتوں میں سے جواب دیکر رفع کیا۔ اور آخرکار یہ دکھا کر کہ وہ لوگ نوشتوں سے جن کی شرح و تفسیر کے جاننے کے وُہ ایسے دعویدار ہیں کیسے جاہل ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں اُنکا مُنہ بند کر کے شرمندہ کر دیا ٭

ایک اور دشمن تھا جس کا اُس نے اِسی ہتھیار سے مقابلہ کیا۔ جبکہ موت کے دُکھ اُس پر اِس شدومد سے اُمڈ رہے تھے جیسے کہ ایک لشکر سمندر کے موجوں کی طرح ایک اکیلی جان پر چڑھ آئی۔ تو اُس وقت بھی اُس نے اسی قدیمی اور آزمودہ

---

[1] متی ۲۲ باب ٭

ہتھیار سے کام لیا۔ اُس کے آخری سات فقروں میں سے جو اُس نے صلیب پر سے کہے اگر زیادہ نہیں تو کم سے کم دو اُسکی دلپسند زبور کی کتاب میں سے ہیں۔ اُنمیں سے ایک تو اُسکا آخری کلمہ تھا جس سے اُس نے اژدہائے اجل کے مُنہ سے اپنی رُوح کو چھین لیا۔ "اُے باپ میں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"۔ نوشتوں کے اس استعمال کے لئے اُنکو حفظ کرنے کی مشق ضروری ہے۔ ہر ایک حالت میں جسکا میں نے ذکر کیا ہے یسوع اپنے حافظے کے خزانے کی طرف جو آیات کلام اللہ سے معمور تھا متوجہ ہوتا۔ اور فی الفور مناسب موقعہ ضروری ہتھیار نکال لاتا تھا۔ اکثر اوقات جب آزمائش آتی ہے تو اُسکے مقابلے کے لئے کلام اللہ کو تلاش کرنے کے لئے وقت نہیں ملتا۔ سب کچھ اس بات پر موقوف ہے کہ پہلے ہی سے شمشیر بدست مسلح و تیار رہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظے کو جب تک وہ کام دے سکے آیات کے ذخیرے سے بھرنا کیسا ضروری ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ آئندہ مصیبت اور کمزوری کے دنوں میں وہ کس قدر ہمارے کام آئینگی۔ روزانہ تلاوت میں جب ہم ایک باب کو پڑھ چکیں تو یہ نہایت عمدہ تدبیر ہے کہ اُسمیں سے ایک آیت کو چن کر حفظ کر لیویں۔ اس سے نہ صرف تمام باب پر توجہ جم جاتی ہے بلکہ اس طور سے گویا ہم آئندہ لڑائیوں کے لئے گولہ بارود جمع کرتے ہیں ✦

(۲) اُبھارنے اور ہمت بڑھانے کے لئے۔ مسیح نے جو حوالجات عہد عتیق سے دیے۔ اُن سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ وہ زمانۂ سلف کے اُولوالعزم لوگوں کی صحبت میں جن کی زندگی کا حال عہد عتیق میں درج ہے بہت کچھ رہا کرتا تھا۔ اُسکے زمینی اہل مجلس اُس سے بہت کم ہمدردی رکھتے تھے۔ اُس کے اپنے گھر کے لوگ اُس پر ایمان نہ لائے۔ اُسکے

اپنے ملک میں جیسا کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا ایک شریر نسل بستی تھی جو ان مقاصد کی طرف جن کو اس کے دل میں گہری جگہ تھی کچھ توجہ نہیں کرتی تھی۔ اسکے اپنے پیرو دل اور روح میں بچوں سے بڑھ کر نہ تھے جن کو وہ اپنے خیالات کے سمجھنے کے لئے تربیت کر رہا تھا۔ اس کا بھرا ہوا دل صحبت و رفاقت کا آرزو مند تھا اور یہ رفاقت اسکو صرف سلف کے جوانمردوں کے درمیان ملتی تھی۔ نوشتوں کی سنسان گذرگاہوں اور شجرستان کے درمیان وہ ابراہیم اور موسیٰ۔ داؤد اور الیاس۔ یسعیاہ اور اور بہت سے اسی طبیعت کے آدمیوں کے ساتھ ملاقی ہوا۔ ان لوگوں نے اسی قسم کے مقاصد کے اتمام کے لئے اپنی زندگیاں بسر کی تھیں اور ان کے لئے انہوں نے بھی اس کی طرح تکلیفیں اٹھائی تھیں۔ یہاں تک کہ وہی الفاظ جو یسعیاہ نے اپنے ہمعصروں کے حق میں کہے وہ اپنے زمانے کے لوگوں کی نسبت استعمال کر سکتا تھا۔ اگر یروشلم اس کو ستاتی ہے تو وہ ہمیشہ سے وہی شہر ہے جس نے نبیوں کو قتل کیا۔ وہ کلام کی تلاوت میں ان گذری ہوئی روحوں سے ایسا قریب ہو گیا اور اسکے تفکرات میں وہ ایسے جاگزین ہو گئے کہ آخر کار انمیں سے دو جو سب سے بڑے تھے یعنے موسیٰ اور الیاس فی الواقع عالم غیر مرئی کی حدود سے عبور کر آئے۔ اور مقدس پہاڑ پر اس سے بات چیت کرتے دکھائی دئے لیکن یہ گفتگو ان سیکڑوں گفتگوؤں کا آخری نتیجہ تھی جو وہ کتاب مقدس کے صفحات میں ان سے اور دوسرے انبیا سے پہلے سے کیا کرتا تھا۔

بیبل کے اس استعمال سے لطف اٹھانے کے لئے اس طریق کی نسبت جو بچاؤ کے لئے کارآمد ہے ایک مختلف قسم مطالعہ کی ضرورت ہے۔ بچاؤ کے لئے جدا جدا آیات

کے الفاظ کا یاد میں ہونا ضروری ہے۔ مگر اس اُبھارنے والی رفاقت کے لئے ہمارا مطالعہ زیادہ وسیع ہونا چاہیئے۔ یہ ایک انسان کی زندگی پر اُس کی ابتدا سے آخر تک حاوی ہونا چاہیئے۔ اِسکے لیئے اُس زمانے کا جاننا جس میں وہ پیدا ہوا اور اُن حالات کا سمجھنا جن کا اُسے مقابلہ کرنا پڑا ضرور ہے۔ ہمکو اُس آدمی کے متعلقہ امور کا اِسقدر مطالعہ کرنا چاہیئے کہ اُس زمانے کا عالم ہماری آنکھوں میں پھر جائے اور وہ اُس میں چلتا پھرتا نظر آئے۔ ہمیں اُس کی آواز اور لہجہ کی پہچان حاصل کرنی چاہیئے۔ تب وہ ہمارا واقف بنجائیگا۔ ہمارے ساتھ سیر کریگا۔ ہم سے باتیں کریگا ہمارا دوست اور رفیق ہوگا۔ مگر یہ شرف و عزت صرف اُسی کو حاصل ہے جو اپنی بیبل سے خوب واقف ہے۔ دنیا میں خواہ وہ کیسی چیزوں سے گھرا ہوا کیوں نہو تو بھی جب کبھی چاہے اپنے کو ایسی عمدہ صحبت میں منتقل کر سکتا ہے۔ جہاں ہر ایک پیشانی پر شرافت برستی ہے۔ ہر ایک آنکھ میں شجاعت چمکتی ہے بلکہ جہاں کی ہوا بھی ایمان امید محبت سے معطر و مشکبار ہے ✦

(۳) ہدایت و رہنمائی کے لئے۔ یسوع اپنی بیبل کو بطور اپنی زندگی کے نقشے کے استعمال کرتا تھا۔ عالم اور دیندار لوگ اکثر اِس مسئلے پر بحث کیا کرتے ہیں کہ کس عمر میں اُس کو کامل طور پر آگاہی ہوئی کہ وہ مسیح ہے۔ اور کن مدارج سے اُس کو اُس راستے کا صاف صاف علم حاصل ہوا جسپر اُسے چلنا تھا مثلاً یہ کہ کس موقعہ پر اُس نے معلوم کیا کہ وہ ایک فتحمند نہیں بلکہ مصیبت زدہ منجی ہوگا اور اُنکا یہ خیال ہے کہ اُسنے یہ علم عہد عتیق کی نبوتوں کے مطالعہ سے جو اُسکے حق میں تھیں حاصل کیا۔ میں اپنے کو ایسی عمیق باتوں پر خیال دوڑانے کے قابل نہیں سمجھتا۔ مجھے یہ باتیں اُس بشر کے حجاب کے پیچھے کہ اُسکی ذات میں خدا اور

انسان ایک شخص واحد میں چھپی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر اُس کے کلام سے بہ آسانی نظر آتا ہے کہ اُس نے عہد عتیق کی نبوتوں میں بڑی دلچسپی کے ساتھ اپنے راستے کا کھوج لگایا۔ جیسے کوئی شخص ایک نقشے میں کسی شہر کے راستے کا پتا لگاتا ہے۔ انجیل میں بار بار یہ لکھا ہے کہ اُس نے فلاں فلاں باتیں کیں تاکہ فلاں فلاں نبوت پوری ہو۔ جو لوگ یوحنا بپتسمانے اور دوسروں نے اُس کے پاس بھیجے اُن کو اُس نے دکھا دیا کہ کیسے لفظی طور سے اُسکا طریقِ حیات مسیح کی تصویر سے جو یسعیاہ اور دیگر انبیا نے کھینچی ہے مطابق ہے۔ اُن ملاقاتوں کے موقعوں پر جو اُس نے اپنے جی اُٹھنے کے بعد اپنے شاگردوں سے کیں زیادہ تر اُس نے اُن کو موسیٰ اور دیگر انبیا کی کتابوں میں سے یہ دکھایا کہ اُس کی زندگی اور دُکھ اور موت ٹھیک طور پر اُن باتوں کو جو اُس کے حق میں کہی گئیں تھیں پورا کرتے ہیں +

اِس طور سے نوشتوں کے مطالعہ کرنے کے لئے اُس مطالعہ کی نسبت جو بچاؤ یا اُبھارنے کے لئے اوپر بیان کیا گیا۔ بہت عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اِس غرض کے لئے ایک پرندچشمی[1] نظارے کی طاقت کی حاجت ہے جس سے ایک ہی نظر میں نوشتوں پر بہ حیثیت مجموعی نظر مار سکیں۔ اور اِس طور سے اُن بڑی بڑی دھاروں کو جو شروع سے آخر تک اُس میں بہتی چلی گئی ہیں دریافت کرلیں۔ اور خاصکر صاف طور پر اُس بڑی وسطی دھار کا کھوج لگائیں۔ جس کی طرف اَور سبھوں کا میلان ہے اور جس میں سب کی سب آخرکار مل جاتی ہیں +

ظاہر ہے کہ بائبل کے مطالعہ کرنے میں مسیح کا یہی طریق تھا وہ اُسے مسیح کر اُس کی

---

[1] یعنی کسی چیز کا مجموعی نظارہ جیسے اُڑتے ہوئے جانور کو دکھائی دیتا ہے۔

مجموعی حالت میں اُس کو استعمال کر سکتا تھا۔ ہم یہ بات اُس کے اکیلی آیتوں کے استعمال کے طریق میں بھی معلوم کرتے ہیں۔ وہ شاذونادر کوئی آیت نقل کرتا ہے جسکے ساتھ ہی وہ اس کے بعض پوشیدہ معنی نہیں کھول دیتا جس کا پہلے کسی کو گمان بھی تھا۔ لیکن جو اُن کے ظاہر کئے جانے کے وقت سے سب کی آنکھوں میں صاف صاف ظاہر و روشن نظر آنے لگتے ہیں^ل ہر زمانے میں کسی کسی شخص کو یہ قدرت حاصل ہوئی

ل خداوند۔ آج صبح میں نے بائبل میں سے ایک باب پڑھا اور اُس میں ایک قابل یاد فقرہ دیکھا۔ جس کا میں نے پہلے کبھی خیال نہیں کیا تھا۔ کیوں ایسا ہوا کہ میں نے اُس کو اب ہی دیکھا اور اس سے پہلے نہیں؟۔ اس سے پہلے بھی میری آنکھیں کھلی اور حروف ایسے ہی روشن تھے۔ کیا تیرے کلام کے اوپر ایک باریک سا پردہ نہیں پڑا رہتا جو مطالعے سے پتلا ہوتا جاتا اور آخر کار بالکل زائل ہو جاتا ہے؟ میں دیکھتا ہوں کہ تیرے کلام کا تیل کبھی کم نہیں ہوگا جب تک کوئی شخص خالی باسن اُس کے پاس لا سکتا ہے۔ عہد عتیق اُس شخص کے لئے جو علم حاصل کرنے کی تازہ خواہش کے ساتھ اُس کے پاس آتا ہے اب بھی عہد جدید کی مانند ہوگا۔ فرشتوں کے وہ مقامات جو ظاہراً بنجر و ویران معلوم ہوتے ہیں کیسے پُر ثمر ہیں۔ یہ بجرے نالے ہیں جو ایسی زمین کو بگاڑتے ہیں۔ جہاں کہیں کلام اللہ کی سطح غلّے کے کھیتوں سے شگفتہ اور نغمہ زن نہیں وہاں اُس کا باطن معدنیات سے معمور و مسرور ہے۔ اور اس طور سے جہاں صاف باتیں نہیں وہاں پوشیدہ اسرار سے بھرا ہوا ہے۔

ہے۔ بعض اوقات تم کسی واعظ کو سنتے ہو جو ایک آیت کو ایسے طور پر نقل کرتا ہے کہ اُس کی صورت بالکل بدل جاتی اور اُس کے کلام میں موتی کی طرح چمکنے لگتی ہے۔ یہ طاقت کہاں سے حاصل ہوتی۔ یہ اُسوقت ملتی ہے جبکہ دل بیبل کے قعر میں نیچے نیچے غوطہ مارتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ وہ نور کی بڑی جھیل تک جو تمام آیات کی تہ میں ہے پہنچ جاتا ہے اور تب اُس آتشی سمندر میں سے ایک شعلہ اوپر اُٹھ آتا اور سطح پر روشنی پھیلاتا ہے ۔

ہم بعض اکیلی آیات سے حظ اُٹھا کر کیسی جلدی سیر ہو جاتے ہیں۔ جو ضرب اور تحریک ایک اکیلی آیت سے ملتی ہے بہت قیمتی تو ہے لیکن پاک نوشتے کی پوری کتاب اُس سے بھی بڑھ کر طاقتور دھکا لگا سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہم اُسکو اول سے آخر تک پڑھ جائیں اور اُسکے پیغام کو بہ حیثیت مجموعی گرفت کرنے کی کوشش کریں۔ اِسکے بعد ہم صحیفوں کے مجموعوں کے کُل پر غور کر سکتے ہیں بعض اوقات ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ ایک مضمون کو لیکر ساری بیبل میں سے گذر جائیں اور یہ دریافت کریں کہ اِس مضمون پر اُس میں کیا تعلیم ہے۔ اور پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم آخر کار اُن تمام باتوں کو جن کی بیبل تعلیم دیتی ہے گرفت کرنے کی کوشش نہ کریں یعنی ایک طرف تو ایمان کے بارے میں اور دوسری طرف چال چلن کے بارے میں اُس کی کُل تعلیم کو مطالعہ کریں ۔

نوشتوں کی ممموری سے فائدہ اُٹھانے کے لئے سب سے اچھا ہدایت نامہ یہ ہے کہ ہم اُنکو یسوع کی مانند اس طرح ڈھونڈیں گویا کہ وہ ہماری زندگی کا نقشہ ہیں البتہ یہ تو نہیں ہوگا کہ ہم بھی اُن میں اپنی زندگی کی ویسی ہی پوری تصویر کھینچی

پائینگے جیسے اُس نے پائی۔ تاہم بالکل صحیح طور پر ہم اُس میں اپنی زندگی کی ٹھیک صورت اور نقش دریافت کرینگے نصیحت اور وعدے اور مثال میں ہم دیکھینگے کہ ہر ایک کام جو ہمیں کرنا ہے۔ ہر ایک منصوبہ جو ہمیں باندھنا ہے۔ زندگی کا ہر ایک موڑ جس پر ہم نے پھرنا ہے اُس میں صاف طور پر تحریر کیا گیا ہے۔ اور اگر ہم اُس لکھے کے مطابق عمل کرینگے تو ہم بھی اُس کے بعد یہ کہہ سکینگے جیسا کہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "یہ ہوا تاکہ یہ نوشتہ پورا ہو"۔

اگر ہم سرگرمی سے اِس طریق پر چلینگے تو ہم اُس طریق کے جس سے وہ نوشتوں کا مطالعہ کرتا تھا اَور بھی قریب ہو جائینگے۔ کیونکہ وہ ضرور ہم کو اُس بڑی وسطی دھار تک پہنچا دیگا جو کہ تمام نوشتے میں ابتدا سے انتہا تک برابر جاری ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ خود مسیح ہی ہے۔ عہد عتیق کا تمام سیلان اور بہاؤ سیدھا مسیح کی صلیب کی طرف ہے۔ تمام عہد جدید مسیح کی تصویر کے سوا اور کیا ہے؟ جو آدمی کلام اللہ میں اپنی زندگی کا سچا راستہ ڈھونڈھیگا ضرور وہ اُسکو صلیب تک پہنچائیگا تاکہ ہلاک ہونے والے گناہگار کی حیثیت میں منجی کے زخموں میں رحمت کو ڈھونڈے۔ اور پھر اِس مقام سے ازسرِنو کوچ کرکے وہ اپنا حقیقی راستہ آگے کو تلاش کرے۔ اور ضرور وہ یہ دیکھے کہ سامنے کھلے پردے کاملیت کی تصویر جو یسوع مسیح میں ہے اُسکو متحیر و فریفتہ کرتی ہوئی برابر اپنی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے +

۱۸

۹

مسیح کا نمونہ کام کرنے میں

متی ۴ : ۲۳
〃 ۸ : ۱۶ و ۱۷
〃 ۹ : ۳۵
〃 ۱۱ : ۱ ار ۴ و ۵
〃 ۱۲ : ۱۵
〃 ۱۳ : ۲
〃 ۱۴ : ۱۳، ۱۴، ۳۵، ۳۶
〃 ۱۵ : ۳۰
〃 ۱۹ : ۱، ۲

مرقس ۲ : ۲
〃 ۳ : ۲۰
〃 ۶ : ۳۱، ۵۴-۵۶
〃 ۱۳ : ۳۴
〃 ۱۴ : ۸

لوقا ۶ : ۱۹
〃 ۱۰ : ۲
〃 ۱۲ : ۱
〃 ۱۳ : ۳۲، ۳۳

یوحنا ۲ : ۴
〃 ۴ : ۳۲-۳۴
〃 ۶ : ۲۶ ۸
〃 ۹ : ۴
〃 ۱۲ : ۲۳
〃 ۱۶ : ۱۴ =
〃 ۱۹ : ۳۰

نواںؔ باب

مسیح کا نمونہ کام کرنے میں

کام کی نسبت دو طرح کے خیال ہیں۔ ایک تو یہ کہ جہاں تک ممکن ہو تھوڑا کریں۔ اور دوسرا یہ کہ جہاں تک ممکن ہو زیادہ کریں۔ پہلا خیال مشرقی اور دوسرا مغربی کہا جا سکتا ہے۔ مشرقی آدمی گرم ملک میں رہتا ہے جہاں حرکت و محنت بہت جلدی تھکا دیتی ہے اُسکے لئے کاہلی بے مزہ دار چیز ہے اور اسلئے اگر ممکن ہو تو وہ اپنا وقت بیکاری اور خواب و استراحت میں گذارنا پسند کرتا ہے۔ خود اُسکا لباس ہی یعنی کُھلے کُھلے کپڑے اور ڈھیلی ڈھیلی پاپوش اُسکے مذاق کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں۔ برخلاف اُسکے مغرب کا فرزند چلبلا مخلوق ہے۔ سو کاروبار کی دوڑ دھوپ اور انجام دہی کی خوشی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ اُسکے لباس میں بھی کچھ وضع دار کاٹ تراش نہیں پائی جاتی۔ مگر اُس کی نظر میں اس پوشاک میں ایک خوبی ہے جو اِس کمی کا کافی معاوضہ ہے۔ کیونکہ وہ نقل و حرکت اور کاروبار کے لئے بہت مناسب ہے۔ اُسکی تفریحات بھی محنت طلب ہیں۔ مشرقی آدمی جب کام سے فارغ ہوتا ہے تو گدگدے فرش پر لیٹ جاتا ہے۔ لیکن اہل برطانیہ اپنے فرصت کے وقت کو فٹ بال کھیلنے یا سیر و شکار میں خرچ کرتے ہیں۔

البتہ مغرب میں بھی مختلف اشخاص کے مذاق میں بہت کچھ باہمی اختلاف ہے۔ سست مزاج لوگ کام کرنے میں ڈھیلے اور کاہلی پسند ہیں۔ اور تند مزاج لوگ بعض اوقات سعی و محنت کی گرمجوشی اِس حد کو پہنچا دیتے ہیں کہ جب تک ایک طرح سے اشغال کے طوفان میں مبتلا نہ ہوں اُنہیں چین نہیں آتا۔ بعض جماعتوں کی اصلی ہوس یہی ہے کہ اگر ممکن ہو تو ایسی حالت اختیار کریں جہاں اُنہیں کچھ کرنا نہ پڑے جس کو وہ جنٹلمین بننا سمجھتے ہیں۔ مگر سمجھدار لوگ یہ جانتے ہیں کہ ایسی حالت کا لطف جب وہ حاصل بھی ہو جائے حصول کنندہ کی امید کے موافق نہیں ہوتا سوائے اِسکے کہ جب وہ روٹی کمانے کی فکر سے سبکدوش ہو جائے تو وہ اپنی مرضی سے جماعت کی یا کلیسیا کی اُن بیش قیمت خدمات میں اپنے کو مصروف کر دے جو اہل فرصت ہی اچھی طرح سرانجام کر سکتے ہیں اور جنپر زمانۂ حال میں سوسائٹی کی بہبودی کا زیادہ تر مدار ہے ؂

جب آدمی محض اپنے مذاق یا مزاج کے موافق اپنی زندگی کے کام کو انتخاب کرتے ہیں تو اُنکے درمیان اِس قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ لیکن اَور امور کیطرح اِس امر کی نسبت بھی ہمارے خداوند نے اپنی تعلیم اور مثال سے خدا کی مرضی کو ہمپر ظاہر کیا ہے ؂

۱

اِس سوال سے خود یہی واقعہ ایک لامحدود نسبت رکھتا ہے کہ یسوع ایک حرفتکار

کی جھونپڑی میں پیدا ہوا۔ اور اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ بڑھئی کا کام کرنے میں صرف کیا۔ ہم کبھی یہ نہیں مان سکتے کہ یہ بات اتفاق سے ہوئی۔ کیونکہ ضرور ہے کہ مسیح کی زندگی کے ذرا ذرا سے واقعات و حالات بھی خدا کیطرف سے مقرر کئے گئے ہوں۔ یہودی اُمید کرتے تھے کہ مسیح ایک بادشاہ ہوگا۔ لیکن خدا نے یہ ٹھیرایا کہ وہ ایک حرفت کا آدمی ہو۔ اور اِسلئے یسوع کو بڑھئی کی حیثیت سے ناصرت کے دیہاتیوں کی جھونپڑیاں اُسارنا۔ کسان کا گدھا بنانا۔ اور شاید بچوں کے کھلونوں کی بھی مرمت کرنی پڑتی ہوگی۔

اِس بات سے محنت کو ایک نرالی عزت ملتی ہے۔ یونانی اور رومی دستی محنت کو حقیر جانتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ صرف غلاموں کا کام ہے اور یہ قدیمی خیال بہ آسانی لوگوں کے دلوں میں گھس آتا ہے۔ لیکن ابنِ آدم کی مثال ہمیشہ شریفانہ محنت کی عزت کو محفوظ رکھیگی اور صنّاع کا دل اپنے کام کے وقت خوشی سے گائیگا جب وہ یہ یاد کریگا کہ یسوع ناصری بھی اپنی دوکان میں بیٹھ کر بڑھئی کے اوزاروں کو استعمال کرتا تھا۔

محنت میں بہت طرح کی خوبیاں ہیں۔ اِس سے ہم حیوانی دنیا اور قدرتی اشیا پر جو زمین سے لی جاتی ہیں۔ ایک زندہ دل و دماغ کے دستخط کو ثبت کرتے ہیں جو اُس حکیم مطلق کا نقش اور تصویر ہے۔ یہ بات بنی نوع کی خوشی بڑھانے میں مدد دیتی ہے اور اِس سے ہر فرد بشر اپنے تمام ہم جنس مخلوقوں کے ہمراہ اپنی ملکیت پر قابض ہونے کے مشترک کام میں شریک ہوتا ہے۔ اِس سے خود فاعل پر بھی اثر پڑتا ہے۔ یہ صبر ہمدردی اور دیانت کا روزانہ مدرسہ ہے۔ جو آدمی اپنے کام سے بھاگتا ہے اپنے کو ذلیل کرتا ہے۔

ہمارے زمانے کے لوگوں نے اِن سچائیوں کو بخوبی سیکھ لیا ہے۔ کیونکہ اُنکو اُسکے بہت سے ہر دلعزیز اور دانا معلموں نے شرح و بسط کیساتھ اُنکے سامنے بیان کر دیا ہے۔ اور اِس صدی کے لٹریچر میں بہ نسبت اُس تعلیم کے جو محنت کی انجیل کہلاتی ہے کوئی زیادہ صحت بخش جزو نہیں۔ اِس نے بہت آدمیوں کو سکھایا ہے کہ اپنے کام کو پورے طور پر سرانجام کریں نہ فقط اِسلئے کہ اُسکا دام ملتا ہے بلکہ اِسلئے کہ آدمی کو خود کام میں کام ہی کی خاطر سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور خودداری کے خیال نے انسان کے دل میں اِسقدر گھر کر لیا ہے کہ جس بات کو وہ خود بناوٹ یا پاکھنڈ سمجھتا ہے اُس کو کام کے نام سے نہیں پکارتا۔

۲

اگرچہ عام سے عام کام بھی جو اچھی طرح کیا جائے۔ عزّت بخش ہے۔ توبھی ہر قسم کا کام یکساں عزّت نہیں رکھتا۔ بعض ایسے پیشے ہیں جن میں آدمی دوسروں کی نسبت اپنے ہم جنسوں کی بہتری میں بہت زیادہ اور ضروری امور میں مدد دے سکتا ہے اور اسلئے عزّت کے پیمانے میں اُن کو سب سے اعلےٰ رتبہ حاصل ہے۔

اِسی اصول کے مطابق یسوع نے عمل کیا۔ جب اُس نے بڑھئی کا کام چھوڑ کر منادی کرنے اور شفا بخشنے کا کام اختیار کیا۔ اِن دونوں سے بڑھ کر اور کوئی پیشہ زیادہ معزز نہیں۔ ایک تو سیدھا روح کی خدمت کرتا ہے اور دوسرا جسم کی۔ مگر اُنکو اختیار کرنے سے یسوع نے واعظ اور طبیب کے کام پر ایک تازہ عزت کی مہر لگا دی اور

اُسوقت سے اِن دونوں قسم کے بہت سے پیشہ وروں نے اپنے فرائض کو زیادہ گہری گرمجوشی اور حظِ دلی کے ساتھ سرانجام دیا ہے محض اِسلئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اِس کام میں وہ مسیح کے نقش قدم پر چل رہے ہیں ؛

لیکن اگرچہ اُس کا کام تبدیل ہو گیا تو بھی وہ پہلے کی نسبت کچھ کم حرفت کار نہیں تھا۔ دستی اور دماغی پیشہ وروں کے درمیان یہ امر عام طور پر زیرِ بحث رہا ہے کہ آیا دستی محنت زیادہ سخت ہے یا دماغی۔ صناع خیال کرتا ہے کہ اُسکا خوش لباس ہمسایہ جس کو موٹی سوٹی اشیا کو چھونا یا بھاری بوجھ اُٹھانا نہیں پڑتا۔ مزے سے زندگی بسر کرتا ہے۔ حالانکہ دوسرا پیشہ ور جو فکر اور ذمہ واری کے بوجھ سے لدا ہوا ہے صناع کے مقررہ اوقاتِ کارکنی اور اُس کے محدود کام اور فکروں سے آزادی پر رشک کھاتا ہے۔ یہ جھگڑا تو کبھی ختم ہونے کا نہیں۔ مگر کم سے کم یسوع کے مقدمے میں یہ بات تحقیق ہے۔ کہ فی الحقیقت جب اُس نے اپنے نئے کام کو ہاتھ میں لیا تو اُسکی زندگی کا مشکل کام شروع ہوا۔ اُسکے تین سال کا کام جو اُس نے وعظ کرنے اور شفا بخشنے میں خرچ کئے ایسا محنت طلب تھا کہ اُسکی مثال نہیں ملتی۔ جہاں کہیں وہ جاتا لوگوں کی جماعتیں اُسکے پیچھے لگی رہتیں۔ جب وہ کسی نئے علاقے میں جاتا تو لوگ تمام علاقے میں خبر بھیجکر سب روح یا جسم کے بیماروں کو اُسکے پاس لاتے تھے۔ بعض اوقات لوگ ایسی کثرت سے جمع ہو جاتے تھے کہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے اور بعض اوقات اُسے کھانا کھانے کی فرصت بھی نہیں ملتی تھی۔ وہ برابر اِسی طرح کام کی کثرت اور اجتماع سے گھرا رہتا تھا۔ ہم میں سے بہت ایسے ہیں جن کو اِس زمانے میں اِسی طرح کی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ لیکن ہم یسوع پر نظر کر کے

دیکھ سکتے ہیں کہ اُس نے کس روح میں اِس بوجھ کو اُٹھایا ۔

۳

مسیح کی تعلیم میں اِس امر کے متعلق بہت سے اقوال ہیں کہ ہم دنیا کے ہر ایک قسم کے کام میں اپنا وقت اور طاقت صرف کرنے کے لئے بھی جواب دِہ ہیں ۔ ہم سب خادم ہیں ۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو الٰہی کاروار نے اپنا کوئی نہ کوئی کام سپرد کر رکھا ہے اور جب وہ واپس آئیگا تو سختی سے حساب لیگا کہ آیا وہ کام ہوا ہے یا نہیں ۔

اِس امر میں نہایت پُر معنی اور سنجیدہ توڑوں کی ہیبت ناک تمثیل ہے آقا ایک دور ملک کے سفر پر جاتے ہوئے اپنے نوکروں میں سے ہر ایک کے پاس کچھ روپیہ چھوڑ جاتا ہے ۔ ایک کے پاس زیادہ دوسرے کے پاس کم ۔ تاکہ اُسکی غیر حاضری میں ہر ایک اُس روپیہ کو اچھی طرح سے کام میں لائے ۔ جب وہ واپس آتا ہے تو نہ صرف اُن سے اصل رقم طلب کرتا ہے بلکہ زائد نفع بھی جو اُس سے حاصل ہوا ۔ جنہوں نے محنت کے ساتھ اپنے روپے کا استعمال کیا اپنے خداوند کی خوشی میں داخل ہوتے ہیں ۔ لیکن وہ خادم جس نے اپنے توڑے کو کام میں نہیں لگایا ۔ باہر کی تاریکی میں ڈالا جاتا ہے ۔ اِس تمثیل سے سچ مچ ایک ہیبت ناک سبق ملتا ہے ۔ صاف صاف اِسکے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ آخری روز انصاف کو خدا ہم سے اُن لیاقتوں اور موقعوں کے مطابق جو اُس نے ہم کو عطا کئے ۔ ہم سے کام کا حساب طلب کریگا ۔ اور اگر ہم نے اُن سے کچھ کام نہیں لیا جیسا کہ ایک توڑے والے آدمی کا حال تھا تو صرف یہی بات ہم پر فتویٰ لگانے کے لئے کافی ہوگی یہ ضرور

نہیں کہ ہم نے بُری باتوں میں وقت کو ضائع کیا اور طاقت اور روپے اور دوسری قابلیتوں
کو زائل کیا ہے۔ بلکہ فقط اُن کو زندگی کے کام میں صرف کرنے سے قاصر رہنا ہی ہمکو
شریعت کی سب سے سنگین سزا کا سزاوار ٹھیرائیگا۔

زندگی کی نسبت ایسا خیال رکھنا ایک نہایت سخت خیال تو ہے۔ لیکن یہی خیال
تھا جس کے مطابق یسوع نے اپنی زندگی کاٹی۔ وہ جن باتوں کی منادی کرتا تھا اُنپر
خود بھی عمل کرتا تھا۔ بلاشبہ اُسکو یہ آگاہی تھی کہ وہ اِس بے انتہا کارخانۂ قدرت کا مالک
ہے اور دوسروں پر ایسا اثر ڈال سکتا ہے جس سے افراد انسانی پر اور تاریخ میں بیشمار
تبدیلیاں واقع ہوں۔ لیکن اِس اثر کو پھیلانے اور اُسکو دنیا پر نقش کرنے کے لئے
جو وقت اُسکو ملا بہت قلیل تھا۔ وہ اِس بات کو جانتا تھا۔ اور ہمیشہ ایسے شخص کی مانند
کام کرتا تھا جس کے پاس کرنے کو بہت کام ہو۔ مگر کرنے کے لئے وقت تھوڑا ہو۔
معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی زندگی کی ہر ایک گھڑی کے ساتھ اُس کے کام کا خاص
خاص حصّہ مخصوص تھا۔ کیونکہ جب کبھی اُس کو کسی ایسے کام کے کرنے کے لئے
کہا جاتا۔ جو اُس کے نزدیک پیش از وقت ہوتا تو وہ کہہ دیتا تھا کہ میرا وقت ہنوز نہیں
آیا۔ اُس کے نزدیک ہر ایک کام اپنی خاص خاص گھڑی رکھتا تھا۔ اِس سبب سے
وہ ہر وقت خطرے کے مقابلے پر دلیر تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب تک اُس کا کام نہو چکے
وہ مرنے کا نہیں۔ جیسا کہ اُس نے خود کہا۔ کہ انسانی زندگی کے دن میں بارہ گھنٹے ہیں
اور جب تک یہ نہ گذر جائیں۔ انسان خدائے کارساز کی ڈھال کے نیچے ہر ایک خطرے
سے محفوظ ہے۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا اُس کی روح پر سرگرمی کی دھار زیادہ تیز

ہوتی گئی۔ اور اصلی زندگی کا مقصد اس کے اندر زیادہ زیادہ فروزاں ہوتا گیا۔ اور وہ کیسا تنگ تھا جب تک کہ وہ پورا نہ ہو۔ یروشلم کو آخری سفر کرتے وقت جب وہ راہ میں آگے آگے جاتا تھا تب اُسکے شاگردوں کی نسبت لکھا ہے کہ "وہ حیران ہوئے اور پیچھے چلتے چلتے بہت ڈر گئے"۔ وہ کہا کرتا تھا کہ "ضرور ہے کہ جس نے مجھے بھیجا اُسکے کاموں کو جب تک کہ دن ہے کروں رات آتی ہے اور کوئی اسوقت کام نہیں کر سکتا"۔

۴

جب آدمی کام کر چکتا اور خوب کر چکتا ہے تو اس سے ایک گہری باطنی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ نہایت ادنےٰ صنّاع بھی اس خوشی کو محسوس کرتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ وہ چیز جس کو وہ بنا رہا تھا اُسکے ہاتھ سے کامل طور پر نکلی۔ شاعر یقیناً اس کو محسوس کرتا ہے۔ جب وہ اُس کام کے آخر میں جسپر اُس نے اپنے ذہن و ذکا کی ساری قوتوں کو خرچ کر دیا تمت لکھتا ہے۔ ولیم ولبرفورس کو کس قدر خوشی حاصل ہوئی ہوگی جب اُس نے اپنے بستر مرگ پر یہ سنا ہوگا کہ اُس معاملے کو جس کے لئے اُس نے زندگی بھر محنت و جاں فشانی کی فتح حاصل ہو گئی۔ اور یہ جانکر کہ اُس کے مرتے وقت برطانیہ کے مقبوضات کے کسی حصے میں ایک بھی غلام باقی نہیں رہیگا۔ اُس کی روح میں کس قدر تسلی اور اطمینان پیدا ہوا ہوگا +

یسوع نے بھی خوشی کے اس چشمے سے خوب دل کھول کر پیا۔ جو کام وہ کر رہا تھا اپنی تکمیل کے ہر ایک درجے میں کامل طور پر کیا گیا۔ اور یہ کام نہایت فائدہ بخش

اور ویرپا تھا۔ جب اُس نے اُس کے تمام اجزا کو یکے بعد دیگرے پورا ہو کر اپنے ہاتھ سے نکلتے دیکھا۔ جب اُس نے ساعتوں کو خدا کے مقرر کئے ہوئے کام سے لدے ہوئے زمانہ ماضی میں گذرتے دیکھا تو ضرور اپنے دل میں کہتا ہو گا "میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی بجالاؤں اور اُسکا کام پورا کروں" اور اپنی موت کے وقت جبکہ اُس نے اُس بڑے نقشے کا آخری پیچ کھلتے دیکھا تو اُسوقت بھی اِس دنیا سے کوچ کرنے کے وقت یہ صدا اُسکی لبوں پر تھی۔ کہ پورا ہوا۔ اُس نے مرتے دم یہ ایسی آواز نکالی جیسے کہ ایک سپاہی میدان جنگ میں اپنے ہوش کے آخری لمحے میں یہ دیکھ کر کہ اُس لڑائی میں جس اُس نے اپنی زندگی قربان کر دی شاندار فتح حاصل ہوئی نکالتا ہے۔ لیکن مسیح کے کام کی فتح یابی اور انعام کا کبھی خاتمہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اب بھی اُسکے کارناموں کے نتائج زماناً بعد زماناً ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ جوں جوں اُس کا کلام لوگوں کے دلوں میں جگہ پکڑتا جاتا — جوں جوں اُس کی تاثیر دنیا کی صورت کو بدلتی جاتی۔ اور جوں جوں آسمان اُن لوگوں سے جن کو اُسنے خلاصی بخشی بھرتا جاتا ہے تب وہ اپنی جان ہی کا دُکھ اُٹھا کے اُسے دیکھیگا اور سیر ہو گا۔

۵

آرام زندگی کا ایسا ہی ضروری حصہ ہے جیسا کام۔ بلکہ خود کام کی خاطر سے بھی اِس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اِس سے کام کرنے والا بحال ہو جاتا اور اپنی تمام

قوت میں ترو تازگی حاصل کر کے اپنے کام کو بوجہ احسن انجام کرنے کے قابل بنجاتا ہے۔

یسوع آرام کرنا بھی جانتا تھا اور کام کرنا بھی۔ اگرچہ اُس کی زندگی میں ہمیشہ جلدی پڑی رہتی تھی مگر جلد بازی نہ تھی۔ گو کام کا بہت دباؤ تھا لیکن گھبراہٹ نہ تھی۔ اُسکے مزاج میں یہ بے تبدیل قائم مزاجی اطمینان اور خودداری نہایت روشن و عیاں ہے۔

اُس نے کبھی کوئی کام نہیں کیا جس کے لئے پہلے سے وہ تیار نہ تھا۔ جیسے اُس نے کبھی کوئی کام مناسب وقت سے پہلے نہیں کیا ویسے ہی کبھی مناسب وقت سے پیچھے بھی نہیں کیا۔ زندگی کی آدھی دقت اور گھبراہٹ بے وقت کام کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ذہن یا توکل کے مشکلات کا آج فکر کرنے سے کمزور ہو جاتا یا آجکے کام کے علاوہ گذرے کل کا کام بھی اکٹھا کرنے سے ماندہ ہو جاتا ہے۔ خدا کبھی نہیں چاہتا کہ ہم ایک دن میں جتنا وقت ملے اُس سے زیادہ کام کریں۔ اور معلوم ہو جائیگا کہ ہر ایک دن میں اُس دن کا کام کرنے کے لئے کافی موقعہ ہے بشرطیکہ گذشتہ دن کے کام اور آئندہ دن کے فکر کا بوجھ اُسپر لدا ہوا نہ ہوا۔

یسوع ہر ایک فرض کے واسطے تیار رہتا تھا۔ کیونکہ وہ اُس سے پہلے فرض کو پورا کر چکنے سے طاقتور ہی حاصل کر کے دوسرے فرض تک پہنچتا تھا۔ اُس کا بڑھئی کا کام منادی کے کام کے لئے تیاری تھی۔ اِس سے اُسکو انسانی فطرت اور انسانی طبیعت سے واقفیت حاصل ہوئی۔ خصوصاً غربا کی خوشی غمی اور رنج و راحت سے جنکو بعد ازاں منادی کرنا وہ اپنا فخر سمجھتا تھا شناسائی ہو گئی۔ بہت سے واعظ اگرچہ کتابی علم خوب رکھتے ہیں تو بھی اپنے کام میں قاصر رہتے ہیں۔ اِسلئے کہ وہ لوگوں کے حالات

سے واقف نہیں ہیں۔ مگر یسوع محتاج نہ تھا کہ کوئی انسان کے حق میں گواہی دے۔ کیونکہ
وہ آپ جو کچھ کہ انسان میں تھا جانتا تھا۔" اُس نے جب تک وہ تیس برس کا نہوا۔
تجربے کا یہ مدرسہ نہ چھوڑا۔ اگرچہ وہ یقیناً اُس کام کے کرنے کا جو اُس کے سامنے تھا
بہت مشتاق تھا تو بھی وہ پیش از وقت اُس میں کُود نہیں پڑا۔ بلکہ گمنامی کی حالت
میں اُسوقت کا منتظر رہا یہاں تک کہ ذہن اور جسم نے پورا نشوونما حاصل نہ کرلیا۔
اور ہر ایک بات پختہ نہ ہولی اور تب وہ اپنی طاقت کی بزرگی قوت میں باہر نکل آیا
اور اپنے کام کو پھرتی کے ساتھ یقینی اور کامل طور پر سرانجام دیا۔

لیکن کام کے اثنا میں بھی وہ ایسے وسائل استعمال کرتا تھا جس سے اُس کی
خودسری اور اطمینان قلب محفوظ رہے۔ جب لوگوں کی بھیڑ بہت بڑھ جاتی اور
بہت زیادہ دیر تک ٹھہرتی تو وہ ویرانے میں چلا جاتا تھا۔ جب وہ یہ معلوم کرتا کہ
اُس کو اپنے استقلال اور خودداری کو برقرار رکھنے کی حاجت ہے۔ تو اُس وقت نہ
تو منادی کی خواہش نہ بیماروں اور نیم جانوں کی التجائیں اُسکو روک سکتی تھیں۔
کثرتِ کار کے ایّام کے بعد لوگوں کے سامنے سے وہ غائب ہو جاتا تا کہ اپنے جسم کو نیچر کے
کنار میں اور اپنی روح کو خدا کے آغوش میں ڈال کر تر و تازگی حاصل کرے۔ جب
وہ اپنے شاگردوں کو ماندہ و پریشان دیکھتا تو کہتا۔ "آؤ الگ ویرانے میں چلو اور ذرا
ستاؤ"۔ کیونکہ مقدس سے مقدس کام میں بھی اپنے آپ کو کھو بیٹھنا ممکن ہے۔
ہوسکتا ہے کہ آدمی لوگوں کی درخواستوں اور حاجتوں کو پورا کرنے میں ایسا غرق ہو جائے
کہ اُسے خدا کے ساتھ میل و رفاقت کرنے کی بھی فرصت نہ رہے۔ گرم جوش خادم الدین

ہر ایک شخص کو خوش کرنے کی خواہش اور گرم جوشی سے افروختہ ہوکر اپنے مطالعہ سے غفلت کرتا اور اپنے ذہن کو بھوکا مرنے دیتا ہے۔ اور اسکا نتیجہ لازمی طور پر ہوتا ہے کہ اسکا کلام باسی۔ روکھا پھیکا۔ اور نا فائدہ بخش ہوجاتا ہے۔ اور وہی لوگ جن کی التجاؤں میں اس نے اپنے اصلی کام میں ہرج واقع کیا تھا سب سے پہلے مُنہ پھیر کر اس کے گلہ وشکایت پر کمر باندھتے ہیں۔

دنیا کے محنتی لوگوں کی بڑی تعداد کے واسطے آرام کا سب سے بڑا موقعہ روز سبت ہے۔ یسوع نے بھی اس دستور کو محفوظ رکھا۔ اور یہ قرار دیا کہ سبت انسان کے لئے بنایا گیا ہے۔ اور اسلئے کسی کو یہ حق نہیں کہ اس کو اس سے چھین لے۔ اسکے زمانے میں فریسی لوگ اس کو چھین لینے کی کوشش کرتے تھے۔ جنہوں نے اس کو پاک خوشی کے دن سے تبدیل کرکے اس میں ایسے کانٹے لگادئے جو ضمیر کو زخمی کردیتے تھے۔ یہ خطرہ اب بھی گذر نہیں گیا۔ لیکن ہمارے زمانے میں یہ حملہ دوسری طرف سے ہوتا ہے یعنے اتنا فریسیوں سے نہیں جتنا صدوقیوں سے۔ زمانہ حال میں سبت کے خلاف جو تحریکیں ہوتی ہیں۔ قریباً سب کی سب ایسی ہیں جن کے کامل دولتمند لوگ بانی ہیں جو طبعی طور پر چھ دن عیش وعشرت میں صرف کرنے کے بعد خاموشی اور آرام کے ایک ایسے دن کی کچھ خواہش نہیں رکھتے۔ جبکہ انہیں اپنے اندر نظر کرنے اور اپنے آپ سے روبرو ہونا پڑے۔ اگر وہ چوتھے حکم کے پہلے حصے کو مانتے کہ "چھ دن تو اپنا کاروبار کرنا" تو وہ دوسرے حصے کو بھی اچھی طرح سے سمجھ سکتے۔ البتہ وہ عموماً یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ غربا کے فائدے کے لئے یہ تحریک کرتے ہیں مگر وہ غربا کا نام بے فائدہ لیتے

ہیں۔ کیونکہ غربا اُن کی نسبت اِس معاملے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جہاں کہیں سبت کی حرمت کو توڑا جاتا ہے وہاں غریب آدمیوں کو چھ کی جگہ سات دن محنت کرنی پڑتی ہے۔ جہاں کہیں یوروپ کے اَور ملکوں کی طرح اتوار منانے کا رواج ہے وہاں کلوں کا شور و غوغا سنیچر کی طرح سبت کو بھی برابر سنا جاتا ہے۔ اِس ملک کے یعنی انگلستان کے محنت ور لوگ اگر کبھی خداوند کے روز کی پاکیزگی کے دور کرنے کی تحریک کو تسلیم کرلینگے تو اُن کو اِس بات کی سچائی معلوم ہو جائیگی۔ کہ وہ جو خدا کی عزت کرتے اُن کی عزت ہوتی لیکن وہ جو اُسکو حقیر جانتے اُن کی کم قدری ہوتی ہے۔ خود ہمارے ہندوستان میں جو خرابیاں آرام کے روز کی حرمت نہ کرنے کے سبب پیدا ہو رہی ہیں وہ بیان کی محتاج نہیں ؛

مگر یہ مسئلہ کہ سبت کو کس طرح منایا جائے ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جوں جوں طریق معاشرت کی بیرونی حالتوں میں تبدیلی واقع ہوتی ہے ہمیشہ تازہ غور و فکر کا محتاج ہے۔ آرام کا روز اُسیوقت صحیح طور سے صرف ہو گا جبکہ اُس میں آدمی کے لئے خوشی اور خداوند کے لئے تقدیس ہو۔ لیکن یقیناً اُن تمام پھلوں کو حاصل کرنے کے لئے جنکے واسطے یہ مقرر ہوا تھا سب سے عمدہ طریق یہ ہے کہ اُسکو اُسی خداوند کی روح اور رفاقت میں صرف کریں۔ جسکے نام پر وہ خداوند کا دن کہلاتا ہے ؛
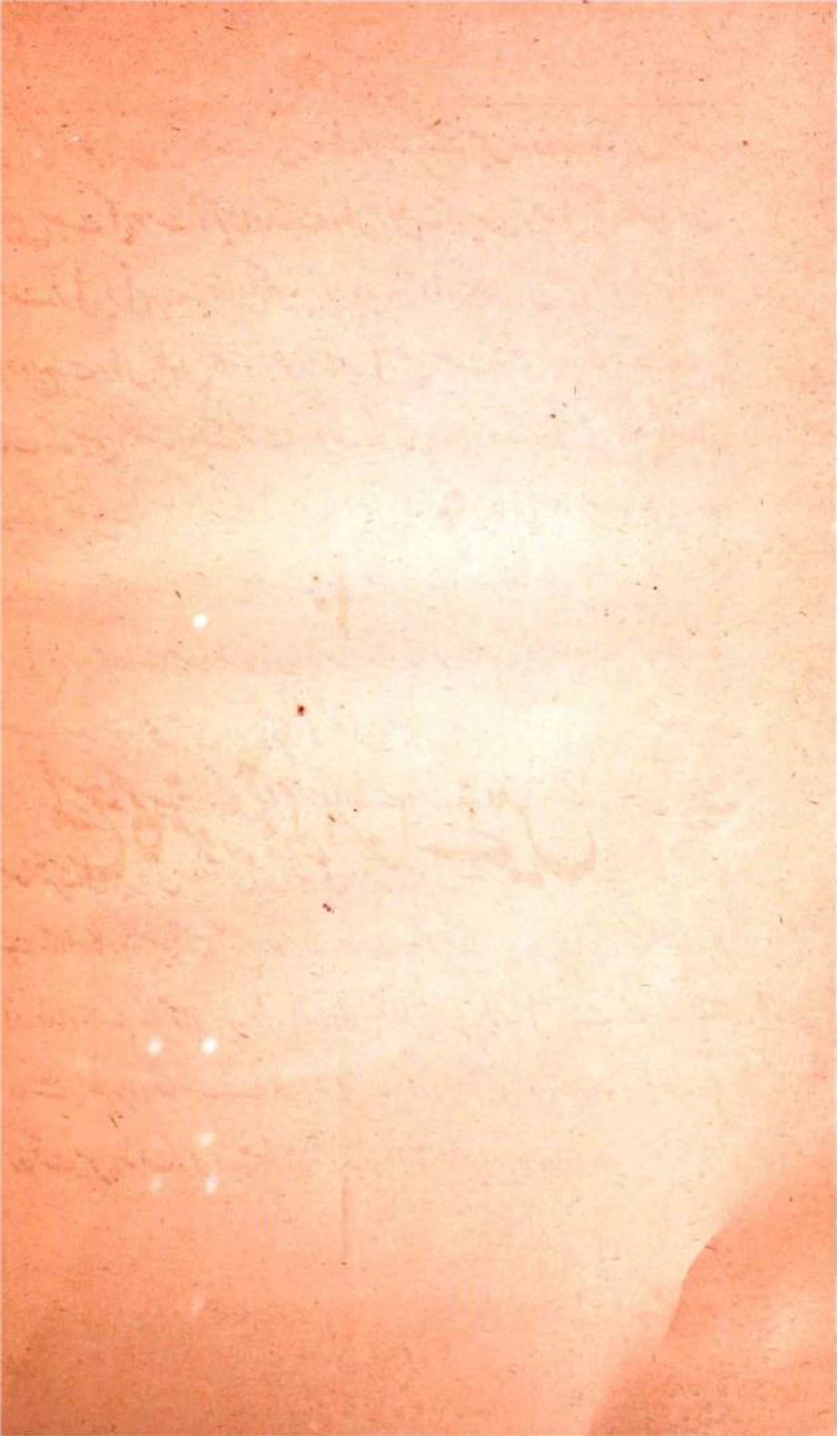
۱۰

مسیح کا نمونہ دُکھ اُٹھانے میں

متی ۲: ۱۳ - ۱۸
〃 ۴: ۱
〃 ۸: ۱۶، ۱۷، ۲۰
〃 ۹: ۳
〃 ۱۱: ۱۹
〃 ۱۲: ۲۴
〃 ۱۳: ۵۴ - ۵۸
〃 ۱۶: ۲۱
〃 ۱۷: ۲۲، ۲۳
〃 ۲۰: ۱۷ - ۱۹
〃 ۲۶ باب
〃 ۲۷ باب

مرقس ۳: ۲۱، ۲۲
〃 ۸: ۱۷ - ۲۱
〃 ۹: ۱۹
〃 ۱۴، ۵۰

لوقا ۴: ۲۸، ۲۹
〃 ۶: ۷
〃 ۱۱: ۵۳ و ۵۴
〃 ۱۴: ۱۳

یوحنا ۶: ۶۶
〃 ۷: ۷، ۱۲، ۱۹، ۲۰، ۳۲، ۵۲
〃 ۹: ۱۶، ۲۲، ۲۹
〃 ۱۰: ۲۰
〃 ۱۲: ۱۰، ۱۱، ۳۷
〃 ۱۵: ۱۸
〃 ۱۷: ۱۴
〃 ۱۸: ۲۳

دسواں باب

مسیح کا نمونہ دُکھ اُٹھانے میں

۱

کام زندگی کا صرف آدھا حصہ ہے۔ اُسکا دوسرا حصہ دُکھ ہے۔ گرہ حیات انسانی کا ایک نصف تو کام کی دھوپ سے منور رہتا ہے۔ لیکن دوسرے پر شب مصیبت کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ البتہ یہ تو نہیں کہ انسانی زندگی میں بھی یہ حالتیں یکے بعد دیگرے اسی تواتر کے ساتھ آتی ہیں۔ جیسے کہ زمین گھومتے ہوئے تاریکی سے روشنی میں اور پھر روشنی سے تاریکی میں چلی جاتی ہے۔ جس نسبت سے یہ دونوں عناصر مختلف اشخاص کے نصیب میں آئے ہیں اُس سے بڑھکر اور کوئی چیز رازِ سربستہ نہیں۔ بعض تو قریباً ساری عمر کامیابی اور عیش و راحت میں خرچ کرتے ہیں اور بیماری مفارقت اور ناکامی کے نام سے بھی واقف نہیں ساور بعض ایسے ہیں۔ جن کو گویا دُکھ و مصیبت نے اپنا ہی بنا رکھا ہے۔ زندگی بھر وہ "آشنائے رنج" رہتے ہیں۔ مادی لباس مشکل اُنکے جسم سے علٰحدہ ہوتا ہے کیونکہ

موت وقت بہ وقت اگر ان کا دروازہ کھٹکھٹاتی اور اُنکے عزیزوں کو لے جاتی ہے
اُنکی اپنی صحت بھی نازک حالت میں ہے۔ اور خواہ کیسی ہی اعلےٰ اور بلند مہمات
کے خیالات اُنکے دل میں پیدا کیوں نہ ہوں۔ جونہی دل کا جوش ٹھنڈا ہوتا ہے وہ جان
لیتے ہیں کہ ان اُلوالعزمیوں کو پورا کرنے کیلئے اُن کے جسم میں طاقت نہیں ہ

اگر تم خوش نصیب ہو اور کبھی ایک دن بھی تمہیں بیمار ہونے کا اتفاق
نہیں ہوا اور اپنے کام میں خوش ہو۔ کیونکہ تم دیکھتے ہو کہ وہ دن بدن بڑھتا اور
سرسبز ہوتا جاتا ہے تو جاؤ اور ایک مہلک مرض کے مریض کے سرہانے کھڑے ہو۔
وہاں تم معلوم کرو گے کہ ایک دماغ جو تم سے زیادہ قابلیتیں رکھتا اور ایک دل جو
تمہاری طرح محبت کرنے اور زندگی کا لطف اُٹھانے کے لائق ہے پڑا ہے۔ لیکن
ایک پوشیدہ زنجیر نے اُسکے اعضا کو باندھ رکھا ہے۔ اور اگرچہ یہ تلخ زندگی دس یا
بیس سال تک قائم بھی رہی۔ تو بھی یہ صورت اپنی طاقت سے اپنے بستر سے
کبھی نہیں اُٹھیگی۔ اب بتاؤ تمہارا فلسفہ اِس قسم کے نظارے سے کیا نتیجہ نکالتا
ہے؛ لیکن یہ دُکھ مصیبت اُس سب کی جو ہزارہا صورتوں میں ہر روز واقع ہو رہے
ہیں صرف ایک قسم کی مثال ہے۔ فرزندانِ غم بے شمار ہیں اور کوئی نہیں جانتا
کہ کس وقت اُس کے کام کی زندگی مصیبت کی زندگی میں بدل جائیگی۔ اور کس
وقت اِس نیلے گنبد سے بجلی گر کر سب کچھ تبدیل کر دیگی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بادل
جو آدمی کے ہاتھ سے بڑا نہ ہو رفتہ رفتہ ایسا بڑا ہو جائے کہ آسمان کو ایک طرف سے
دوسری طرف تک گھٹا ٹوپ تاریکی کا لباس پہنا دے۔ اور اگر کوئی ایسا خوفناک

وبال نہ بھی پڑے تو بھی زمانہ ہر ایک کے لئے جدا جدا مصیبتوں کا حصّہ اپنے ساتھ لاتا ہے۔

گلہ بان خواہ کتنی ہی گلے کی رکھوالی کرے
کب ہے ممکن کوئی برہ اسمیں مُردہ نہ ملے ؟
ساری دنیا میں کوئی محفوظ گھر ایسا نہیں
جس کے کُنبے میں کسی پیارے کی خالی جا نہیں

اسلئے دکھ مصیبت زندگی میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں جس سے قطع نظر کر سکیں۔ اگر ہمکو ایسے شخص کی حاجت ہے جو ہمیں یہ دکھائے کہ کام کسطرح کرنا چاہئے۔ تو ہم ایسے شخص کے بھی کچھ کم محتاج نہیں جو ہمیں سکھائے کہ دُکھ کس طرح اُٹھانا چاہئے۔ اور یہاں بھی ابن آدم ہماری مدد کو پہنچتا ہے۔ اگرچہ وہ بڑا کام لینے والا ہے اور ہر ایک نوجوان اور چست و چالاک آدمی کو جرأت کرنے اور زور مارنے کے لئے بلاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ مصیبت زدہ کا دوست بھی ہے۔ اُسکے گرداگرد کمزور مصیبت زدہ اور ستم رسیدہ لوگ جمع ہیں۔ جب اُس نے صلیب پر سے پکار کر کہا کہ "پورا ہوا" تو اِن الفاظ میں نہ صرف اُس زندگی کے کام کی طرف اشارہ تھا جو کامیابی کے ساتھ سر انجام کو پہنچا۔ بلکہ مصیبت کے پیالے کی طرف بھی جسکے آخری قطرے تک کو وہ نوش کر گیا۔

(۱) یسوع نے وہ سب تکلیفیں اُٹھائیں جو انسان پر عموماً پڑا کرتی ہیں۔ وہ اصطبل میں پیدا ہوا اور چرنی میں رکھا گیا۔ اور اِس طرح گویا اپنی زندگی کے شروع ہوتے ہی

مصیبت کی تاریک رات میں داخل ہوا۔ ہم اُس معاشرتی حالت سے جس میں اُس نے پرورش پائی کم واقف ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ مریم کے گھر میں اُسکو بہت کچھ محتاجی اور بدبختی سے واسطہ پڑا یا نہیں۔ مگر اُسکے بعد کی حالت میں ہم خود اُسکے مُنہ سے یہ الفاظ سنتے ہیں کہ "لومڑیوں کے لئے ماندیں ہیں اور پرندوں کے لئے بسیرے۔ مگر ابنِ آدم کے لئے اِتنی جگہ نہیں جہاں اپنا سر دھرے" بنی آدم میں کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کوئی شخص ایسی بُری اور ادنیٰ حالت کو پہنچ جائے۔ کہ حیوانوں کی ماندوں اور جانوروں کے گھونسلوں پر رشک کرنے لگے۔ یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے کہ انسانی زندگی کا آخری وقت جب وہ مکان جس میں رُوح کو جگہ ملے ٹوٹ جاتا ہے۔ ضرور کم و بیش دُکھ و مصیبت سے گِھرا ہوتا ہے۔ مگر جسمانی تکلیف جو یسوع نے آخری دم اُٹھائی نہایت ہی سخت قسم کی تھی۔ یاد کرو کہ کس طرح گتسمنی کے باغ میں اُسکے خون کا پسینا بہ نکلا۔ کسطرح بیرحم سپاہیوں نے اُسکو ستون سے باندھ کر زور زور سے کوڑے مارے۔ اُسکے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔ اور اُس نے صلیب کی ناقابلِ بیان عقوبت اور درد برداشت کی۔ ہم دعوے سے گو نہ کہہ سکیں کہ کبھی کسی شخص نے اِس قدر جسمانی دُکھ نہیں اُٹھایا جیسا اُس نے۔ تو بھی ایسا خیال کم سے کم ظن غالب کا رتبہ تو رکھتا ہے۔ کیونکہ اُس کے جسم کی صحیح و تندرست حالت کے سبب اغلباً اُس نے اوروں کی نسبت درد کو زیادہ محسوس کیا ہو گا۔

(۲) آنے والی مصیبت کا خیال کر کے بھی اُسکو نہایت تکلیف ہوئی۔ جب کوئی بڑا غم یا درد اچانک آ پڑتی ہے تو بعض اوقات اُس سے ایک قسم کی حیرت پیدا ہو جاتی

ہے جو مسکن دوائی کا کام دیتی ہے۔ اور بیشتر اِسلئے کہ آدمی اُسکو پورے طور پر محسوس کرے وہ درد گذر جاتی ہے۔ لیکن یہ علم کہ آدمی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جو شاید چھ ماہ تک بیشتر اِسلئے کہ کام تمام ہو نہایت سخت جان کن تکلیف دیگا۔ دل میں ایسا خوف و دہشت پیدا کر دیتا ہے جو اصل تکلیف سے بھی جو واقع ہوتی ہے بُرا ہوتا ہے یسوع اپنی تکلیفوں کو پہلے ہی سے جانتا تھا اور اُس نے اپنے شاگردوں کو اس امر کی خبر دی تھی۔ اور یہ باتیں ماہ بماہ زیادہ زیادہ صریح اور صاف ہوتی گئیں گویا کہ وہ اُس کی قوت واہمہ پر دن بدن زیادہ قبضہ پاتی جاتی تھیں۔ یہ دہشت گیتسمنی میں اپنی اعلےٰ حالت کو پہنچی۔ کیونکہ آنے والی تکلیفوں کے خوف نے اُسکے دل میں ایسی حیرت اور پریشانی پیدا کر دی کہ پسینا بڑے خون کے قطروں کی مانند اُس کے چہرے سے گرنے لگا۔

(۳) اُس نے اِس خیال سے بھی دُکھ اُٹھایا کہ وہ اَوروں کے دُکھ کا باعث ہے۔ ناخود غرض طبیعت والے آدمیوں کو سب سے بڑی چوٹ جو اُن کی اپنی کمزوری یا بدبختی سے لگتی ہے بعض اوقات یہ دیکھ کر لگتی ہے کہ وہ جن کو وہ خوش و خرم حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں اُنکے ساتھ تعلق رکھنے کے سبب بدبختی و مصیبت میں پڑ گئے۔ یسوع کو بچپن میں بیت لحم کے بچوں کی کہانی سُنکر جنکو ہیرودیس نے اُسکی جستجو میں قتل کر دیا کس قدر صدمہ ہوا ہوگا۔ یا اگر اُس کی ماں نے یہ بات اُسے نہ بھی بتائی ہو تو بھی کم سے کم اُسکو یہ تو معلوم ہوگا کہ کس طرح اُسے اُسکی ماں کو یوسف کے ساتھ ہیرودیس کے ڈر سے مصر کو بھاگنا پڑا۔ جوں جوں اُس کی زندگی خاتمے کے قریب پہنچی یہ خیال

کہ اُسکے ساتھ تعلق رکھنے کے سبب اُسکے شاگردوں کی جان پر بن آئیگی زیادہ زیادہ
اُسکے زیر نظر رہتا تھا۔ جب وہ گرفتار ہوا تو اُس نے بارھوں کو کسی مصیبت سے
بچانے کے لئے پکڑنے والوں سے التجا کی کہ "ان کو جانے دو" لیکن یہ بھی اُنے
صاف طور پر دیکھ لیا کہ دنیا جس نے اُس سے دشمنی کی اُن سے بھی دشمنی کریگی جیساکہ
اُس نے خود کہا "وہ گھڑی آتی ہے کہ جو کوئی تمکو قتل کرے گمان کریگا کہ میں خدا کی
بندگی بجالاتا ہوں" اُس نے تلوار کو اپنی ماں کے دل سے بھی پار ہوتے دیکھا۔ جبکہ
مریم نے اُسکو ایسی بے عزتی کی موت مرتے دیکھا۔ جو اُس زمانے میں آجکل کی پھانسی
کی موت سے بھی زیادہ بُری سمجھی جاتی تھی ؛

(۴) اُسکی مصیبت کے پیالے میں شرم کا جزو اور سب اجزا سے زیادہ ملا ہوا تھا۔ ایک
اثر پذیر دل کے لئے اِس سے زیادہ کوئی چیز ناقابلِ برداشت نہیں۔ اُسکا برداشت
کرنا جسمانی تکلیف سے کہیں مشکلتر ہے۔ لیکن اِس مصیبت نے یسوع پر قریباً ہر ایک
صورت میں حملہ کیا اور اُسکی زندگی بھر اُسکے پیچھے لگی رہی۔ اُسکی غربت و افلاس کے
لئے اُسپر طعنے مارے جاتے تھے۔ شریف النّسل کاہن اور تعلیم یافتہ ربّی نجّار زادے
پر ناک بھوں چڑھاتے تھے کہ اُس نے کبھی تعلیم نہیں پائی۔ اور دولتمند فریسی اُسکی
ہنسی اڑاتے تھے۔ اُسکو بار بار دیوانہ کہکر پکارا گیا۔ ظاہراً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
پلاطوس نے بھی اُسکو ایسا ہی سمجھا۔ اور جب وہ ہیرودیس کے سامنے حاضر ہوا تو اُس
خوش طبع شاہ اور اُسکی فوج کے لوگوں نے بھی "اُسکو ناچیز جانا"۔ رومی سپاہی
اُسکی تحقیقات اور صلیب کے اثنا میں برابر اُسکے ساتھ وحشیانہ چھیڑ چھاڑ کرتے

رہے۔ اور اُسکے ساتھ اُسی طرح سلوک کیا جیسے لڑکے خبطی آدمی کو ستاتے ہیں۔
اُنہوں نے اُسکے مُنہ پر تھوکا۔ اُسکی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور پھر اُسکے منہ پر تھپڑ مار کے
کہتے تھے کہ "نبوت سے بتا کس نے تجھے مارا۔" اُنہوں نے اُسے نقلی بادشاہ بنایا۔
کسی سپاہی کا پُرانا کوٹ لباس شاہانہ کی جگہ اُسکو پہنا دیا۔ عصائے شاہی کی جگہ نرکٹ
اور تاج کی جگہ کانٹے اُسکے سر پر رکھے۔ اُسکے الہٰی دل کو یہ سب بے عزتی چپ چاپ
اُٹھانی پڑی۔ اُس نے یہ بھی سنا کہ اُسکے ہموطنوں نے برابّاس کو اُسپر ترجیح دی ہے
اور وہ چوروں کے درمیان صلیب پر کھینچا گیا۔ گویا کہ وہ بدکار سے بدکار تھا۔ اُس کے
آخری وقت میں بھی طعن و تشنیع کی بوچھاڑ اُسپر پڑتی رہی۔ آتے جاتے اُسپر مُنہ
چڑاتے اور اُسکے حق میں بُری بُری باتیں کہتے تھے۔ بلکہ چوروں نے بھی جو اُسکے ساتھ مصلوب
ہوئے تھے اُس کی تحقیر کی۔ اِس طرح سے اُس شخص نے جو اپنے باطن کی لامحدود طاقت سے
آگاہ تھا کمزور سے کمزور کی طرح برتاؤ کئے جانے کے لئے اپنے کو حوالہ کیا اور اُسنے جو **تعالیٰ**
جلشانہ کی حکمت تھا اپنے کو سونپا کہ اُسکے ساتھ ایک نہایت ذلیل آدمی سے بھی بدتر سلوک کیا جائے۔
(۵) لیکن یسوع کے واسطے یہ امر اور بھی زیادہ دردناک تھا کہ "خدا کا قدوس"
ہو کر سب سے بڑے گنہگار کی طرح اُسکے ساتھ سلوک ہو۔ اُس شخص کے لئے جو خدا
اور نیکی کو پیار کرتا ہے اِس سے بڑھ کر کوئی نفرت انگیز بات نہیں کہ لوگ اُسکو
ریاکار خیال کریں اور اُسپر ایسے جرائم کا الزام لگائیں جو اُسکے عام اقرار کے بالکل
برعکس ہوں۔ لیکن یہی بات تھی جس کا یسوع پر الزام لگایا گیا۔ لوگ اُس کی
بابت خیال کرتے تھے کہ وہ بُری روحوں سے میل رکھتا اور یہودیوں کے سرداروں سے بولنے

کی مدد سے دیووں کو نکالتا ہے۔ وہ جس کے لئے خدا کا نام لنڈھائے ہوئے عطر کی مانند تھا کفر گو اور سبت شکن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اُس کی اچھی باتوں کے بھی اُلٹے معنے کئے جاتے تھے۔ اور کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈھنے کے لئے ایسی جگہوں میں جانے کے سبب جہاں وہ مل سکتے تھے اُسکو پیٹو اور شراب خوار محصول لینے والوں اور گنہگاروں کا دوست کہلانا پڑتا تھا۔ اُس کی مسیحیت کے دعوے کی نسبت عموماً لوگ خیال کرتے تھے کہ وہ کوئی بدچلن اور دھوکہ باز آدمی ہے۔ بلکہ دینی اور دنیاوی حاکموں نے بھی برسرِعدالت یہی فیصلہ دیا۔ آخر کار خود اُسکے شاگرد بھی اُسکو چھوڑ گئے۔ ایک نے اُسکو پکڑوا دیا۔ اور سب سے بڑے نے لعنت کی اور قسم کھائی کہ وہ اُسے نہیں جانتا۔ غالباً ایک بھی انسان نہیں تھا جو اُسکی موت کے وقت یہ یقین رکھتا تھا کہ وہ وہی رتبہ رکھتا ہے جس کا وہ دعویدار تھا +

(۶) اگر یسوع کے قدوس رُوح کے واسطے یہ ایک دردناک بات تھی کہ لوگ اُسے ایسے گناہوں کا مجرم خیال کریں جو اُس نے کبھی نہیں کئے۔ تو یہ معلوم کرنا تو اور بھی زیادہ دردناک ہوگا۔ کہ اُسکو گناہ میں ڈالنے کی بھی کوشش کیجاتی ہے۔ کیونکہ اِسبات کی اکثر کوشش کی جاتی تھی۔ شیطان نے اُسکو بیابان میں آزمایا۔ اور اگرچہ

لہ مجھے خیال ہے کہ عموماً مسیح کی بیابان کی آزمائشوں کی بابت ایک غلط خیال پھیل گیا ہے۔ گو لوگ ایسا خیال نہ بھی کرتے ہوں تو بھی اُن کی گفتگو سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا صرف یہی آزمائشیں تھیں جو مسیح کی زندگی میں واقع ہوئیں۔ اِس سے بڑھکر کوئی خیال غلط نہیں ہو سکتا۔ ہمارے خداوند کی تمام زندگی برابر ایک آزمائش کی زندگی تھی۔ اگر ہم

اُس کی اِس آزمایش کا مفصّل ذکر اناجیل میں درج ہے وہ بلاشبہ اکثر اُسپر حملہ کرتا رہتا تھا۔ شریر لوگ اُس کو آزماتے تھے۔ وہ ہر طرح کا حیلہ برتتے تھے۔ کہ کسی طرح وہ آپے سے باہر ہو جائے اور مُنہ سے بیجا بات بول اُٹھے۔ وہ "بے طرح چمٹنے اور چھیڑنے لگے کہ وہ بہت باتیں کرے اور گھات لگا کے تلاش میں تھے کہ اُس کے منہ سے کوئی بات پکڑ پائیں"۔ بلکہ دوست بھی جو اُس کی زندگی کے مقصد کو نہیں سمجھتے تھے اُسکو اُس راستے سے پھرانے میں جو رضائے الٰہی نے اُسکے لئے ٹھہرایا تھا کوشش کرتے تھے یہانتک کہ ایک دفعہ اُسے اُنمیں سے ایک کو کہنا پڑا گویا کہ وہ آزمایش مجسّم تھا۔ کہ "اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو"۔ اِس قول سے جو اُسکے قائل کی مزاج کے

(بقیہ حاشیہ) اُن سوانح عمریوں کو جو روح القدس نے ہماری تعلیم کے لئے لکھوائیں ملاحظہ کریں تو قریباً ہر ایک صفحہ میں دیکھینگے کہ کسطرح خداوند یسوع مسیح پر برابر آزمائشیں وارد ہوتی رہیں۔ کبھی اُسکے مزاج کا امتحان ہوتا تھا کبھی اُس کی خصلت کا کبھی اُسکے اصول کا۔ وہ عصبی سوزشیں۔ کم طاقتی۔ جسمانی کمزوری۔ یا بے ٹھکانی کے سبب آزمائشیں اُٹھاتا تھا۔ بے جا مخالفت ہمیشہ اُس کو اُکساتی رہتی تھی کہ ناجائز غصّے اور غضب کا روادار ہو۔ یا انکار اور فراموشی سے اگر ممکن ہو تو اُسکو اُداسی یا مایوسی میں ڈالنے کی تحریک ہوتی تھی۔ اُسکے دشمنوں کی سازشیں۔ عوام الناس کی تلوّن مزاجی۔ بلکہ اُس کے شاگردوں کی حماقت ہمیشہ اُس کے دل کو ستاتی رہتی تھی اور اکثر یہ باتیں ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتی ہونگی۔ تمام بار بار آنے والی آزمائشیں جن سے اگر آدمی ایسا قصور کر بیٹھتا ہے جن کے لئے بعد کو پچھتانا پڑتا ہے۔ یا ایسے گناہوں میں پڑ جاتا جس سے افسوس کے ساتھ توبہ کرنی پڑتی۔ خداوند یسوع مسیح کی زندگی میں ہمیشہ موجود رہتی تھیں (برنارڈ)

خلاف معلوم ہوتا ہے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آزمایش کی نوک اُسے کیسی چبھتی ہوئی معلوم ہوتی ہوگی۔ اور رضاے الٰہی سے بال بھر بھی تجاوز کرنے کے اندیشے پر کس قدر دہشت اُس کے دل میں جاگ اُٹھتی ہوگی۔

(۷) جب کبھی گناہ کے قریب ہونے سے اُسکی مقدّس رُوح میں ایسی نفرت پیدا ہوتی تھی اور اُسے چھونا گویا آگ کو چھونے کی مانند تھا تو بھی اُسکو اُس سے بہت ہی قریب رہنا پڑا اور یہ بات اُس کی سب سے بڑی تکلیف کا باعث تھی۔ گناہ اپنی نفرت انگیز شکل سیکڑوں طور سے اُسکے سامنے لاتا تھا۔ وہ جو اُسکے دیکھنے کی برداشت نہیں کرسکتا تھا اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے اُسکی بُری سے بُری حالتوں میں دیکھنا پڑا۔ بلکہ گناہ خود دنیا میں اُسکی موجودگی سے اور بھی نمایاں و ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ نیکی کی موجودگی اُس بدی کو جو شریر دلوں کی تہ میں پڑی ہو نکال لاتی ہے۔ اُس شخص کی قدسیت نے جس سے اُنہیں سابقہ پڑا فریسیوں اور صدوقیوں کی خباثت اور پلاطوس اور یہوداہ کے جرائم کو اور بھی سخت کردیا اور جب وہ صلیب پر لٹک رہا تھا اور اُسکی آنکھ اُنکے اوپر اُٹھے ہوئے چہروں کو دیکھتی تھی تو اُس کی نظر انسانی فطرت کی تمام بُری خواہشوں کے کیسے بڑے نمونوں پر پڑتی ہوگی +

یہ ایسی حالت تھی گویا کہ انسانی نسل کے تمام گناہ اُسپر چڑھے آتے تھے۔ اور یسوع نے محسوس کیا کہ گویا یہ سب اُسکے اپنے ہیں۔ بدکاروں کے ایک بڑے کُنبے میں جہاں باپ اور ماں شرابی۔ بیٹے نامی بدمعاش بیٹیاں قحبائیں ہوں۔ مگر اُنکے درمیان ایک لڑکی عفیف۔ دانشور اِس گناہ خانے میں رہتی ہو جیسے سوسن

کانٹو نہیں۔ وہ کُنبے کے تمام گناہ اپنے سمجھتی ہے۔ کیونکہ دوسرے تو اُن کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اپنے گناہ سے اُنہیں کچھ شرم نہیں۔ شہر بھر میں اُن کی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن اُنہیں کچھ پروا نہیں۔ صرف اُسی لڑکی کے دل میں اُنکے جرائم اور بے عزتی برچھیوں کے گُچھے کیطرح چُبھتی اور اُسکو پامال کرتی ہے۔ کُنبے میں سے یہ ایک بیگناہ لڑکی باتیوں کا جرم اُٹھاتی ہے بلکہ خود اُسکے ساتھ جو بیرحمی ہوتی ہے وہ اُس کو بھی چھپاتی ہے۔ گویا کہ یہ تمام شرمندگی خود اُسکی اپنی ہی ہے۔ خانوادۂ انسانی میں مسیح کی یہی حالت تھی۔ جس نے اپنی مرضی سے اُسکو قبول کیا۔ وہ ہماری ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت بنا۔ اُس نے اپنے آپ کو بنی انسان کے ساتھ ایک کر دیا۔ وہ گویا تمام کا اثر پذیر مرکز تھا۔ اُس نے اُس تمام گناہ کی شرمندگی اور جرم کو جو اُس نے دیکھا اپنے دل میں جمع کر لیا۔ کرنے والوں نے تو اُسکو محسوس نہ کیا لیکن اُس نے محسوس کیا۔ اِس گناہ نے اُسے کچل ڈالا۔ اُسکے دل کو توڑا اور وہ دوسروں کے گناہ کا بوجھ اُٹھائے ہوئے جسے اُس نے اپنا بنا لیا تھا مر گیا ؛

اِس طور سے ہم گیتسمنی کی جانکنی اور لہو کے پسینے کے راز اور گلگتا کی ہیبتناک صدا کو کہ "اے میرے خدا! اے میرے خدا! تونے مجھے کیوں چھوڑا" اپنے خیالات میں جگہ دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن تو بھی یہ ایک بھید ہے۔ کون شخص ہے جو اُس صورت کے جو باغ گیتسمنی میں زیتون کے درختوں کے نیچے پڑی ہے نزدیک جائے یا اُس آواز کو جو صلیب سے سنائی دیتی ہے سُنے۔ اور یہ معلوم نہ

کرے کہ یہاں ایک ایسا غم ہے جس کی تہ کو ہم نہیں پہنچ سکتے۔ ہم جہاں تک ہو سکے قریب جاتے ہیں مگر کوئی چیز پکار کر کہتی ہے۔ "بس یہیں تک۔ آگے نہیں" صرف ہم اتنا جانتے ہیں کہ یہ گناہ تھا جو اُسے پامال کر رہا تھا"۔ کیونکہ اُس نے اُس کو جو گناہ سے واقف نہ تھا ہمارے بدلے گناہ ٹھیرایا۔ تاکہ ہم اُس میں شامل ہو کے الٰہی راستبازی ٹھہریں" (۲ قرہ ۵: ۲۱)۔

۳

مسیح کے دُکھوں سے جو نتیجے نکلے اُنکے بیان سے انجیل بھری پڑی ہے۔ لیکن یہاں ہم صرف چند ایک باتیں بیان کر سکتے ہیں۔

(۱) عبرانیوں کے خط (۲: ۲) میں لکھا ہے "ہماری نجات کا پیشوا اذیتوں سے کامل کیا گیا"۔ پھر (۵: ۸) لکھا ہے "اُن دُکھوں سے جو اُس نے اُٹھائے فرمانبرداری سیکھی"۔ اِن باتوں میں بڑے راز ہیں۔ کیا وہ ناکامل تھا کہ اُسکو کامل بنایا جائے؟ یا کیا وہ نافرمان تھا کہ اُسے فرمانبرداری سیکھنے کی ضرورت پڑی؟ یقیناً اِن آئتوں کا کبھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اُسکی خصلت کی تکمیل میں کسی طرح سے کسی ذرا بھر بات کی بھی کمی تھی۔ نہیں بلکہ صرف یہ مراد ہے کہ چونکہ وہ انسان تھا اور انسانوں ہی کی طرح اُس کی زندگی کے حالات و واقعات کا نشو و نما ہوا۔ اِسلئے اُسے گویا تابعداری اور کمال کے ایک زینے پر چڑھنا تھا۔ اور اگرچہ وہ ہر ایک زینے پر ٹھیک مناسب وقت میں چڑھا اور ہر ایک قدم پر کامل نکلا تاہم اُس کو ہر نئے قدم کے لیے نئی سی کی

ضرورت تھی اور جب وہ اُسے طے کر چکتا تھا تو کمال کے اعلٰے درجے اور اطاعت کے زیادہ وسیع حلقے میں پہنچ جاتا تھا[1]۔ ہم اِس سعی جد وجہد کی ترقی زیادہ صفائی کے ساتھ گتسمنی میں دیکھتے ہیں۔ جہاں کہ دُکھ کی پہلی حالت میں وہ کہتا ہے "اے باپ اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھسے دور کر دے" (لوقا ۲۲: ۴۲) لیکن آخر میں وہ بڑے اطمینان کے ساتھ یہ کہہ سکا۔ "اے میرے باپ اگر میرے پینے کے بغیر یہ پیالہ مجھ سے نہیں گذر سکتا تو تیری مرضی ہو" (متی ۲۶: ۴۲)۔

یہی کاملیت تھی جو اس نے دُکھ کے ذریعہ حاصل کی۔ یہ کاملیت اِس بات میں ہے کہ خدا کی مرضی کا کامل ادراک کرے اور اُس سے اتفاق مطلق حاصل کرے۔ ہماری کاملیت بھی اِسی امر میں ہے اور دُکھ اور تکلیف اُسکے حصول کے بڑے وسائل ہیں۔ ہم میں سے بہت ایسے ہیں جو خدا کی مرضی کی کچھ بہت پروا نہ کرتے۔ اگر

---

[1] اُسکی الٰہی طبیعت اُسکے لئے روح کی جگہ نہ تھی جیسا کہ بعض کا یقین ہے کہ وہ کام جو وہ کرتا تھا بلا واسطہ اُسکی اِس طبیعت سے سرزد ہوتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ کامل انسان تھا اُس کا نفس ناطقہ جیسا کہ ہم میں ویسا ہی اُس میں بھی اُسکے تمام اخلاقی افعال کا بلا توسّل اصل اور بنیاد تھا۔ اِسلئے اپنی روح کے اِن ملکات اور قواے کی ترقی و استعمال میں اُسکو اور آدمیوں کے طور پر ترقی کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ وہ گناہ کے سوا اور سب باتوں میں ہماری مانند بنا تھا۔ اِن قواے کی زیادتی وسعت اور استعمال کے لئے توفیق میں بھی ترقی کرنے کی ضرورت تھی جو اُسے ہمیشہ روح قدس کے وسیلے حاصل ہوتی رہتی تھی۔ اور دن

پہلے اُن کو معلوم نہ ہو جاتا کہ وہ ہماری مرضی کے بالکل برعکس ہے۔ ہم اُس پر تعجب سے نگاہ کرتے اور اُس سے سرکشی کرتے تھے لیکن جب ہم نے مسیح کی طرح یہ کہنا سیکھا کہ "میری مرضی نہیں بلکہ تیری مرضی ہو" (لوقا ۲۲: ۴۲) تو ہم نے دریافت کر لیا کہ حقیقی زندگی کا یہی راز ہے۔ اور تب وہ اطمینان جو سمجھ سے باہر ہے ہماری جان کو حاصل ہوا۔ کم سے کم سب نے دوسرے اشخاص کی زندگی میں اس حالت کو ضرور ملاحظہ کیا ہوگا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہم میں سے بعض کے حافظہ میں سب سے قیمتی یادکسی مصیبت زدہ لڑکے یا لڑکی کی ہوگی جن کی صورت رضائے الٰہی کی اطاعت سے حسین و خوشنما نظر آتی تھی۔ شاید اُن کے دلوں میں کبھی جدوجہد یا کشمکش ہوئی ہو۔ لیکن اب وہ سب ختم ہو چکی تھی۔ کیونکہ اب اُنہوں نے رضائے الٰہی کو قبول کر لیا تھا نہ صرف اطاعت کے ساتھ بلکہ پاک خوشی سے۔ جس نے اُنکی تمام ہستی کو جلالی کر دیا۔ اور جب ہم نے اُس پاک اور صابر صورت کو تکیہ پر سر رکھے دیکھا ہوگا تو ہم نے دل میں محسوس کیا ہوگا کہ یہاں ایک شخص ہے جس نے اپنے کو خدا کے حوالہ کر دینے سے کامل فتح حاصل کر لی ہے اور اُسوقت اقرار کیا ہوگا کہ ہماری زندگی اپنے تمام اشغال کی بے چینی اور زور و شور کے باوجود خدا یا انسان کے نزدیک بہت کم قیمت رکھتی ہے بہ نسبت اُس شخص کی زندگی کے جو بے حس و حرکت بستر مرض پر لیٹا ہوا ہے۔ انگلستان کا مشہور شاعر ملٹن اپنی نابینائی پر افسوس کرتے ہوئے آخرکار اپنے دل کو اِس خیال سے تسلی دیتا ہے کہ گو وہ اب خدا کی بہت خدمت کرنے کے قابل نہیں رہا تاہم خدا کے نزدیک

"وہ بھی خدمت میں لگے ہیں جو کھڑے ہیں منتظر۔"

(۴) مقدس پولس رسول اپنی تحریرات کے ایک نہایت ہی پُر راز فقرے میں اُس سبق کا ذکر کرتا ہے جو اُس نے مصیبت سے حاصل کیا۔ وہ (۲ قرنتھیوں ۱: ۳، ۴) لکھتا ہے کہ "مبارک ہے وہ خدا جو ہمارے خداوند یسوع مسیح کا باپ اور رحمتوں کا بانی اور ساری تسلی کا خدا ہے۔ وہی ہماری ہر ایک مصیبت میں ہم کو تسلی دیتا ہے تاکہ ہم اُسی تسلی کے سبب جو ہمیں خدا سے ملتی ہے اُنکو بھی جو کسی طرح کی مصیبت میں ہیں تسلی دے سکیں"۔ وہ خوش تھا کہ اُسکو تکلیف پہنچی کیونکہ اِس سے اُس نے سیکھ لیا کہ مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ کسطرح برتاؤ کرنا چاہئے۔ یہ خیال اُس عالی حوصلہ شخص کو کیسا شایاں ہے اور کیسا سچا ہے مصیبت اُٹھانیسے اَوروں کو تسلی دینے کی قدرت ملتی ہے۔ فی الحقیقت اِس فن کو سیکھنے کا اَور کوئی طریق نہیں۔ جو آدمی مصیبت میں غرق ہو۔ اُسکے لئے دل درست آدمی کے الفاظ جو کبھی مصیبت کی آگ میں نہیں پڑا اور اُن لوگوں کی ملائم گرفت اور ہمدردانہ آوازوں میں جو خود تکلیف اُٹھا چکے ہیں آسمان زمین کا فرق ہے۔ اسلئے اُن لوگوں کو جو مفارقت یا دُکھ کی بھٹی میں ہیں چاہئے کہ اِس امر اِس خیال کو اپنے دل میں جگہ دیں کہ شاید یہ رنج و تکلیف مجکو اِس غرض سے ملی ہو کہ میں اِسکے ذریعہ سے تسلی دینے والے کے پاک عہدے کے لئے تیار ہوؤں یسوع نے بھی یہ فن اِسی طرح حاصل کیا۔ اور ہر زمانے میں امتحان و آزمائش کے گرفتار اعتماد کے ساتھ اُسکے پاس آتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ خود اِس قسم کے تجربے کے تمام کُنج گوشے کو دیکھ بھال چکا ہے۔ کیونکہ ہمارا ایسا سردار کاہن نہیں جو ہماری سستیوں میں ہمدرد نہ ہو سکے۔ بلکہ ویسا جو ساری باتوں میں ہماری مانند آزمایا گیا پر اُس نے

گناہ نہ کیا (عبر ۴: ۱۵)۔

(۳) مسیح کے دکھوں کے نتائج اُس کی نجات کے کام کے ساتھ بھی بہت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اُس نے خود اِس امر کو پہلے سے دیکھ لیا اور اکثر اُن کا تذکرہ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے (یوحنا ۱۲: ۲۴) فرمایا کہ گیہوں کا دانہ اگر زمین میں گر کے مر نہ جائے تو اکیلا رہتا ہے پر اگر وہ مرے تو بہت سا پھل لاتا ہے"۔ اور (یوحنا ۱۲: ۳۲) "میں جو ہوں اگر زمین سے اوپر اُٹھایا جاؤں تو سب کو اپنے پاس کھینچونگا"۔ (یوحنا ۳: ۱۴) "جسطرح موسےٰ نے سانپ کو بیابان میں بلندی پر رکھا۔ اسی طرح سے ضرور ہے کہ ابن آدم بھی اُٹھایا جائے تا کہ جو کوئی اُسپر ایمان لائے ہلاک نہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے"۔

جب وہ مرا تو معلوم ہوتا تھا کہ اُسکے کام کا بھی اُسکے ساتھ خاتمہ ہوگیا۔ اُسکے پیرؤوں میں سے ایک شخص بھی اُس سے لگا نہیں رہا۔ لیکن جب یہ گرہن دور ہوگیا اور وہ قبر سے نکل آیا تو اُسکے شاگردوں نے دریافت کرلیا کہ اب جو کچھ وہ اُسکی نسبت گمان کرتے تھے وہ اُس سے سیکڑوں گنا بڑھ کر ہے۔ اور یہ نیا جلال جس میں وہ اب چمکتا تھا دکھ اُٹھانیوالے منجی کا جلال تھا۔

ہر زمانے میں اُسکے دکھ لوگوں کو اُسکی طرف کھینچتے رہے ہیں۔ کیونکہ اُنسے بیکراں کی ناپیدا کنار محبت اُس کی کمال ناخودغرضی اور مرتے دم تک سچائی اور اصولوں سے وفاداری ثابت ہوتی ہے۔

لیکن اُسکے دکھ خدا کے نزدیک بھی قدرت والے ہیں۔ "وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے۔ فقط ہمارے گناہوں کا نہیں بلکہ تمام دنیا کے گناہوں کا بھی (۱ یوحنا ۲: ۲)

چونکہ وہ مرا ہمارا مرنا ضرور نہیں - خدا نے گناہوں کی معافی اُس کے ہاتھ میں کی ہے تاکہ اُن سب کو جو اُسے قبول کرتے ہیں مفت عطا کرے - چونکہ اُس نے اپنے کو پست کیا اِسلئے "خدا ہی نے اُسے بہت سرفراز کیا" (فلپیوں ۲ : ۹) وہ اب بادشاہ اُور منجی ہو کر القادر کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے اور عالم غیب اور موت کی کُنجیاں اُس کے پاس ہیں ؞

۱۱

مسیح کا نمونہ حب انسانی میں

متی ۴ : ۲۳ و ۲۴
〃 ۸ : ۱۶ و ۱۷
〃 ۹ : ۳۵ و ۳۶
〃 ۱۰ : ۱ و ۸
〃 ۱۱ : ۴ و ۵
〃 ۱۴ : ۱۳ و ۱۴ و ۳۶
〃 ۱۵ : ۳۰-۳۲
〃 ۱۹ : ۲۱
〃 ۲۱ : ۱۴
〃 ۲۵ : ۳۴-۴۰
〃 ۲۶ : ۸-۱۱

مرقس ۶ : ۵۴-۵۶
〃 ۱۰ : ۲۱

لوقا ۱۰ : ۱۲-۱۷

یوحنا ۱۳ : ۲۹

گیارھواں باب
مسیح کا نمونہ حبِّ انسانی میں

مسیح کی نسبت محب یا ہمدرد انسان کا نام استعمال کرنا شاید بہت ہلکا معلوم ہو۔ کیونکہ یہ لفظ زیادہ تر ایسے اشخاص کی نسبت مروج ہے جو انسان کی جسمانی یا دنیاوی ضروریات اور بہتری کے لئے فکر کرتے ہیں۔ مگر جب ہم اِس نام کے لفظی معنوں پر غور کرتے ہیں تو ایسا نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ انسانی محبت اور ہمدردی میں وہ تمام اشیا شامل ہیں جو انسان سے متعلق ہیں خواہ وہ روحانی ہوں خواہ جسمانی +

اِنہیں وسیع معنوں میں یہ لفظ خدا کی نسبت بھی استعمال کیا گیا ہے چنانچہ طیطس کے نام کے خط (۳: ۴-۶) میں یوں لکھا ہے۔ جس کا لفظی ترجمہ اِس طور پر ہو سکتا ہے کہ "پر جب ہمارے بچانے والے خدا کی مہربانی اور حبِ انسانی ظاہر ہوئی اس نے ہم کو راستبازی کے کاموں سے نہیں جو ہم نے کئے بلکہ اپنی رحمت کے مطابق نئے جنم کے غسل اور روح القدس کے سر نو بنانے کے سبب بچایا۔ جسے اس نے ہمارے بچانے والے یسوع مسیح کی معرفت ہم پر بہتایت سے ڈالا"۔ اِس سے یہ ظاہر ہے کہ حب انسانی سے مراد ہے نہ خدا کی مہربانی جو وہ انسانوں کے جسم پر کرتا ہے بلکہ اُس کا فضل جو اُنکی

روحوں پر ہے۔ کیونکہ وہ محبت نوزادگی کے غسل اور روح القدس کے ذریعہ نیا کئے جانے میں ظاہر ہوئے۔

مسیح کی حب انسانی بھی ابتداءً اِسی صورت میں ظاہر ہوئی۔ اور اُسکے تمام کام اور تکالیف کا مقصد بھی یہی تھا کہ آدمیوں کی روحونکو نجات بخشی۔ باقی اُن کی جسمانی حاجتوں کا پورا کرنا اور بیماریوں سے شفا دینا دوسرے درجہ پر تھا۔ اور یہ بات ہی سمجھ میں آسکتی ہے کہ کیوں اُس کام کو جو روح کے لئے کیا جاتا ہے اُس کام کی طرح جو انسانی جسم کے لئے ہے حب انسانی نہ شمار کیا جاوے۔ مسیحیوں کے خیال کے مطابق تو یہ سب سے بڑی مہربانی کا نشان ہے۔ اور کوئی شخص اِس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اکثر اُسکے ساتھ دور دست اور دیرپا دنیاوی فوائد بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ جہاں کہیں مشنوں کے ذریعہ سے انجیل کی منادی ہوئی ہے وہاں انجیل کی کامیابی میں انسانوں کی روحوں کی نجات کے ساتھ عموماً یہ بات بھی ضرور شامل ہوتی ہے کہ بیرحمی۔ افلاس۔ اور جہالت کے تودوں کے تودے بھی صاف اور رفع دفع ہو جاتے ہیں۔

لیکن اگر دنیاوی حالت کی ترقی اور بہبودی ہی کو حب انسانی کے معزز نام سے موسوم کیا جاوے اور اُسکو روحانی مقاصد سے بالکل جدا کر دیا جاوے تو البتہ اُس صورت میں محب انسان کا نام یسوع کو نہیں دیا جانا چاہئے۔ اُس نے انسان کی جسمانی ضروریات کا بھی بہت کچھ لحاظ کیا مگر یہ ہمیشہ روح کی اعلےٰ ضروریات سے دوسرے درجہ پر تھا۔ اُسکی محبت انسان کے ساتھ اُسکی مجموعی حیثیت کے لحاظ سے تھی یعنی جسم اور روح دونوں کے ساتھ۔ اُسکی حب الٰہی اور حب انسانی دو جدا جدا جذبے

نہیں بلکہ ایک ہی تھے۔ وہ انسان سے محبت کرتا تھا۔ اسلئے کہ اُس میں اُس کو خدا نظر آتا تھا۔ یعنی خدا کی صنعت۔ خدا کی صورت۔ خدا کی محبت کا مورد۔ اور یہی بات ہمیشہ طاقتور حبِ انسانی کی محرک قوت ہونی چاہئے۔ کہ وہ خدا کو انسان میں دیکھے۔ یا مسیحیوں کی زبان میں یوں کہو کہ مسیح کو انسان میں دیکھے۔ خود مسیح کے یہ الفاظ ہیں کہ "جب تم نے ان چھوٹوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو خود میرے ساتھ کیا"۔ جب میں کسی انسان کے جسم کو چھوتا ہوں تو میں اُس چیز کو چھوتا ہوں جو روح قدس کی ہیکل ہونے کیلئے مخلوق کیگئی تھی۔ عاجز سے عاجز۔ بلکہ گنہگار سے گنہگار انسان میں بھی ہمکو ایک ایسا شخص نظر آتا ہے جسکو خدا محبت کرتا ہے۔ جسکے لئے مسیح نے اپنی جان دی۔ اور جو مسیح کے جلال کا وارث بن سکتا ہے۔ یہی یقین و اعتقاد کے گہرے چشمے ہیں جن سے مضبوط حبِ انسانی سیرابی و پرورش پاتی ہے ٭

۲

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عملی حبِ انسانی ہمیشہ اُن اشخاص کا جو دینداری اور خداشناسی کے دعویدار ہیں خاصہ رہی ہے۔ خود مسیح نے بھی نیک سامری کی تمثیل میں اس امر کا اشارتاً ذکر کیا ہے۔ کاہن اور لاوی بیچارے زخمی اور مصیبت زدہ مسافر کے پاس سے گذر گئے۔ اور انسانی محبت اور ہمدردی کا دودھ صرف ایک عامی اور دنیادار آدمی میں پایا گیا۔ تاریخ اس تمثیل کے ثبوت میں بیشمار مثالیں پیش کرتی ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک غیر تربیت یافتہ آدمی ایک بدی کو پہچان لیتا اور اُسکو افشا کر دیتا۔ اور ایک بے دین کا ہاتھ کسی تکلیف اور دُکھ کے دفعیہ کے لئے مدد کو اُٹھ جاتا ہے۔ جبکہ

وہ لوگ جو اپنے عہدے کے لحاظ سے اِس قسم کی خدمات پر مقرر ہیں خاموش اور بے پروا بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر بعض وقت ایسا خیال گذرنے لگتا ہے کہ گویا خدا کے ساتھ نہایت عمیق ہمدردی پیدا ہونے سے انسانی ہمدردی برباد ہو جاتی ہے۔ مگر یسوع کا سب سے بڑا کام یہ تھا۔ کہ اُس نے مذہب اور اخلاق میں اتحاد و اتفاق کر دیا۔ وہ کبھی اِس بات کو روا نہیں رکھتا تھا کہ کوئی شخص خدا کے لئے غیرتمند ہونے کے بہانہ سے انسان کی طرف سے غفلت و بے پروائی کرے۔ بلکہ ہمیشہ یہ تعلیم دیتا تھا کہ صرف وہی شخص خدا کو سچ مچ پیار کرتا ہے جو اپنے بھائی سے بھی محبت رکھتا ہے ۔

زمانہ حال میں ہم دیکھتے ہیں کہ اِن چیزوں کو جنہیں اُس نے اکٹھا جمع کیا ایک دوسری جانب سے جدا جدا کیا جاتا ہے۔ ہمارے زمانے کی نادرات میں سے ایک یہ بات ہے کہ لوگوں میں ایک ملحدانہ حب انسانی کا رواج دیکھا جاتا ہے۔ ایسے لوگ ہیں جو نہ خدا پر نہ الہی انسان پر۔ نہ روحانی اور ابدی عالم پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر تو بھی دوسرں کے لیئے اپنی جان قربان کرنے کو جامع اخلاق سمجھتے ہیں۔ وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ یسوع ہی تھا جس نے اُن کے اِس اعلےٰ خیال کو عالم میں رواج دیا۔ اور اُسی کی سند پر یہ خیال بنی انسان کے اعتقادیات میں جاگزین ہوا۔ گر وہ یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ اب وہ اُس کی مدد کا محتاج نہیں۔ اِسلیئے وہ ہمکو یہ ہدایت کرتے ہیں کہ ہم انسان کو پیار کریں مسیح کی خاطر سے نہیں بلکہ خود انسان ہی کی خاطر سے۔ اُن کا خیال ہے کہ خود انسان ہی میں۔ خدا سے الگ۔ ایسی باتیں ہیں جن سے اُس کی بہتری کے لیئے متواتر زندگی بھر کی سعی و کوشش کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور اُسکی زندگی کی کوتاہی

میں جو اُنکے نزدیک موت کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے وہ ایک دردناک تحریک پاتے ہیں کہ اُسکی بہتری کے لئے فی الفور کوشش کیجاوے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ابھی اِسکا موقع ہے اور یہ موقعہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئیگا ✦

جہاں تک کسی شخص کے دل میں اِن تحریکوں کے ذریعہ سے خود انکاری کی زندگی اختیار کرنے اور افلاس ، جرائم کے عقدوں کو حل کرنے کی ترغیب پیدا ہو۔ مسیحی بلا تامل اُنکو ایّدک اللہ تعالیٰ (خدا تمہاری مدد کرے) کہہ سکتی ہیں۔ یہ ایک بڑی وسیع دنیا ہے اِس میں ہر ایک شخص کے عمل و تجربہ کے لئے کافی جگہ ہے۔ یہ ایک ایسی خوفناک اور مصیبت بھری دنیا ہے کہ کسی شخص کو جو۔ خواہ کسی مقصد سے ہی کیوں نہو اُسکی امداد کے لئے ہاتھ بڑھانے پر مائل ہے روکنے کی کچھ حاجت نہیں۔ بلکہ ہمکو اُن کے درمیان بعض ایسے شخص بھی نظر آتے ہیں جو فی الحقیقت مسیح کے ساتھ ہیں گو کہ وہ اپنے مُنہ سے اپنے کو اُسکا مخالف ظاہر کرتے ہیں۔ مگر جہاں کہیں یہ مخالفت بنیادی اور واضح طور پر ہے۔ وہاں نہ تو ازروے عقل کے نہ مقدمے کے واقعات پر لحاظ کرکے اِس قسم کی تحریک سے کسی بڑی بہتری کی امید ہو سکتی ہے ✦

اِس میں کچھ شک نہیں کہ انسان کے دل میں فطرتاً بنی نوع کے لئے محبت پائی جاتی ہے۔ جو اگر موافق ہوا سے بھڑکائی جاوے تو کبھی کبھی عجیب عجیب کرشمے کھلاتی ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کی مہربانی و محبت جو کسی مذہب کے مقر نہیں بعض اوقات خود مسیحیوں کو بھی شرم دلاتی ہے۔ مگر برخلاف اِسکے وہ قوت جس پر حب انسانی رکھنے والے دل کو غالب آنا ہے صفحہ قدرت میں سب سے طاقتور قوتوں میں سے ہے۔ یہ خودغرضی کی قوت

ہے۔ یعنے وہ مضبوط اور عالمگیر طبعی خواہش جس سے انسان فقط اپنی ہی خوشی اور فائدہ ڈھونڈتا ہے بلالحاظ اِس امر کے کہ اِس سے دوسروں کا کیا حال ہوگا۔ وہ خواہش جس سے طاقتور لوگ کمزوروں پر اختیار جتاتے اور کثیر التعداد قلیل التعداد پر جبر و ظلم کرتے ہیں۔ یہ قوت ہر ایک انسان کے سینے میں پائی جاتی ہے۔ وہ جماعات اور افراد پر یکساں محیط ہے۔ یہ دستورات اور قوانین میں منضبط ہو رہی ہے۔ یہی ہر ایک زمانے میں نئی نئی قسم کی بُرائیاں ایجاد کرتی ہے۔ اور شاید بہت لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ یہی قوت تمام دنیا پر حکمران ہے۔ یہی قوت ہے جس پر حب انسانی کو غلبہ پانا ہے۔ اور یہ بہ آسانی مطیع ہونے والی چیز نہیں ہے۔ اِس پر غلبہ پانے کے لئے ایک ایسی تبدیلی کی ضرورت ہے جو صرف خدا ہی اپنی فطرت کو جو محبت ہے ہم میں ڈالنے سے پیدا کر سکتا ہے +

مسیح کی تعلیم میں انسان خدا کے ساتھ تعلق رکھنے اور اپنی غیر فانی زندگی کے باعث ایسا عالی رتبہ ہو گیا ہے کہ ہر ایک شخص جو فی الحقیقت اِس عقیدے پر ایمان رکھتا ہے اگر اپنے بھائی کے ساتھ بدسلوکی کرے تو خود اپنے تئیں مجرم سمجھنے لگتا ہے۔ لیکن انسان سے وہ تمام عظمت اور حریت جس سے مسیحیت اُسے ملبّس کرتی ہے اُتار لو جیسا کہ ناستک لوگ کرتے ہیں۔ اور اِس یقین کو ترک کر دو کہ وہ خدا سے نکلا ہے۔ اور کہ وہ اپنے سے اعلےٰ ہستیوں سے رشتہ رکھتا ہے جو اُسکی خبرداری کرتی ہیں۔ اور کہ اُسکی روح لامحدود لیاقت و قابلیت رکھتی ہے۔ اِسلئے کہ ایک لامتناہی ترقی و نشو و نما اُسکے سامنے ہے۔ ہاں اِس یقین کو ترک کر دو تو معلوم ہو جاوے گا کہ ہم اِس ادب

وعزت کو جس کے سبب سے اُسکی خبر گیری اور امداد ہم پر فرض ٹھیرتی ہے انسان کے حق میں کس قدر عرصے تک قائم رکھنا ممکن ہے۔ آدمی کی عمر کی کوتاہی۔ ناستک لوگوں کی موجودہ تعلیم کے مطابق۔ اُسکو فوری امداد کے لئے ایک قسم کا حق عطا کرتے ہیں۔ مگر کون جانتا ہے کہ ایک ایسی جماعت میں جو لامذہبی پر کاربند ہے یہی دلیل ایک مخالف اثر پیدا نہ کرے یعنے ایک خودغرض آدمی اس سے یہ نتیجہ نہ نکال لے کہ جو تکالیف ایسی جلدی ختم ہونے والی ہیں اُن کی پروا اور فکر کرنا لاحاصل ہے؟

اس ملحدانہ حب انسانی کا آغاز ملک فرانس کے مشہور انقلاب سلطنت کے ماقبل زمانہ میں ہوا۔ اُس زمانے کے دوراندیش لوگ امن و صلح اور برادرانہ محبت کے زمانے کی پیشین گوئی کر رہے تھے۔ جبکہ خودغرضی کے جذبات معدوم ہو جاوینگے اور آگے کو بےرحمی اور ظلم دنیا کو نہیں ستاوینگے۔ مگر جب اُنکی تعلیم اپنا کام پورا کر چکی تو اُسکے پھل اس انقلاب سلطنت میں ظاہر ہوئے۔ جس کی ناقابل بیان بیرحمیوں نے بنی انسان کو اپنی فطرت کی تاریک گہرائیوں میں نظر مارنے کا ایسا موقعہ دیا جسکو وہ کبھی فراموش نہیں کرینگے۔ اس امر کو یاد کرنا دردناک ہے کہ خود روسو بھی۔ جو اس نئے مذہب کا نہایت فصیح البیان اور بعض امور میں نہایت شریف النفس رسول تھا۔ حالانکہ لوگوں کے سامنے تو عالمگیر برادری کی منادی کرتا تھا اُسنے خود اپنی اولاد کو جوں جوں وہ پیدا ہوتی گئی یتیموں کے ہسپتال میں بھیج دیا تاکہ اُسکو اُنکی پرورش کا خرچ و تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ اس انقلاب نے بہت کچھ بربادی کی جس کا وقت آچکا تھا۔ مگر وہ ایک نہایت عظیم ثبوت اس امر

کا تھا کہ وہ محبت جو اِس کام کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے ایک بالائی قدرت کے ذریعے سے ملنی چاہئے ؀

ہم فی الحال سوسائٹی کی ایسی حالت میں رہتے ہیں جس میں اُن لوگوں میں بھی جنہوں نے مسیح کا نام لینا چھوڑ دیا ہے مسیحی خیال کی چنگاڑی سی ابھی باقی ہے۔ جسکے سبب سے کبھی کبھی نہایت خوبصورت شعلے ظاہر ہوتے ہیں۔ مگر جو لوگ فطرت انسانی سے واقف ہیں وہ ضرور اِس امر کا استفسار کریں گے کہ ناستک خیالات کے پیرو وہ روشنی اور حرارت کہاں سے لائینگے جسکے زور سے وہ مسیحی مذہب کے اٹھا دیئے جانے پر تاریک اور خود غرضانہ جذبات کے پُر زور حملوں کو روک سکینگے؟ اُن لوگوں میں بھی جو سمجھتے ہیں کہ ہم اِس سے بالکل خلاصی پا چکے ہیں مسیحی مذہب کا بقیہ ابھی تک باقی ہے۔ مگر یہ دیکھنا ابھی باقی ہے کہ اصلی منبع سے جدا کئے جانے پر حبّ انسانی کا یہ جوش کب تک رہیگا۔ ایک برف کی چادر کا پانی خشک ہو جانے کے بعد بھی جسپر وہ منجمد ہوئی تھی نالے کے کناروں سے چمٹے رہکر اپنی جگہ پر قائم رہنا ممکن ہے۔ مگر وہ دیر تک وہاں نہیں رہ سکتی اور نہ بہت بوجھ کی برداشت کر سکتی ہے۔ وہ واقعات جن کا حبّ انسانی کو سامنا کرنا پڑتا ہے نہایت غیر مرغوب ہیں۔ اور اپنے کو تکالیف سے بچانے اور دنیا کا حظ اٹھانے کی آزمائشیں زور آور اور دوامی ہیں۔ ابھی بہت عرصہ نہیں گذرا کہ لندن کے غربا کی آہ و نالہ کی صدا اِس قدر بلند ہوئی کہ وہاں کے دولتمندوں کو بھی مجبوراً اُس پر کان دھرنا پڑا۔ اِس سے اُنکے دلوں میں یہانتک تحریک پیدا ہوئی کہ بہت سے عورت مردوں نے اپنے عیش و عشرت کو چھوڑ کر غربا کی

امداد کے لیئے اُن کی تنگ و تاریک اور غلیظ جھونپڑوں میں جانا شروع کر دیا۔ مگر یہ بات بہت عرصہ تک نہ رہی۔ اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد غربا کی خبر گیری کا کام زیادہ تر مسیح کے عاجز پیروؤں کے ہاتھ میں جو پہلے ہی سے اس میں مشغول تھی چھوڑا گیا۔ اگر بخوبی تحقیقات و جستجو کی جائے تو میرے خیال میں یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ہمارے درمیان بہت تھوڑے قابل ذکر ہمدردئی انسانی کے انتظامات کارخانجات میں جو ٹوٹنے سے بچ رہینگے۔ اگر وہ لوگ جو نہ صرف انسان کی بلکہ اپنے منجی کی خاطر اُنکی امداد کرتے ہیں مدد دینا بند کر دیں ۔

۳

وہ صورتیں جن میں مسیح کی حبّ انسانی ظاہر ہوتی تھی خاصکر وہ ہیں۔ انہیں سے ایک غریبوں کو خیرات دینا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ اُسکی دائمی عادت تھی۔ یہانتک کہ جب پکڑوائے جانے کی رات کو اُس نے یہوداہ سے جسکے پاس تھیلی تھی یہ کہا کہ "جو تجھے کرنا ہے سو جلدی کر" تو باقی شاگردوں نے خیال کیا کہ اِس پیغام سے یہ مراد ہے کہ وہ کسی شخص کی جو مصیبت میں ہے جا کر مدد کرے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ تھیلی کس طرح بھری جاتی تھی۔ شاید یسوع نے اپنی آئندہ زندگی کا خیال کر کے بڑھئی کا کام کرنے کے زمانے میں جو کچھ جمع کیا تھا اس میں ڈالدیا ہو اور بارہ شاگردوں نے بھی شاید ایسا ہی کیا ہو اور پاک عورتیں بھی جو اُسکے ساتھ رہتی تھیں اُسکی مدد کرتی ہونگی۔ مگر ایسا خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہمیشہ بہت بھری رہتی تھی۔ بلکہ ہم گو اُسکے

خلاف شہادت ملتی ہے۔ جب یسوع خیرات دیتا تھا تو یہ ایک غریب غریبوں کو دیتا تھا۔ مگر اُسنے یہ عادت آخر تک برابر جاری رکھی۔

بہت سے نیک آدمی ہیں جنکو اِس قسم کی انسانی ہمدردی ایسی خوفناک معلوم ہوتی ہے کہ اُنھوں نے بالکل اِسکے خلاف اپنی راے ظاہر کی ہے۔ مگر یسوع کا نمونہ اِس کی تائید کرتا ہے۔ تاہم اِسمیں کچھ شک نہیں کہ اِس میں بہت کچھ احتیاط اور خبرداری کی ضرورت ہے۔ ایک ایسے گدا کو جس نے گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا ہو دینا بجاے فائدے کے نقصان کرنا ہے۔ اور ایسے شخص کی منت سماجت پر کان دھرنا خوبی کے بجاے ایک عیب شمار کیا جانا چاہئے۔ مگر ایسے غریب لوگ بھی ہیں جو امداد کے مستحق ہیں۔ ایسے لوگ اُن اشخاص کو جو اُنکے درمیان کام کرتے ہیں معلوم ہیں اور اگر دولتمند لوگ اِن اشخاص کو اپنی خیرات تقسیم کرنے کا بھی ذریعہ بنالیں تو فائدے سے خالی نہوگا۔ مگر ایسے لوگوں کو خود بخود ڈھونڈ لینا بھی کچھ مشکل نہیں بشرطیکہ ہم خود غربا کے مسکنوں میں جانے کی تکلیف گوارا کر سکیں۔ بہت لوگوں کے لئے تو غربا کے مسکن دنیا کے ایک نامعلوم حصے کی مانند ہیں۔ اگرچہ وہ اُنکے دروازوں کے سامنے ہی ہیں۔ مگر اُنکا دریافت کر لینا کچھ مشکل نہیں۔ ایک دفعہ محبت والے دل کیساتھ اُنمیں داخل ہو۔ اور پھر ترقی بالکل آسان ہے۔ تمکو اُن میں ایسے راستباز اشخاص

لے ووبز صاحب لکھتے ہیں "اخلاص میں تو کچھ قدسیت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ غریب لوگ کلیسیا کی قربانگاہ کے طور پر ہیں۔ جہاں نذریں چڑھائی جاتی ہیں۔ مگر گداگری میں کچھ بھی قدسیت نہیں ہے"

ملینگے جو بیماری یا عارضی بیکاری کے سبب محتاج ہو گئے ہیں اور جن کو تم مدد دے کر اُن کی مصیبت سے آزاد کر سکتے ہو۔ انمیں ایسی عمر رسیدہ لوگ بھی ملینگے جنہوں نے زندگی کی لڑائی مردانہ وار لڑی ہے۔ مگر اب زیادہ لڑائی کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور یقیناً ایسے لوگوں میں سے چند ایک کی اپنی فیاضی سے پرورش کروگے تو یقیناً تمہارے لئے عزت کی بات ہوگی۔ غریب سے غریب لوگوں کے درمیان ایسے لوگ ہیں جو خدا کے نزدیک اقتدار رکھتے ہیں۔ جو شاید زندگی کی آئندہ منزل میں ہمارے مربی بننے کے لائق سمجھے جاوینگے۔

مسیح کی حبِ انسانی کی دوسری صورت بیماری سے شفا دینا تھی۔ یہ دیکھ کر کہ وہ معجزے سے چنگا کرتا تھا۔ ہم طبعاً یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ یہ کام بآسانی کر سکتا تھا۔ مگر شاید اس میں ہمارے خیال کی نسبت اُسکو زیادہ جہد و سعی کرنی پڑتی تھی۔ ایک موقعہ پر جب ایک عورت اُسے چھو کر چنگی ہو گئی مگر نہیں چاہتی تھی کہ وہ اِس کو جانے تو بھی اُس کو معلوم ہو گیا۔ کیونکہ یہ لکھا ہے کہ اُس نے جانا کہ قوت اُس میں سے نکلی"۔ اور بھی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن معالجوں پر اُس کی جسمانی ہمدردی اور جذبِ دل کا خرچ ہوتا تھا اور اِسی امر سے مقدس متی کے اِس قول کا زور ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ "اُس نے خود ہماری کمزوریاں لے لیں اور ہماری بیماریاں اُٹھا لیں"۔ مگر خواہ کچھ ہی ہو معالجہ کا کام اُسکے نہایت دلپسند اور مرغوب طبع تھا۔ وہ کبھی ایسا خوش نہیں ہوتا تھا جیسا اُس بھیڑ میں جہاں ہر قسم کی جسمانی یا روحانی امراض کے گرفتار جمع ہوتے تھے اور جن کے درمیان وہ محبت

و مہربانی کے ساتھ پھرتے ہوئے کسی کو چھوکر شفا بخشتا۔ کسی کو کلام کی قدرت سے مضبوط کرتا اور سب کو مہربانی اور تسلی کی نظر سے خوش و خرم کرتا تھا۔ اس خوشی کی شعاعیں دور دور تک پہنچتی تھیں۔ جبکہ ایک باپ اپنے گھر کو واپس آتا تھا۔ گھر کے لوگوں پر بوجھ ہونے کے لئے نہیں۔ بلکہ اُن کے لئے روٹی کمانے کو۔ اور جب ایک بیٹا اپنے ماں باپ کے گھر آتا تھا۔ تردد و تشویش کا باعث ہونیکو نہیں بلکہ کنبے کا فخر ہونے کو۔ اور جب ایک ماں اپنے بال بچوں کے درمیان آتی اور اپنا کام دوبارہ اختیار کرتی جس سے بیماری کی وجہ سے علیحدہ ہوگئی تھی۔ ہاں ایسی حالتوں میں اُس خوشی کا دائرہ جو اُس نے اپنے شفا بخش ہاتھ سے پہنچائی کس قدر وسیع ہوجاتا ہوگا۔ سب سے عمدہ امداد جو غریب اور محتاج کو دیجا سکتی ہے وہ ہے جو اُنہیں اپنی مدد آپ کرنے کے قابل بنائے۔ اور اسی قسم کی مدد تھی جو یسوع اپنے معجزوں کے ذریعے سے دیتا تھا۔ البتہ ہم کو معجزہ کرنے کی طاقت تو حاصل نہیں ہے۔ مگر اُسکی جگہ ہم کو اور قوتیں حاصل ہیں جن سے ہم ویسا ہی کام لے سکتے ہیں اور جو ایسے عجیب کام کرنے کی قابلیت رکھتی ہیں جو اُن کاموں سے جو اُسکے زمانے میں محض طبیعی ذریعوں سے کئے جانے ممکن تھے۔ اسقدر بڑھ کر ہیں جیسے اُسکے معجزے ہمارے کاموں سے۔

مثلاً ہمارے پاس علم و فن کی قوت ہے۔ شائد حب انسانی کی کوئی صورت اسقدر یادہ مسیح کے خیال کی مانند نہیں ہے جس قدر وہ جس سے غریب اور جاہل شخص کے لئے بھی اوّل درجہ کا طبّی علاج مہیا ہوسکتا ہے۔ ہمارے غریب خانے اور ہسپتال مسیح کے شفا بخش کاموں کو جاری رکھتے ہیں۔ مڈیکل مشنری غیر ممالک میں جا کر وہ کام کرتے ہیں جو بالکل اُس

کام کے مطابق معلوم ہوتا ہے جسکے ساتھ اُسنے اپنے شاگردوں کو منادی کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ کلیسیا نے اب تعلیم یافتہ بیمار دار عورتوں کو شفا کی کام میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور ملک کے ہر ایک حصے میں ایسے طبیب موجود ہیں جو غریب سے غریب شخص کے واسطے بھی جہانتک اُنکے فن کے اختیار میں ہے سعی و کوشش کرتے ہیں۔ اُس کام کے لئے وہ اُنسے کچھ بھی معاوضہ نہیں لیتے مگر توبھی وہ زیادہ اندرونی خوشی سے اس محبت کو گوارا کرتے ہیں بہ نسبت اُس کے جو انکو ایسے بیماروں کی معالجہ سے جو نہیں روپیہ دیتے حاصل ہوتی۔ اور یہ کام وہ صرف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ اُنکو یقین ہے کہ غریبوں کا علاج کرنے میں وہ مسیح کی جسکے وہ اعضا ہیں خدمت کرتے ہیں ؛

پھر سیاست ملک کی طاقت ہے۔ اس پر ابتدائی زمانہ کے مسیحیوں کو کچھ اختیار نہ تھا۔ کیونکہ حکومت میں اُنکو کچھ دخل نہ تھا۔ مگر یہ طاقت اب ہم سب کے ہاتھ میں ہے یہاں تک کہ ہمارے ملک میں پبلک اوپینین کا زور اسقدر بڑھتا جاتا ہے۔ کہ گورنمنٹ ہر معاملے میں حتی الامکان عوام کی راے کو معلوم کرنے اور اُسپر کاربند ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ ولبر فورس اور شفٹسبری کے کام سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدی اور دکھ کے دفعیہ کے

---

[1] حب انسانی سب زمانوں میں بنی انسان پر فرض ہے۔ لیکن اگر ہم حب انسانی کے خاص طریقوں پر جو مسیح نے اپنے پیروؤں کو بتلائے غور کریں تو ہمکو معلوم ہوگا کہ وہ اُس زمانے کی خاص ضروریات کے لحاظ سے مقرر کئے گئے تھے۔ اسی محبت کی روح جس نے اُنکو تجویز کیا تھا۔ اُنہیں مسائل پر اِس زمانے میں غور و فکر کرکے اُنہیں بالکل ناکافی پاویگی۔ کوئی شخص جو اپنے ہم جنسوں کو پیار کرتا ہے اسی امر پر قناعت نہیں کریگا کہ مصیبت زدہ آدمیوں کی نوکر کی طرح خدمت کرے۔ جب کہ بہت سی صورتوں میں یہ ممکن ہے کہ اُن مصیبتوں کا پہلے ہی

لئے اِس طاقت کو کس طرح کام میں لاسکتے ہیں۔ اِسکے ذریعہ سے ہم چشمہ کے منبع پر جاکر بہت سی بڑی بڑی بدیوں کو اُن کے نکاس پر ہی روک سکتے ہیں۔ مسیحی لوگ ابھی سیکھنے لگے ہیں کہ اِس کا استعمال کسطرح سے کرنا چاہئے۔ بعض تو ابھی تک اُسکو چھونے سے بھی ڈرتے ہیں گویا کہ وہ کوئی ناپاک چیز ہے۔ مگر اب وہ یہ جانکر اُسکی قدر کرینگے کہ نیکی کرنے کے لئے یہ ایک نہایت طاقتور اوزار ہے جو تقدیر نے اُن کے ہاتھ میں دیا ہے۔ ہم ہمیشہ ایسی حب انسانی پر قانع نہیں رہ سکتے جو اُن مظلوموں کی جو ظلم کی چرخی پر سے شکستہ و خستہ ہو کر گرتے ہیں خبرگیری کرتی ہے بلکہ ہمیں خود اُس چرخی کو بند کر دینا چاہئے۔

سے خیال کرکے اُن کو ضرر رسانی سے پہلے رفع دفع کیا جاوے۔ مرض کی روک علاج سے بہتر ہے۔ اور اب یہ سب پر روشن ہے کہ انسانی مصائب کا بہت سا حصہ تمدنی انتظامات کی اصلاح و درستی سے روکا جاسکتا ہے۔ انسان کے بہی خواہوں کو اگر اُنکی محبت سچی ہے۔ چاہئے کہ اِس مقصد کو زیادہ عظیم۔ زیادہ وسیع۔ اور مستقل طور پر فائدہ مند اور اِس وجہ سے اور باتوں کی نسبت زیادہ تر مسیحیوں کی کوشش کے لائق سمجھ کر اپنی مدنظر رکھیں۔ البتہ اِس کے ساتھ اُنہیں اُس سے ادنےٰ کام کو یعنے اُن لوگوں کی مدد و تسلی کرنے کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ جو خواہ غلطی سے خواہ سوسائٹی کے ناقص دستورات کے سبب خواہ ایسے اسباب کی وجہ سے جو روکی جا نہیں سکتی۔ مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔ مگر جب وہ یہ سب کچھ کر چکینگے جسکی عہد جدید میں ہدایت ہے تو وہ دیکھینگے کہ اُنکے کام کا ابھی آدھا بھی پورا نہیں ہوا۔ جب ایک بیمار آدمی کی حالت کو دریافت کرکے اُسکے علاج و آسایش کا سب کچھ انتظام ہو چکے تو بھی زمانہ حال کا ہمدرد انسان یہیں بس نہیں کرے گا بلکہ اِسکے علاوہ وہ اُس کی بیماری کی وجوہات کو بھی دریافت کرے گا کہ کونسا بڑا مُہلک

یہ قوتیں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا صرف اُن قوتوں میں سے بطور مشتے نمونہ از خروارے ہیں جن سے مسیحی حبِّ انسانی اپنے کو مسلح کر رہی ہے۔ اور رفتہ رفتہ مسیح کا یہ عجیب کلام پایۂ ثبوت کو پہنچ رہا ہے۔ کہ "میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے جو کام میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا۔ اور اس سے بھی بڑے بڑے کام کریگا۔ کیونکہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں "۔

۴

اس سے بڑھ کر کوئی امر زیادہ تحقیق نہیں کہ ہمارے خداوند نے اپنے کام کا یہ حصہ بھی اپنے پیرووں کے لئے بطور نمونہ کے چھوڑا ہے۔ مشترکہ تھیلی میں سے خیرات تقسیم کرنے سے اُنے بارہ شاگردوں کو بھی اس کام میں اپنے ساتھ شریک کر لیا۔

اثر اُس کی زندگی کے درپے ہے۔ کونسے توانین قدرت کو اُس نے اپنی خوراک یا عادات میں توڑا ہے جس سے یہ مصیبت اُس پر پڑی۔ اور تب وہ اس امر کی جستجو کرے گا کہ آیا اور لوگ بھی انہیں اسباب سے معرضِ خطر میں ہیں اور پھر اس امر کی فکر کرے گا کہ اُن کو کس طرح اس سے خبردار کرنا چاہئے۔ جب ایک فاقہ کش محتاج کی حاجت روائی ہو چکے تو زمانہ حال کا کریم النفس شخص اس امر کی تحقیقات کریگا کہ آیا تمدنی انتظام کے کسی نقص کے سبب وہ قدرت کے فیض میں سے اپنا حصہ لینے سے محروم رکھا گیا ہے۔ یا یہ کہ مضبوط شخص کمزوروں پر کسی طرح جبر کر کے اُن کی حق تلفی کر رہے ہیں یا خود اُسی شخص میں ناشائستگی یا ناتربیت پذیری کا کوئی نقص ہے جس سے وہ کفایت شعاری کے وصف و عادت سے بے پروائی کر رہا ہے۔ (از اکسی ہومو)

بلکہ وہ تھیلی بھی انمیں سے ایک کے سپرد کر رکھی تھی۔ ایک شخص کو جو اسکے پیروؤں کی جماعت میں شریک ہونا چاہتا تھا اُس نے فرمایا کہ "جا اور جو کچھ تیرا ہے بیچ اور غریبوں کو تقسیم کر تو تو آسمان پر خزانہ پاوے گا۔ اور آ اور میرے پیچھے ہولے"۔ اور صورتوں میں بھی اُس نے شاگرد بننے کے لئے یہی شرط پیش کی ہوگی۔ اُس نے سعایجے کے کام میں بھی بارھونکو اپنے ساتھ شریک کیا۔ اور جب اُس نے انکو باہر بھیجا تو فرمایا کہ "بیماروں کو چنگا کرو۔ کوڑھیوں کو صاف کرو۔ مُردوں کو جلاؤ۔ دیوؤں کو نکالو۔ تم نے مفت پایا مفت دو"۔

مگر ان سب میں زیادہ دلنشیں ثبوت آخری عدالت کے اُس ہولناک بیان میں ملتا ہے جہانکہ بادشاہ اپنے دائیں ہاتھ والوں سے فرماتا ہے "اے میرے باپ کے مبارک لوگو۔ اُس بادشاہت کو جو دنیا کی بنیاد ڈالتے ہی تمہارے لئے تیار کی گئی میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکھا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اُتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے"۔ مگر بائیں طرف والوں سے کہتا ہے۔ کہ "اے ملعونو میرے سامنے سے اُس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ۔ جو شیطان اور اُسکے فرشتوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ کیونکہ میں بھوکھا تھا پر تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں نہ اُتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی"۔

کیا ایسے بہت سے مسیحی ہیں جو اِس امر کو متحقق کرتے ہیں کہ یہی پیمانہ ہے جسکے مطابق آخری عدالت میں اُنکی مسیحیت کا امتحان ہوگا؟ کیا مسیحی ممالک کے لوگوں کے عادات ہمارے خداوند کی اِس نہایت صاف و صریح تعلیم سے مطابقت رکھتے ہیں؟ درحقیقت چند ایسے اشخاص ہیں جو اِس راستے میں اُس کی پیروی کرتے ہیں اور اگرچہ یہ خود انکاری کا راستہ ہے وہ اِسکو پھولوں سے بچھا پاتے ہیں۔ کیونکہ بدبختوں کے گھروں کے راستہ پر وہ مسیح کے قدموں کے نشان پاتے۔ اور نحیف اور دردکش لوگوں کے بدن کو ہاتھ لگانے میں اُنکی انگلیاں اُسکے ہاتھوں اور پہلو کو چھوتی ہیں۔ اِس طور سے جب وہ اپنی زندگی کو کھوتے ہیں تو اُسے پاتے ہیں۔ مگر کیا عام طور پر ہر ایک مسیحی کا یہی طور و عادت ہے؟ کیا اُسکے پاؤں اندھے اور اپاہج اور بے یار و مددگار اشخاص کے گھروں کی راہ سے واقف ہیں؟ ایک دن آتا ہے جب ہم میں سے بہت یہ چاہینگے کہ کاش ہر ایک پیسہ جو اُنہوں نے غریب کو دیا اشرفی ہوتا! اُس دن وہ لوگ جو مسکین اور بیمار کی مدد کے لئے ہم سے روپیہ مانگتے ہیں جنکے اصرار و استدعا کی ہم اکثر شکایت کیا کرتے ہیں ہمارے سب سے عمدہ مربی شمار کئے جاوینگے۔ ہاں اُس روز ہمارے لئے وہ ایک گھڑی جو ہم نے غربا کی جھونپڑیوں میں کاٹی سو گھڑیوں کی نسبت جو دولتمند کے دسترخوان پر گزاریں زیادہ قیمتی ہوگی کیونکہ اُسدن وہ عدالت کے تخت پر بیٹھکر فرمائیگا کہ "جب تم نے میرے اِن سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا"۔

۱۲

مسیح کا نمونہ روحوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے

متی ۱ : ۲۱
" ۴ : ۱۸-۲۲
" ۹ : ۱۰-۱۳

لوقا ۴ : ۴۳
" ۷ : ۳۶-۵۰
" ۱۵ باب
" ۱۹ : ۱-۱۰ و ۴۱ و ۴۲
" ۲۲ : ۳۹-۴۳

یوحنا ۲ : ۲۳
" ۳ باب
" ۴ باب
" ۷ : ۳۱ و ۳۷
" ۹ : ۳۵-۳۸
" ۱۰ : ۱۱
" ۱۲ : ۲۱ و ۲۲

بارھواںؔ باب

مسیح کا نمونہ روحوں کو اپنی طرف کھینچنے میں

۱

مینے سنا ہے کہ جنوبی افریقیہ میں ایک ہیرے کی کان اِس طور سے دریافت ہوئی کہ کوئی مسافر ایک روز سفر کرتے ہوئے ایک وادی میں جا پہنچا۔ اور ایک آدمی کے گھر کی طرف گیا۔ گھر کے دروازے پر ایک لڑکا پتھروں سے کھیل رہا تھا۔ ایک پتھر اِس سیاح کے پاؤں پاس بھی آپڑا جسے اُس نے اُٹھا لیا اور وہ کھیل کے طور پر اُس لڑکے کی طرف پھینکنے کو تھا کہ ناگہاں اُس میں کچھ چیز چمکتی نظر آئی جسے دیکھکر اُسکا دل دھڑکنے لگ گیا۔ کیونکہ یہ ہیرا تھا۔ بچہ اُس سے ایک عام پتھر سمجھ کر کھیل رہا تھا۔ کسان کا پاؤں کئی بار اُس پر پڑا ہوگا۔ اور وہ گاڑی کے پہیے کے نیچے آکر کچلا گیا ہوگا۔ یہاں تک کہ اِس آدمی نے اُسے دیکھا اور اُس کی قدر پہچانی +

جب مَیں انسانی روح کی نسبت غور کرتا ہوں تو یہ کہانی اکثر مجھے یاد آیا کرتی ہے۔ کیا روح کے ساتھ بھی ایسی ہی بے پروائی سے برتاؤ نہیں ہوتا تھا جبکہ یسوع نے دنیا میں آکر اُس کو اِس ہیرے کی طرح دریافت کیا؟ ایک کسبی کی روح

بدکاری کی کیچ اور غلاظت میں ڈوبے ہوئے ہے۔ مگر پھر کیا؟ کیا ایک فریسی اُسکو نکالنے کے لئے کبھی اپنی اُنگلی کو ناپاک کرنا پسند کرتا؟ ہرگز نہیں۔ ایک بچے کی روح! اِسکی نسبت تو فقیہہ اپنی محفلوں میں بحث کیا کرتے تھے کہ آیا بچے میں بھی فی الواقع روح ہے۔

بلکہ اِس زمانے میں بھی بہت سے اشخاص کے نزدیک کوئی چیز روح انسانی کی نسبت زیادہ کم وقعت نہیں سمجھی جاتی۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ہیرے کا حال تھا اِسکو بھی اِدھر اُدھر پھینکا جاتا۔ اُس سے بے پروائی کی جاتی اور پاؤں کے نیچے روندا جاتا ہے۔ ایک نئی روح ابدیت میں سے تروتازہ نکل کر ایک زمینی گھر میں داخل ہوتی۔ لیکن پھر بھی عموماً کنبے کے لوگ برابر گناہ پر گناہ کئے جاتے ہیں گویا کہ کوئی روح وہاں نہیں آئی۔ اور نہ اُنکے دل میں اِس خیال سے کسی قسم کی پشیمانی یا اضطرار ہوتا ہے کہ مبادا وہ روح اُنکے بُرے نمونے سے بگڑ جاوے۔ رفتہ رفتہ بڑی ہو کر یہ روح باہر دنیا میں جاتی اور تمدنی زندگی کے قسم قسم کے اثرات سے متاثر ہوتی۔ مگر یہاں بھی لوگوں کے دل میں اُسکی قدر وقیمت کا کچھ خیال نہیں۔ یہاں بھی اُسکو گمراہ کرنے سے کسی کو کچھ خوف نہیں۔ اور نہ اُس کی عالی اصل اور عظیم انجام کا خیال کر کے کسی کے دل میں اُس کی نسبت تعظیم کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اگر اُسکا مناسب طور سے نشوونما نہیں ہوتا یا وہ کھوئی جاتی یا بلا تیاری ہلاکت کے گڑھے کی طرف دوڑتی ہے تو اکثروں کو تو اُسکی کچھ بھی پروا نہیں۔ اُسکی آئندہ قسمت سے اُن لوگوں کو کچھ واسطہ نہیں بلکہ اُنکو یاد بھی

نہیں کہ کوئی ایسی چیز دنیا میں موجود ہے ۔

خود ہمارے روزمرہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم میں سے اکثروں کے نزدیک روح ایسی ہی نا دریافت شدہ شے ہے جیسے وہ ہیرا اُس بچے کے نزدیک تھا۔ جبکہ مزدور ایک کارخانے سے شام کو نکلتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اِس کارخانہ میں کتنے ہاتھ کام کرتے ہیں۔ ہاتھ ! نہ روح ۔ گویا کہ آدمی صرف کام کی قوت ہی کا پتلہ ہے اور اُس میں اِس سے بالا اور کوئی چیز نہیں۔ جب ہم گلی میں لوگوں کی بڑی بھیڑ دیکھتے ہیں تو ہمیں کیا نظر آتا ہے ؟ کیا صرف بہت سی شکلیں جو اپنی صورت اور لباس وغیرہ کے لحاظ سے مرغوب یا غیر مرغوب معلوم ہوتی ہیں۔ یا مجسم ارواح جو خدا کے پاس سے آئیں اور خدا کی طرف جا رہے ہیں ؟

اگر اب ہم کو اِس مذکورہ بالا طور پر روح انسانی پر نظر کرنے کی قوت حاصل ہے تو یہ بات ہم نے مسیح ہی سے سیکھی ہے ۔ اُسی نے روح کو کیچڑ میں سے اور پاؤں کے نیچے سے اُٹھایا اور کہا کہ ۔ دیکھو یہ ہیرا ! "آدمی کو اس سے کیا فائدہ کہ ساری دنیا کو حاصل کرے مگر اپنی جان کو کھووے" ۔

زمانۂ گذشتہ میں بنی آدم بڑی بڑی روحوں کا تو بہت خیال کرتے تھے ۔ یعنے ایسے اشخاص کا جو قوت یا حکمت کے زور سے تمام لوگوں میں امتیاز حاصل کر لیتے تھے ۔ مثلاً سقراط یا جولیس قیصر وغیرہ ۔ مگر یسوع نے ہی پہلی دفعہ یہ تعلیم دی کہ ہم کو عام سے عام روح کا خواہ وہ بچے کی ہو یا عورت کی ۔ بلکہ محصول لینے والے اور گنہگار کی روح کا بھی ویسا ہی خیال کرنا چاہئے ۔ یہی تعلیم اُس کی لاثانی اور غیر فانی

ایجاد ہے۔ آدم کے ہر ایک فرزند میں اُس نے اِس گوہر کو دریافت کرلیا۔ ایک قلاش کے چیتھڑے اِس روح کو اُس کی آنکھوں سے پنہاں نہ کر سکے اور نہ وحشی آدمی کا سیاہ چمڑا یا بدکار کے جرائم اُسکو اُس کی نظروں سے چھپا سکے۔ یہ تو سچ ہے کہ روح جہالت اور شرارت کے کیچ میں غرق ہو کر کھو گئی تھی۔ مگر اس وجہ سے وہ اُسکی نظروں میں اور بھی مرغوب ہو گئی۔ بلکہ اِس امر سے اُسکو اور بھی زیادہ تحریک ہوئی کہ اُسے نکال کر اور صاف کر کے اُس جگہ پر رکھے جہاں وہ درخشاں ہو۔ ایک طبیب کے نزدیک کس قسم کے اشخاص زیادہ دلچسپ ہیں؟ تندرست نہیں بلکہ وہ جو بیمار ہیں۔ اور اُسکے تمام مریضوں میں اُس مریض کا اُسے زیادہ تر خیال رہتا ہے جو زیادہ تر اُس کی مدد کا محتاج ہے۔ اُسکی فکر و ذرات اُس سے جُدا نہیں ہوتی۔ وہ قریباً ہر وقت اُسی کی حالت پر سوچا کرتا ہے وہ دن میں تین تین بار جا کر اُسے دیکھتا ہے۔ اور اگر وہ اُس مرض کے علاج میں کامیاب ہوتا ہے تو اِسے اپنے فن کی ایک بڑی فتح سمجھتا ہے۔ یسوع نے بھی یہی تعلیم دی۔ اور اِسی اُسکے دلی خیال اور رویہ کا بخوبی اظہار ہوتا ہے ✦

مگر روح کے اِس قیاس میں بھی ایک راز ہے۔ کیا یہ درحقیقت صحیح ہے کہ ایک روح۔ بلکہ چور کی بھی جو آج قید خانے میں پڑا ہے یا بھانڈنی کی بھی جو رات تماشا گھر میں لوگوں کو ہنسا رہی تھی۔ کیلیفورنیا کی سونے اور گولکنڈہ کے ہیرے سے زیادہ قیمتی ہے؛ عوام کے نزدیک اگر وہ اپنے دلی خیال کا صاف اظہار کریں یہ دعوے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ مگر یہ دعوے اُس شخص نے کیا تھا جو جبکہ

وہ اِس عالم سفلے میں زمان اور مکان کی قید میں تھا اُسی وقت عالم علوی اور ابدیت میں بھی سکونت پذیر تھا - اور اِسلئے وہ زمانہ مستقبل کے انجام تک نظر کرکے دیکھ سکتا تھا کہ روح کیا کچھ بن سکتی ہے - کس اعلے اور شاندار حالت تک ترقی کرسکتی اور کس ذلت اور بربادی کی گہرائی تک تنزل کرسکتی ہے +

یہ روح کا عجیب و غریب مقیاس ہے سکلے روحوں کے بچانے کے کام کی مخفی کلید ہے - اور یہی ذہن اور دل کے روشن کرنے والا اعتقاد ہے جو ہر زمانے میں مخلص ارواح شخص کا خاصہ ہے - کوئی ایسا شخص اِس عہدے کے کسی کام پر مستعین ہونے کے لائق نہیں جو روح کو مال و دولت یا جسمانی قوت یا کامیابی یا کسی زمینی چیز سے بڑھ کر نہیں سمجھتا - اور جسکے نزدیک ایک روح کا بچانا تمام اعلے درجے کی شہرت و ناموری سے کہیں بڑھ کر تحفہ نہیں +

۱؎ ایک طاقت ہے جس پر وعظ و نصیحت کی تمام کامیابی کا مدار ہے - اُسکی تاثیر ہر جگہ لابدی ہے - اور اُسکی موجودگی کے بغیر ہم ہرگز نہیں خیال کرسکتے کہ کوئی شخص حقیقی اور وسیع معنوں میں خادم انجیل بن سکتا ہے - یہ طاقت اُسے واعظ بننے پر مجبور کرتی اور ہر ایک وعظ جو وہ سناتا ہے کم و بیش اُسی طاقت سے صورت پذیر ہوتا ہے - یہ طاقت انسانی روح کی قدر میں ہے جو واعظ اپنی روح میں محسوس کرتا ہے اور یہی اُسکے تمام کام کا مدعا اور تحریک ہے - خادم الدین کے اور تمام مقاصد اِس ایک عظیم بنیادی مقصد کے گرداگرد کھڑے معلوم ہوتے ہیں جیسے ایک جرنیل کے گرد اُسکے ماتحت افسران ہوتے ہیں - وے اُس کے محتاج ہیں اور اُسکے احکام کی تعمیل کرتے ہیں مگر وہ اُنکے ساتھ ایسا وابستہ نہیں جیسے وہ اُس کے ساتھ ہیں - اگر اُنمیں سے کوئی فرار ہو جائے

۲

لیکن ایک اَور مدعا بھی ہے جو شاید زیادہ لابدی ہے۔ وہ الٰہی بلاہٹ کا یقین ہے مخلصِ ارواح کو اِس بات سے دلی آگاہی ہونی چاہیئے کہ وہ خدا کا کام کرتا ہے اور یہ خدا کا پیغام ہے جو وہ لوگوں تک پہنچا رہا ہے۔

بنی انسان کی خدمت میں سرگرم ہونے کی خواہش ایک شریف جذبہ ہے اور اُس سے ایک ناخودغرض شخص کے ابتدائی جد و جہد پر ایک نہایت خوبصورت شعاع پرتو افگن ہوتی ہے مگر اُس جذبے کی طاقت دنیاوی کاروبار کے لئے بمشکل کافی ہے۔ بعض اوقات ایسی مایوسی کی گھڑیاں زندگی میں پیش آتی ہیں کہ آدمی مشکل سے ہماری خدمت و جانفشانی کے سزاوار معلوم ہوتے ہیں۔ وے

تو ہو جائے۔ وہ اُس کی مدد کے بغیر لڑائی لڑ سکتا ہے۔ کام میں دلچسپی۔ قدرت کے استعمال میں خوشی۔ خدا کی سچائی کی محبت۔ مطالعہ کی لذت۔ اپنی زندگی کو دوسرے اشخاص کی زندگیوں سے وابستہ دیکھنے کا حظ۔ انتظام کا خیال۔ باقاعدہ حرکت کی چاہ۔ آدمیوں کی زندگی اور چال کی شناخت۔ اور سب سے بڑھ کر غلط خیالات کی جگہ صحیح خیالات کو جگہ پکڑتے دیکھنے کی خوشی و فرحت۔ یہ سب باتیں اِس اعلےٰ جرنیل کے ماتحت افسران ہیں۔ لیکن اصل مدعا جس کے یہ سب خدمت گذار ہیں۔ ان سب سے کیسا رفیع و بالا ہے از بشپ فلپ بروکس۔

ایسے کمینے اور ناشکر گذار ہیں۔ ہماری ساری سعی و کوشش سے اُنہیں کچھ بھی تبدیلی نظر نہیں آتی۔ اس خیال نے ہمیں ایسی سخت تحریک پیدا ہوتی ہے کہ ایسے بے صلہ کام کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ وہ لوگ جنکے لئے ہم اپنے تئیں قربان کر رہے ہیں ہماری کوششوں کے نتائج سے بہرہ ور تو ہوتے ہیں مگر یا تو ہمارا کچھ بھی لحاظ نہیں کرتے یا پھر کر ہمیں پھاڑے ڈالتے ہیں گویا کہ ہم اُنکے دشمن ہیں۔ تو پھر ہم کیوں اصرار کے ساتھ اپنے تحفوں کو ایسے شخصوں کے سامنے پیش کریں جو اُن کی خواہش نہیں رکھتے؟ اس سے بھی بڑھ کر رنج انگیز یہ خیال ہے کہ ہمارے پاس دینے کو بھی بہت کچھ نہیں۔ شاید ہم نے اپنے بلاہٹ کو غلط سمجھا۔ یہ دنیا تو سرے ہی سے بگڑی پڑی ہے۔ کیا ہم ہی اسے سلجھانے کو پیدا ہوئی ہیں؟

ایسی حالتوں میں محض انسانی محبت کی نسبت ایک زیادہ قوی مقصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہماری تھکی ماری گرمجوشی خدا کے حکم سے پاؤں پر کھڑی کئے جانے کی محتاج ہوتی ہے۔ یہ اُس کا کام ہے۔ یہ روحیں اُسی کی ہیں۔ اُسی نے انہیں ہمارے سپرد کیا ہے اور اپنے تخت عدالت پر وہ ہم سے ان کا حساب طلب کریگا۔

تمام انبیا و رسل نے جو خدا کی طرف سے انسان کے درمیان کام کرتے رہے اسی قوت سے تحریک پائی ہے۔ اور اسی کے ذریعے سے اُنہوں نے کمزوری میں طاقت پائی۔ اور اسی طاقت نے اُنہیں دنیا کی مخالفت کے مقابلے میں

برقرار رکھا۔ انمیں سے اکثروں پر تو وہ عظیم گھڑی وارد ہوئی جس میں انہوں نے اس بلاہٹ کو صاف طور پر معلوم کر لیا اور اپنی زندگی کے کام کو پہچان لیا۔ یہ بلاہٹ موسے کو بیابان میں ہوئے اور باوجود اس کی نارضامندی کے اسکو قومی خدمت پر مجبور کیا۔ اور اس کی بعد کی زندگی کی گوناگوں اور بے مثل آزمائشوں اور تکلیفات میں اس کی ہمدم رہی۔ یہ یسعیاہ پر ایک رویا میں جلوہ گر ہوئی اور اس کی بعد کی زندگی پر اپنا پُر زور اثر ڈالا۔ اِسی نے مقدس پولوس کی زندگی کی ایک گھڑی بھر میں کایا پلٹ دی۔ یرمیاہ نے اِس الہی پیغام کو ایسا محسوس کیا جیسے تلوار ہڈیوں میں کاٹتی ہے اور وہ آگ کی طرح اس کے اندر سلگتا تھا جب تک کہ وہ لوگوں کے سامنے اسکو نہ سنا دیتا تھا۔ یہی بات مسیح کی زندگی میں ایک سب سے بڑا مدعا تھی۔ اِسی نے اس میں ایک بے روک زور پیدا کر دیا۔ اسی سے اس نے مخالفت کے مقابلے کی طاقت پائی۔ اسی نے اسکو مایوسی کی تاریک گھڑی سے خلاصی دی۔ وہ بار بار اِس امر کے اظہار کرنے سے کبھی نہیں تھکتا تھا کہ کام جو وہ کرتا ہے اسکے اپنے نہیں بلکہ خدا کے ہیں۔ اور نیز یہ کہ کلام بھی جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اسی کا ہے۔ اس کی تسلی اِس بات میں تھی کہ ہر ایک قدم جو وہ رکھتا ہے اس سے الہی مرضی پوری ہوتی ہے +

مگر اس پر کوئی ایسی گھڑی نہیں آئی جب اس کی زندگی ایک اخلاقی فیصلے کی کشمکش سے دو نیم ہو گئی ہو اور دوسروں کے لئے زندگی بسر کرنے کا

کام اُسکے سر پر رکھا گیا ہو۔ یہ کام تو خود اُسکی ہستی کے تار و پود میں بنا ہوا تھا۔ انسان کی محبت اُس کے دل میں ایسی ہے جبلّی تھی۔ جیسے وہ خدا کی فطرت میں ہے۔ انسان کی نجات اُس کی روح کی اصلی آرزو اور ولولہ تھا۔ اور اگرچہ اُس کا دعویٰ تھا کہ اُس کے کام اور کلام خدا کی طرف سے اُسے دئے گئے ہیں مگر اُس کی اپنی گہری خواہش الٰہی محبت کے مقاصد سے ایسے متحد ہو رہی تھی کہ وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ "میں اور باپ ایک ہیں"۔

۳

مگر کھوئی ہوئی روحوں کا بچانا ایک ایسا کام ہے جس کے لئے بڑی عقلمندی اور ہوشیاری کی ضرورت ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "وہ جو نیکی سے جیوں کو موہ لیتا ہے دانا ہے"۔ جسکا لفظی ترجمہ ہے کہ "وہ جو روحوں کو جیت لیتا ہے"۔ غرضکہ روحونکو موہ لینے یا جیت لینے کے لئے ضرور ہے کہ انسان اُس طریق سے بخوبی واقف ہو ورنہ اُسمیں کامیابی ناممکن ہے۔

خداوند یسوع نے اِس کام کے اظہار کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں اُنسے بھی ہم اِس کام کی ماہیت کو کسی قدر سیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ جب اُس نے شاگردوں کو بلایا کہ اُس کے ساتھ کام میں شریک ہوں تو اُس نے فرمایا کہ "میرے پیچھے چلے آؤ کہ میں تمہیں آدمیوں کے مچھوے بناؤنگا"۔ ہر ایک ماہی گیر جو اپنی جنسی لے کر دریا کے کنارے جاتا ہے ضرور ہے کہ موسم اور پانی کے حالات سے بخوبی واقفیت رکھتا

ہو۔ اور سب جانتے ہیں کہ مچھلی پکڑنے کے لئے کس قدر جانچ پرکھ۔ باریک بینی اور پھرتی کی ضرورت ہے۔ غالباً اُسوقت مسیح کو جال سے مچھلی پکڑنے کا خیال تھا۔ مگر اُس میں بھی کس قدر تجربے۔ چالاکی۔ ہوشیاری اور ثابت قدمی کی حاجت پڑتی ہے*

یہ تمام اوصاف روحوں کے بچانے یا یوں کہو کہ جیتنے کے لئے ضروری ہیں۔ یسوع اِس فن کا کامل نمونہ تھا اور اِس فن کے حاصل کرنے کے لئے سب سے عمدہ دستور العمل یہ ہے کہ ہم غور سے اُس کے طریق عمل پر نظر کریں۔

۱۔ وہ اپنے معجزات کو روحوں تک پہنچنے کے لئے بطور ذریعہ کے استعمال کرتا تھا۔ تمام مہربانی اور رحمت کے کام جنکا گذشتہ باب میں ذکر ہوا ہے محض اُن اعلےٰ اور زیادہ روحانی منشاؤں کے پورا کرنے کے لئے جو ہمیشہ اُسکے ذہن میں تھے بطور تمہید یا مقدمہ کے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اُن سے اُسکا صرف یہی مدعا تھا۔ کیونکہ اُسکے معجزات بہت سے معنی رکھتے ہیں۔ مگر یہ بھی اُن میں سے ایک تھا۔ کیونکہ اکثر یہ کام روحانی اُمور کے لئے دروازہ کھول دیتے ہیں جو اُنکے بغیر شاید نہ کھل سکتا۔ مثلاً انجیل یوحنا (۹ باب) میں ہم ایک شخص کا ذکر پڑھتے ہیں جس کو اُس نے اندھے پن سے شفا بخشی مگر اپنے کو اُسپر ظاہر نہ کیا۔ اُس آدمی کے دل میں اُس کی شکرگزاری کا خیال پیدا ہوگیا اور وہ ہر جگہ اپنے اِس غیر معلوم دوست کی تعریف اور حمایت کرتا پھرا۔ یہانتک کہ یسوع نے اُس سے ملکر اپنے کو اُسپر ظاہر کیا اور اُسوقت وہ فی الفور کہہ اُٹھا کہ "خداوند میں ایمان لایا"

اور اس کی پرستش کی۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی جسمانی نابینائی
کا علاج روحانی نابینائی کے علاج کا ذریعہ ہوا۔ اور بھی بیشمار صورتوں میں
ایسا ہی ہوا ہوگا۔ اور اگر ہم اس بات کو یاد رکھیں کہ معجزات شفایافتہ لوگوں کے
رشتہ داروں کے لئے بھی ایسے ہی قیمتی تھے جیسے خود اُن کے لئے۔ تو ہم
خیال کر سکتے ہیں کہ کس قدر لوگ اس ذریعہ سے آسکے الٰہی پیغام کو سننے کی طرف
مائل کئے گئے ہونگے +

ہمدردی وبھی خواہش انسان بھی ہمارے لئے اس اعلےٰ کام کے
واسطے بطور وسیلے کے کام آسکتی ہے۔ مہربانی دل کی کنجی ہے۔ اور اس کھلے
دروازے میں سے نجات اندر داخل کی جاسکتی ہے۔ البتہ اس میں دو طرح کے
خطروں کو جگہ ہے ایک تو یہ کہ شاید مدد کرنے کی گرمجوشی میں الفت و محبت میں سے
حقیقی انسانی مہربانی کا جوہر زائل ہو جاوے۔ اور دوسری یہ کہ دنیاوی فوائد
کے حاصل کرنے والا شاید اُسکے معاوضے کے طور پر اپنے محسن کو خوش کرنے کے
لئے ریاکاری سے صرف ظاہری طور پر دینداری کی صورت اختیار کرے۔ لیکن اگر ہم
ان خطرات سے ہوشیار رہیں تو یہ اصول ایک نہایت اعلےٰ سند رکھتا ہے اور
زمانہ حال میں مسیحی کام میں اسکا مختلف طور سے بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال
ہو رہا ہے۔ روحوں کے بچانے کی گرمجوشی اکثر جسم کی خبر لینے کی خواہش بھی
دل میں پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس سے ایسے افعال پیدا ہوتے ہیں جو بنی انسان
کے مشام کو ایسے ہی معطر کرتے ہیں جیسے مریم کا عطر جو اُسنے اُس کو ملا +

۲- منادی ایک سب سے بڑا ذریعہ تھا جسکے وسیلے سے مسیح کھوئے ہوؤں کی تلاش کرتا تھا۔ چونکہ اِس مضمون کے متعلق ہم نے ایک علیٰحدہ باب میں مفصل بحث کی ہے اِسلئے اُس پر یہاں بہت کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم کو اِسوقت صرف اِس بات کی طرف توجہ کرنی چاہیئے کہ اُسکی منادی کیسی دلکش تھی اور لوگوں کو کھینچنے کے لئے کیسی مناسبت رکھتی تھی۔ وہ سچائی کو ہر طرح کی تمثیل اور مثال کے دلفریب لباس میں ملبوس کر دیتا تھا اگرچہ وہ جانتا تھا کہ وہ سچائی کا اصلی لباس نہیں سچائی سیدھے سادی چیز ہے اور وہ جو اُسے جانتے ہیں اُس کی اصلی صورت ہی میں اُس کو پیار کرتے ہیں۔ مگر یسوع کو ایسے اشخاص سے واسطہ پڑتا تھا جن کے لئے وہ بجاے خود دلکش نہیں تھی اور اِسلئے وہ اُسے ایسے طریق سے اُن کے سامنے پیش کرتا تھا جس سے وہ اُس کے متحمل ہو سکتے تھے۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ اگر ایک دفعہ وہ اُن کے دل میں بیٹھ جائے گی اور وہ اُس کی قدر کو جان لینگے تو خواہ وہ کسی لباس میں کیوں نہو ضرور اُسے پیار کرینگے ٭

اِسوقت بھی منادی لوگوں کو خدا تک پہنچانے کے لئے ایک ایسا زبردست وسیلہ ہے کہ اکثر منادی کی خواہش روحوں کے بچانے کی خواہش کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک تعجب کی بات ہے کہ اُن لوگوں میں جو منادی کا کام کرتے ہیں بہت تھوڑے ایسے ہیں جو مسیح کی طرح اپنے پیغام کو خوب صورت اور دلفریب لباس میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں ٭

۳- البتہ اُن لوگوں میں سے جو کھوئے ہوؤں کو بچانے کے آرزومند ہیں صرف

تھوڑے ہی منادی بن سکتے ہیں۔ مگر یسوع اپنی منادی کے ساتھ ایک اور طریق کو بھی برتتا تھا جس کی سب نقل کر سکتے ہیں۔ یعنی گفتگو کا طریق۔ ہمارے پاس اِس طریق کی مثال نیقودیموس کی گفتگو میں اور نیز مسیح کے سامریہ کی عورت کے ساتھ بات چیت کرنے میں پائی جاتی ہے اور یہ دونوں واقعے بعد کے زمانوں کے لئے روحوں کے بچانے کے بارے میں بطور نمونہ کے ہیں۔ اگر ان دونوں صورتوں کا باہم مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کیسی کامل دانش و ہوشیاری کے ساتھ اُسنے اپنے ہم سخنوں کی حالت کے مطابق اُن سے بات چیت کی۔ اور کس طرح کیسے طبعی طور پر وہ بات سلسلہ کو امرِ مقصود کی طرف لے گیا۔ اور ٹھیک اُن کے ضمیر پر تیر کی طرح جا لگا یا۔

یہ ایک نہایت مشکل فن ہے۔ کیونکہ مذہبی گفتگو ضرور ہے کہ طبعی ہو۔ ضرور ہے کہ وہ دل سے جو مذہب سے پُر ہو بطور فوارے کے پھوٹ نکلے۔ اور اگر ایسی نہیں تو بالکل بے اثر اور بے فائدہ ہوگی۔ مگر یہ نہایت بیش قیمت چیز ہے۔ اور اسلئے جس قدر کوشش اُسکے حاصل کرنے میں صرف کیجائے تھوڑی ہی ہے۔ میرے خیال میں ہمکو زیادہ تر ایسے اشخاص کی حاجت ہے جو مذہب کے متعلق بات چیت کر سکیں بہ نسبت اُن کے جو اُسکی منادی کر سکیں۔ وعظ کو سننے والے اکثر اُسے ایک دوسرے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور ہر ایک یہ کوشش کرتا ہے کہ اُسکے پیغام کو اپنے سے ہٹا کر دوسرے پر لگا دے۔ مگر گفتگو سیدھی نشان پر جا کر لگتی ہے۔ اگر متکلم ایک دلنشین اور مستقیم خصلت بھی رکھتا ہو تو ضرور جہاں کہیں وہ جائے

اُسکی گفتگو کے ساتھ برکت بھی ہمرکاب ہوتی ہے۔ اُن گھروں میں جہاں وہ ٹھیرا ہو اُسکو اِس طرح سے یاد کرتے ہیں کہ گویا اُنکے سامنے اُس نئے مذہب کو پہلی دفعہ ایک حقیقی چیز کے طور پر ظاہر کر دیا۔ اور اگرچہ اُس کا نام زمین پر سننے میں کم آوے تو بھی خدا کے سامنے اُسکا نشان قدم نور کے خط سے منور معلوم ہوتا ہے۔ مگر یسوع ہمیشہ اِس بات کا محتاج نہیں تھا کہ پہلے کسی شخص کو گفتگو کے لئے خطاب کرے۔ بہت سی صورتوں میں وہ لوگ جن سے وہ روح کی بابت گفتگو کرتا تھا آپ ہی پہلے بات کو چھیڑتے تھے۔ جو لوگ مذہبی معاملات کی بابت فکرمند تھے خود اُس کی تلاش کرتے تھے۔ کیونکہ خود اپنے دل میں محسوس کرتے تھے کہ یقیناً یہ شخص اُس راہ سے واقف ہے جس کی تلاش میں وہ حیران و سرگردان ہیں۔ یسوع کا کسی علاقے میں سے گذرنا ایسا تھا جیسا کہ ایک فرش پر جہاں لوہے کے ریزے منتشر ہوں مقناطیس پھر جائے۔ وہ اُن روحوں کو جو الٰہی زندگی سے اُنس و موافقت رکھتی تھیں اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ ہر ایک مسیحی جماعت میں بعض ایسے لوگ ہیں جو کم و بیش اِس خدمت کو انجام کرسکتے ہیں۔ اُن کے اردگرد کے لوگ جانتے ہیں کہ یہ اشخاص زندگی کے راز پر حاوی ہیں اور وہ جو روح کے گہرے تجربات اور کشمکش میں گذر رہے ہوتے ہیں اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اُنکی مشکلات کو سمجھ لینگے۔ اور جن کے ضمیر پر کچھ بوجھ ہوتا ہے وہ اُن کی ہمدردی کی امید سے بلاتکلف اُن کے پاس آتے ہیں۔ یقیناً یہ مخلص ارواح شخص کا ایک بیش قیمت حق ہے۔ اُسکو کبھی ایسے موثر اور کامیاب طور سے کھوئے ہوؤں کی تلاش کرنے کا موقع نہیں ملتا جیسا

اُسوقت جب کہ کھوئے ہوئے خود اُس کی تلاش کرتے ہوئے اُسکے پاس آویں۔

۴

چونکہ اِس کتاب میں ہم **تقلید مسیح** کے مضمون پر بحث کرتے ہیں اِسلئے ہم کو قدرتی طور پر اُس کی زندگی اور کام کے اُن پہلوؤں پر جن کی تقلید ہمارے لئے زیادہ تر ممکن ہے زیادہ تر غور و تامل کرنا چاہئے۔ مگر گاہ بگاہ ہمیں اِس امر کو یاد رکھنے کی حاجت ہے کہ ہم صرف فاصلے پر اور لڑکھڑاتے پاؤں کے ساتھ اُسکے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔ بلکہ بہت سی جگہوں میں تو وہ ہم سے اِسقدر دور ہے کہ وہاں تک ہماری رسائی ہو نہیں سکتی ؛

امر زیر بحث میں بھی ایسا ہی ہے۔ بعض باتوں میں مثلاً وہ جن کا اوپر ذکر ہوا۔ ہم روحوں کے بچانے میں اُسکی نقل کر سکتے ہیں۔ مگر وہ اِس جستجو میں ایسے مقام تک گیا جہاں ہم نہیں جا سکتے۔ وہ نہ صرف کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے بلکہ بچانے بھی آیا۔ اُس نے اِس امر میں اپنے کو ایک گڈریے سے مشابہ ٹھیرایا جو کھوئی ہوئی بھیڑ کی تلاش میں جاتا اور خوشی کرتے ہوئے اُسے اپنے کندھے پر اُٹھا کر گھر کو لاتا ہے۔ اور یہاں تک ہم بھی اپنے کو اُسکے مشابہ قرار دے سکتے ہیں۔ مگر وہ اِس مشابہت کو اور بھی دور تک لے گیا۔ اچھا گڈریا بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہے۔ وہ گنا ہگاروں کے پیچھے پیچھے اُنکے بسیروں تک گیا۔ اور ہم بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ مگر وہ اِس سے بھی پرے پہنچا۔ یعنے نیچے دوزخ کے

دروازوں تک جہاں اُس نے قدرت والے کے ہاتھ سے شکار کو چھین لیا۔ وہ ایک بالائے قدرت مقام میں داخل ہوا جہاں اُس نے ہمارے لئے فتح حاصل کی۔ ہمارے لئے صلح کروائی۔ ہمارے لئے بقا کے دروازوں کو کھول دیا۔ اِن کاموں کا ہم صرف دھندلا سا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اُس مقام میں واقع ہوئے جو ہم نے نہیں دیکھا۔ صرف ہم اِتنا جانتے ہیں کہ وہ ہمارے خیالات کی نسبت زیادہ عظیم زیادہ سنجیدہ اور دردناک تھے۔ اُنکا بیرونی نشان اور علامت جو ہم دیکھ سکتے ہیں **گلگتھا** ہے۔ یعنے اُسکا جسم جو ہمارے لئے توڑا گیا۔ اُس کا خون جو ہمارے لئے بہایا گیا۔ اور روحوں کے بچانے والی محبت کی یہی سب سے اعلےٰ علامت ہے ؎

اِس مقام پر بجائے تقلید و نقل کا خیال دل میں لانے کے ہم اُس کے حضور ادب سے سر جھکاتے اور اُسکی پرستش کرتے ہیں۔ مگر اِس میں بہت سے سبق ہیں جو اُن سب کو جو اِس فن میں کامل ہونا چاہتے ہیں سیکھنے ضرور ہیں۔ کوئی شخص انسان کے ساتھ قدرت نہیں رکھ سکتا جو پہلے انسان کے لئے خدا کے ساتھ قدرت نہیں رکھتا۔ ظاہراً تو فتح یابی اُسوقت معلوم ہوتی ہے جبکہ ہم لوگوں کو ترغیب دے کر راہ راست پر لانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ مگر یہ کامیابی اِس سے پہلے سفارش و دعا کے مقام میں حاصل کی جاتی ہے۔ یسوع کے لئے یہ مقام جانکنی اور موت کا مقام تھا۔ اور روحوں کا بچانا کبھی سوائے دکھ اور قربانی کے نہیں ہوتا۔ مقدس پولوس نے فرمایا کہ میں مسیح کی کمتیاں اُس کے بدن

یعنی کلیسیا کے لئے اپنے جسم میں بھرے دیتا ہوں"۔ اور اُن سب کو بھی جو دنیا کی نجات میں مسیح کی خوشی میں شریک ہونا چاہتے ہیں پہلے اُسکی مصیبتونمیں شریک ہونا ضرور ہے +

۵

اگر روحونکے بچانے کا فن مشکل اور سخت جانکاہ اور محنت طلب ہے تو اُسکا انعام بھی اُسیکے موافق بہت بڑا ہے۔ میں ایک بڑے کامل مصور کو جانتا ہوں جو جب کبھی کسی تصویر کے کھینچنے میں اُس حد تک پہنچتا جہاں اس امر کا فیصلہ ہوتا ہے کہ آیا مصور نے صرف ظاہری خط و خال ہی کا ٹھیک خاکہ اُتارا ہے یا کہ اُس شخص کی روح اور خصلت کی تصویر بھی لی ہے تو اُسکی حالت نہایت مضطرب اور بیقرار ہو جاتی۔ وہ روتا چلاتا۔ ہاتھ ملتا۔ اور بیتاب ہوکر زمین پر لوٹنے لگ جاتا۔ مگر جب یہ حالت دور ہو جاتی اور اصلی صورت کا صحیح عکس صفحۂ تصویر پر مجسم نظر آتا تو وہ اسیقدر خوشی اور انبساط کے مارے بیقرار ہو جاتا۔ درحقیقت حسن و خوبی کی ایک صورت کو گویا نیستی سے نکلکر رفتہ رفتہ صفحۂ تصویر پر منقش ہوکر ایک مستقل جسم اختیار کرتے دیکھنا ضرور ایک عجیب قسم کا ولولہ اور تحریک دلمیں پیدا کرتا ہے۔ مگر اسکو اس نظارے سے کیا نسبت ہو سکتی ہے کہ ہم ایک روح کو موت سے نکلکر زندگی میں داخل ہوتے دیکھیں۔ کہ کسطرح وہ اپنے بازوؤنکو آہستہ آہستہ طبعی جسمانی زندگی کے سخت اور بدصورت خول سے نکالتی اور عالم بقا کے نور و ضیا میں پھڑ پھڑا کر اُڑنے لگتی ہے +

اس قسم کے نظارے سے جو اثر مسیح کے دل پر ہوتا تھا اُسکا کچھ اندازہ ہم لوقا کے پندرھویں باب کی عجیب تمثیلوں سے کر سکتے ہیں۔ کہ کسطرح گڈریا اپنے دوستوں کو جمع کرتا اور کہتا ہے کہ میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ میں نے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑ پائی"۔ اور کسطرح فضول خرچ بیٹے کا

باپ چلا اٹھتا ہے کہ "آؤ ہم کھائیں اور پئیں اور خوشی کریں"۔ اُسنے خود ہمکو بتلایا ہے کہ اس خرمی سے
کیا مراد ہے ۔ "میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کے فرشتوں کے آگے ایک گنہگار کیلئے جو توبہ کرتا ہے خوشی
ہوتی ہے"۔ اور وہ خوشی جو فرشتوں کی صورت سے ظاہر ہوتی ہے فقط فرشتوں کے خداوند کی خوشی کا
عکس ہے ۔ جسکی صورت کو وہ دیکھتے رہتے ہیں ✦

اُسکی زمینی زندگی میں ہم کم سے کم ایک موقعہ پر نہایت صاف طور سے اُسکے دل کی اس خواہش
و تحریک کو ملاحظہ کرتے ہیں[1]۔ جب وہ بدکار سامری عورت کو خدا اور پاکیزگی کی طرف پھیر لا چکا تو
اُسکے شاگرد شہر سے اُسکے لئے کھانا لیکر واپس آئے اور اس سے کہنے لگے "اے ربی کچھ کھائیے"
مگر وہ کچھ کھا نہ سکا۔ کیونکہ وہ خوشی و خرمی سے محو ہو رہا تھا اور اُسنے جواب دیا کہ "میرے پاس کھانے
کیلئے خوراک ہے جسے تم نہیں جانتے"۔ پھر شہر کیطرف نظر کر کے جہاں وہ عورت اور روحوں کو اس
پاس لانے کیلئے گئی تھی وہ اسی خوشی کے لہجے میں کہنے لگا کہ "کیا تم نہیں کہتے کہ ابھی چار مہینے
باقی ہیں تب فصل آویگی ۔ دیکھو میں تم سے کہتا ہوں اپنی آنکھیں اٹھاؤ اور کھیتوں کو دیکھو کہ وہ کاٹنے کیلئے پک چکے ہیں"
وہ بھی اسی گہرے جوش کی ایک دوسری صورت تھی جب وہ اس شہر پر نظر کر کے جسکو بچانیکی اُسنے مفید
کوشش کی اور جسمیں اسقدر بیشمار روحیں ہلاک ہو رہی تھیں اُسپر رویا۔

ان پاک جذبات میں تمام لوگ جنکا کام روحوں کا بچانا ہے اپنے اپنے درجہ کے مطابق حصہ لیتے ہیں۔
اور اس دنیا میں اس سے بلندتر کوئی جذبات نہیں ہیں ۔ یہ اس اعلیٰ امارت کے نشان اور سندات ہیں
جسکی اصل و تقرر آسمان ہی سے ہے ۔ کیونکہ وہ ادنے سے ادنے مسیحی خادم جسکو درحقیقت انسان کے گناہ سے
دکھ ہوتا اور اُسکی نجات سے خوشی ہوتی اپنے اپنے درجہ پر اسی جذبہ و تحریک کو محسوس کرتا ہے جو دنیا کے منجی کی
اُسکے دکھوں میں ہمدم رہی اور جو ازل سے خود خدا کے دل میں جوش زن ہے ✦

[1] بینے بروکس نامی مرحوم کو جو نہایت مشہور و معروف واعظ انجیل تھے یہ کہتے سنا ہے کہ اگرچہ مسیح اپنی خدمت کے ایک پہلو کے لحاظ

۱۳

مسیح کانمونہ وعظ کرنے میں

متی ۴: ۱۶ و ۲۳ - ۲۵
۵ تا ۷ باب
۹: ۴ و ۱۲ و ۳۵ - ۳۸
۱۰: ۷ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۷
۱۳ باب
۱۶: ۱۴

مرقس ۱: ۳۸ و ۳۹
۲: ۲
۴: ۳۳
۶: ۱ - ۶

لوقا ۴: ۱۶ - ۳۲
۵: ۱۷
۷: ۱۶
۸: ۱ - ۸
۱۱: ۲۷ و ۲۸

یوحنا ۳: ۳۴
۷: ۱۴ - ۱۶ و ۲۶ و ۴۰
۴۵ و ۴۶
۸: ۱ و ۲

تیرھواں باب

مسیح کا نمونہ وعظ کرنے میں

۱

اگر ہمیں عمر بھر میں ایک یا دو دفعہ خوش قسمتی سے کسی اوّل درجے کے فصیح مقرر کی تقریر سُننے کا اتفاق ہُوا ہو۔ تو ہم ہمیشہ اُس کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں یا اگر ہم کو کسی ایسے واعظ سے ملنے کا اتفاق ہُوا۔ جس نے پہلی دفعہ ہم پر مذہب کو حقیقی چیز ثابت کر دیا۔ تو اُس کی تصویر ہمارے حافظے کے طاق میں بڑی عزت کے ساتھ دھری رہتی ہے۔ تو بھلا اُس کی باتوں کا سُننا جس کی مانند کبھی کسی شخص نے کلام نہیں کیا۔ کیا کچھ نہ ہو گا؟ اُس کے ہونٹوں سے پہلی دفعہ پہاڑی وعظ یا مُسرف بیٹے کی تمثیل تروتازہ نکلتی ہوئی سننا کیا کچھ ہو گا؟

تیس سال تک یسوع خاموش رہا۔ اِس عرصے کے درمیان خیال اور یقین کے پانی اُس کے ذہن میں جمع ہوتے رہے۔ اور جب بدرر و کھُلا تو وہ

بڑے زور شور سے ڈھیر کے ڈھیر نکل پڑے۔ اُس نے ناصرت اور کفرناحوم میں جو اُس کی جائے رہائش تھے۔ سبت کے روز عبادت خانوں میں منادی شروع کی۔ لیکن بہت جلد اُس کا کام گرد و نواح کے گاؤں اور قصبوں میں بھی پھیل گیا مگر اُس کی سرگرمی کے لئے سبت اور عبادتخانے اور نماز کے معمولی وقت ہی کافی نہیں تھے۔ رفتہ رفتہ وہ ہر روز منادی کرنے لگا۔ اور نہ صرف عبادتخانوں میں بلکہ گلی کوچوں میں اور کوہستانی مقامات یا ساحل بحر پر بھی +

اُس کے سُننے والوں کے دلوں میں بھی اُسی کی ایسی سرگرمی پیدا ہو جاتی تھی۔ جونہی اُس نے منادی شروع کی قریباً اُسی وقت اُس کی شہرت کل ملک سوریہ میں پھیل گئی اور لوگ ہر طرف سے اُس کی باتیں سُننے کو آنے لگے۔ اُسوقت کے بعد ہم برابر یہ سُنتے ہیں۔ کہ بڑی بھیڑ اُسکے پیچھے لگی رہتی تھی۔ جو بعض اوقات ایسی زیادہ ہو جاتی تھی کہ لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ جب وہ محنت مشقّت سے تھک کر علیحدہ تنہا جگہ میں جانا چاہتا تو وہ اُسے روک رکھتے اور آخرکار اگر وہ چلا بھی جاتا تو جب واپس آتا۔ اُنہیں چشم براہ پاتا تھا +

ہر قسم کے لوگ اُس کے پاس آتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو واعظ عوام پر اثر کر سکتا ہے۔ تعلیم یافتہ لوگ اُس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ اور جو تعلیم یافتہ اشخاص کو خوش کر سکتا ہے۔ عوام کے نزدیک بے قدر ہوتا ہے۔ لیکن یسوع کے پاؤں پاس فریسی اور شریعت کے سکھلانے والے بھی بیٹھے دیکھے جاتے تھے۔ جو جلیل اور یہودیہ کے ہر ایک شہر اور یروشلم سے آتے تھے۔ اور دوسری جانب عوام الناس خوشی سے اُس کی

باتیں سُنتے تھے۔ بلکہ وہ جماعت بھی جو حقیر و بے عزت سمجھی جاتی تھی۔ جو عموماً عبادتخانوں اور وعظ و نصیحت کی کچھ پرواہ نہیں کرتی تھی اُس وقت اِن عام مذہبی مجمعوں میں جانے پر اُکسائی گئی۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ "تب سب محصول لینے والے اور گنہگار اُس کے نزدیک آتے تھے کہ اُس کی سُنیں"۔ بھلا اس گہری اور عام دلچسپی کا بھید کیا تھا؟ قُدما تصویروں میں ایک فصیح البیان شخص کی شبیہ اس طرح کھینچتے تھے کہ گویا وہ طلائی زنجیروں سے جو اُسکے مُنہ سے نکلتی ہیں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ پر یہ کشش کی کونسی زنجیریں تھیں۔ جن سے یسوع تمام آدمیوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا؟

۲

جب مذہبی زندگی اور وعظ کا پیمانہ کسی ملک یا علاقے میں ادنٰے درجے کا ہوتا ہے تو ایک مردِ خدا کی آمد جو قدرت کے ساتھ کلام سُناتا ہے۔ اِس اختلاف کے سبب زیادہ عجیب معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ پُشت پر تاریکی ہونے سے روشنی زیادہ روشن نظر آتی ہے؛ اِسی قسم کی ایک تاریکی جس کو ہم آدھی رات کی تاریکی سے تشبیہ دے سکتے ہیں اُسوقت گلیل پر چھا رہی تھی جبکہ یسوع نے منادی کا کام شروع کیا۔ مقدس متی نے جو اُسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ نبی کے اِس کلام سے اِس فرق کو ظاہر کیا ہے۔ "اُن لوگوں نے جو اندھیرے میں بیٹھے تھے بڑی روشنی دیکھی اور اُن پر جو موت کے ملک اور سائے میں بیٹھے تھے نور چمکا"۔ اِسی طرح جن لوگوں نے اِس نئے واعظ کا کلام سُنا اُسکے اور معمولی معلموں کے درمیان اِس قدر اختلاف دیکھکر دنگ ہو گئے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "لوگ اُس کی تعلیم سُن کر دنگ ہو گئے کیونکہ وہ فقیہوں کی طرح

نہیں بلکہ اختیار والوں کی طرح تعلیم دیتا تھا +

فقیہہ اُن کے معمولی معلّم تھے جو ہفتہ وار عبادتخانوں میں اُن کو پند و نصیحت کیا کرتے تھے۔ بلاشبہ اُن کے درمیان بہت کچھ باہم فرق ہوگا۔ وہ سب کے سب ایک سے بُرے نہیں ہونگے۔ مگر بحیثیت مجموعی غالباً وہ نہایت ہی خشک اور غیر روحانی لوگ تھے۔ یہودی کتابوں کے اُس مجموعے میں جو تالمود کہلاتی ہیں اور جو ہم تک پہنچیں ہم اُن کی تعلیم کے نمونے دیکھتے ہیں۔ اور جنہوں نے اُن کو مطالعہ کیا ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ انسانی ذہن کی نہایت خشک پیداوار ہیں۔ اُنہیں پڑھنا بیشمار رڈی چیزوں سے بھری ہوئی اندھیری کوٹھریوں میں جانے کی مانند ہے جہاں گرد و غبار کے مارے دم گھٹنے لگتا ہے +

لوگوں نے یسوع کی باتوں پر نظر کرکے اپنے معلّموں کے بڑے عیب کو ٹھیک ٹھیک معلوم کرلیا۔ کیونکہ اُنہوں نے کہا کہ وہ فقیہوں کی مانند نہیں بلکہ اختیار کے ساتھ تعلیم دیتا ہے۔ یعنی فقیہہ بغیر اختیار کے تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ اُن تالمودی تحریروں کا یہی بڑا خاصہ ہے۔ اُس میں کوئی معلّم ایسے طور پر تعلیم نہیں دیتا جس سے معلوم ہو۔ کہ وہ کبھی خود خدا کی رفاقت میں رہا ہے۔ یا اُس نے اپنی آنکھوں سے روحانی دُنیا کو دیکھا ہے۔ اُن میں سے ہر ایک کسی سابقہ معلّم کو نقل کرتا اور اُسی سے سند لیتا ہے۔ اُن سب کا مدار ایک دوسرے پر ہے۔ یہ بڑی بُری قسم کی تعلیم ہے۔ گو کہ وہ اکثر رواج پکڑ جاتی ہے بعض اوقات وہ بڑے غرور اور شیخی کے ساتھ اپنے کو آرتھوڈکسی یعنی عقائد مستند کے نام سے پکارتی۔ کیا تم نے لوگوں کو خدا کا اِس طور سے ذکر کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ گویا کہ وہ صدہا سال

ہوئے بیبل کے لکھنے والوں کے زمانے میں موجود تھا۔ مگر زمانۂ حال کی زندگی اور تواریخ میں کار و حرکت نہیں کرتا ہے کیا تم نے خدا میں خوش ہونے۔ معافی کی خوشی۔ روح کی معموری بطور روحانی زندگی کے دیگر اعلےٰ تجربوں کا اِس طور پر ذکر ہوتے نہیں سُنا۔ گویا کہ فی الحقیقت بیبل کے مقدسین نے اِن تجربوں کو حاصل کیا۔ مگر حال کے زمانوں میں اُن کی امید کرنا فضول ہے؟ ہوسکتا ہے کہ بعض لوگ بیبل کو بطور قیدخانہ کے بنا کر اُس میں خدا کو بند کردیں۔ یا بطور ایک نمایش گاہ کے قرار دیدیں جس میں روحانی زندگی بطور قدیمی زمانہ کے عجائبات کے رکھی ہوئی ہو۔ مگر جو لوگ یسوع کی باتیں سُننے آتے تھے محسوس کرتے تھے۔ کہ وہ عالمِ روحانی کے ساتھ قریبی تعلّق رکھتا ہے۔ اور اُن کو اُن باتوں کی خبر دیتا ہے جو اُس نے خود دیکھی اور محسوس کی ہیں۔ وہ محض ایک شارح نہیں ہے جو اُس پیغام کو جو عالمِ بالا سے عرصے کے مرے ہوئے آدمیوں کو ملا دوہراتا ہے۔ وہ ایک ایسے آدمی کی مانند بولتا ہے۔ جو باری تعالےٰ کے حضور سے ابھی آیا ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ اب بھی وہیں ہے۔ اور جس چیز کا بیان کرتا ہے اُس کو دیکھ رہا ہے۔ وہ فقیہہ نہیں بلکہ ایک نبی تھا۔ جو کہہ سکتا تھا کہ "خداوند یوں فرماتا ہے"۔

اِس طرح اُس کی شہرت دان سے بیرسبع تک پھیل گئی۔ لوگ چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہتے تھے کہ ایک بڑا نبی ہمارے درمیان برپا ہوا۔ گڈریا بیابان میں اپنی بھیڑیں اور کسان اپنے انگورستان اور مچھوا ساحل پر اپنے جال چھوڑ کر سب کے سب نئے واعظ کو سُننے جاتے تھے۔ کیونکہ بنی انسان جانتے ہیں کہ وہ دوسرے جہان کے پیغام کے حاجتمند ہیں۔ اور جب وہ حقیقی پیغام کو سُنتے ہیں وجدانی طور پر اُسے پہچان لیتے ہیں۔

۳

وعظ بعض اوقات واعظ کی ذات سے بہت تاثیر حاصل کرتا ہے۔ وہ لوگ جو فقط وعظ کو پڑھتے ہیں اُن لوگوں کی زبانی جنہوں نے اُسے واعظ کی زبان سے سُنا یہ سنتے ہیں کہ اِس سے اُسکے حقیقی زور کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ اِس کو سب لوگ جانتے ہیں کہ بعض نہایت مشہور واعظوں کی تقریریں جو اُن کی وفات کے بعد چھاپی گئیں۔ دنیا کی نظر میں ایسی باقدر ثابت نہیں ہوئیں۔ اور بعد کی نسلیں حیرت سے یہ سوال کرتی ہیں کہ اُن کی تاثیر کس بات میں تھی؟ تاثیر اُس آدمی میں تھی۔ اُس کی ذات کی خصوصیت میں۔ اُس کی صورت کے رُعب میں۔ اُس کی گرمجوشی یا اُس کی اخلاقی قوت میں +

مگر یسوع کی نسبت نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کا مطبوعہ کلام بھی ویسا ہی تسلی بخش ہے۔ برخلاف اِسکے خواہ وہ کسی طرح بولا جاتا اُس کا وزن اور قدرت ضرور لوگوں کے دلوں کو کھینچ لیتی۔ مگر اِس صورت میں بھی جیسا کہ اُس کے سُننے والوں کی باتوں سے بآسانی معلوم ہو سکتا ہے واعظ اور وعظ دونو پُرتاثیر تھے۔ البتہ ہم نہیں جانتے کہ یسوع کی صورت کیسی تھی؟ آیا اُس کی صورت دلکش تھی؟ آیا اُس کی آواز شیریں تھی؟ اِس بارے میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ لیکن ہم کسی قدر اُس تاثیر سے واقف ہیں جو اُس کے سُننے والوں پر ہوتی تھی +

اگرچہ بہت سی پُشتوں تک جن واعظوں کو اُسکے ہموطن سُنتے رہے تھے وہ خشک اور بے مزہ فقیہہ تھے۔ تاہم یہودی قوم کی روایتیں جن پر اُن کو نہایت فخر تھا۔

ایسے خداشناس مقرروں سے پُر تھیں جن کی آوازوں نے گذشتہ زمانوں میں ملک کو گونجا دیا تھا۔ اور جن کے اوصاف قوم کے لوح دل پر نقش تھے۔ پس جونہی یسوع نے منادی کرنی شروع کی تو لوگوں نے فوراً جان لیا کہ انبیا کا فرقہ از سرِ نو بحال ہوگیا ہے اور اُنہوں نے کہا کہ وہ نبیوں میں سے ایک کی مانند بولتا ہے ؛

مگر یہیں بس نہیں۔ بلکہ وہ یہ بھی یقین کرنے لگے کہ قدیم نبیوں میں سے ایک مُردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ اور یسوع کے جسم میں پھر اپنے کام کو اختیار کیا ہے۔ اِس خیال کے بارے میں اُن کے درمیان دو قدیم نبیوں کی بابت اختلاف رائے تھا۔ اور اِن دو کا نام چُننے سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُنہوں نے کون کون سی صفات خاص طور سے اُس میں دریافت کیں تھیں۔ یہ دو نبی یرمیاہ اور الیاس تھے۔ بعض کہتے تھے کہ وہ یرمیاہ ہے اور بعض کہ وہ الیاس ہے ؛

اب یہ دونو بڑے نبی تھے۔ شاید عوام کے نزدیک بہت ہی بڑے سمجھے جاتے تھے۔ پس اُنہوں نے سب سے بڑوں کے ساتھ اُس کو تشبیہ دی۔ مگر اِن دونو کے مزاج ایک دوسرے سے بالکل متضاد تھے۔ جس سے یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ اِن دونو کے اوصاف ایک ہی ذات میں جمع کئے جائیں ؛

یرمیاہ حزیں مزاج اور حلیم طبع آدمی تھا۔ ایسا نرم دل کہ وہ چاہتا تھا کہ کاش میری آنکھیں آنسوؤں کا سوتا ہوتیں تو اپنے لوگوں کی مصیبتوں پر روتا۔ کچھ تعجب نہیں کہ جنہوں نے مسیح کی منادی سُنی اُنہوں نے اُس کے ساتھ اُس کی مشابہت دریافت کرلی۔ کیونکہ پہلی ہی نظر میں ظاہر ہوگیا ہوگا کہ یسوع بڑا نرم دل ہے۔ اُسکے پہاڑی

وعظ کے پہلے ہی فقروں میں اُس نے غریبوں اور ماتم کرنیوالوں اور مظلوموں کی حالت پر ترس کھایا۔ اُسکے سامعین میں سے نہایت ذلیل شخص نے بھی معلوم کر لیا ہوگا کہ وہ اُس میں دلچسپی رکھتا اور اُسکے فائدے کے لئے ہر طرح کی تکلیف اٹھانے کو تیار ہے۔ اگرچہ اُس کا خطاب سب جماعتوں کی طرف تھا۔ لیکن اُس کا فخر اس بات میں تھا کہ وہ غریبوں کے سامنے انجیل کی منادی کرتا ہے۔ جبکہ فقیہہ دولتمندوں کی چاپلوسی کرتے اور معزز سامعین کی تلاش کرتے تھے۔ ایک عام آدمی بھی جانتا تھا کہ یسوع اپنے سامعین میں سے اُس کی روح کو ایسا ہی قیمتی سمجھتا ہے جیسے ایک دولتمند کی روح کو۔ لوگوں کے گروہ دیکھکر اُس کو بڑا ترس آتا تھا اور یرمیاہ کی مانند اُسکے دل میں اپنے وطن اور ہموطنوں کی ایسی سخت محبت جاگیر تھی۔ کہ محصول لینے والا اور قحبہ بھی اُس کو عزیز تھے۔ اِس لئے کہ وہ ابراہیم کی نسل تھے ٭

اِلیاس کا مزاج ہر ایک بات میں یرمیاہ کے برعکس تھا۔ وہ سنگین آدمی تھا۔ بادشاہوں اور حاکموں کو اُن کے مُنہ پر ملامت کرتا اور اکیلا ساری دُنیا کے مقابلے پر کھڑا تھا۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ شخص جس سے یرمیاہ کے خصائل ظاہر ہوں۔ اِلیاس کے خصائل بھی رکھ سکتا ہے۔ مگر لوگوں نے یسوع کو اِلیاس بھی خیال کیا۔ اور اُن کا یہ خیال غلط نہ تھا۔ یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے۔ کہ یسوع سراسر نرمی اور ملائمت ہی تھا۔ اُسکے بہت سے اقوال میں ایسی سختی تھی جو اُن الفاظ سے جو اِلیاس نے اخیاب کو ملامت کرتے ہوئے کہے کچھ کم نہ تھے ۔ دلیرانہ شرارت کی نفرین کرنا اُس کی قدرت کا ایک سب سے بڑا عنصر تھا۔ اِس دُنیا میں۔ اِلیسا سخت اور دندان شکن

حملہ کبھی نہیں سُنا گیا جیسا اُس نے فریسیوں کے برخلاف کیا *

حقیقت یہ ہے کہ دونو صفات یعنی اُس کی ملائمت اور اُس کی سختی ایک ہی جڑ رکھتی تھیں۔ جیسے کہ وہ ایک نہایت غریب کسان کو انسان سمجھ کر اُس کی تعظیم کرتا تھا۔ اُسی طرح ایک نہایت دولتمند امیر کو بھی انسان سے بڑھکر نہ سمجھتا تھا۔ جیسے کہ لعزر کے پھٹے کپڑے اُس کی روح کے رُتبے کو اُس سے نہ چھپا سکے۔ ویسے ہی دولتمند کی لال پوشاک اُس کی کمینگی پر پردہ نہ ڈال سکی۔ وہ جانتا تھا کہ انسان کیا کچھ ہے؟ اُس کی بلندی اور پستی۔ جلال اور ذلت۔ صفات اور عیوب اُس کے سامنے کھُلے تھے۔ اور جو آدمی اُس کے روبرو ہوتا فوراً معلوم کر لیتا تھا۔ کہ یہاں ایک شخص ہے۔ جس کی انسانیت گو عام انسانوں کی انسانیت سے کہیں بلند ہے۔ تاہم نیچے جھک کر اُس سے بغلگیر ہوتی۔ اور ذرا ذرا بات میں اُس سے ہمدردی رکھتی ہے *

۴

شاید ہی کوئی واعظ ہو گا۔ جس نے عوام کے دل پر گہری تاثیر پیدا کی ہو۔ سوائے اُس شخص کے جس نے پہلے اس بات پر خوب غور نہ کیا ہو۔ کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے اُس کو کن الفاظ میں ادا کرنا چاہئے۔ یا زیادہ صحیح طور پر ہم یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ خدا کا سچا قاصد جو لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہو۔ طبعاً اپنے پیغام کو دلکش اور دل نشین الفاظ کے لباس میں مُلبس کرتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ اکثر نوجوان جب منادی کا کام شروع کرتے ہیں اس امر سے بے پروائی کرتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اگر اُن کے پاس کوئی اچھی بات کہنے کے لئے ہے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کہ اُسے

کس طرح بیان کرتے ہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوگی جیسے کوئی صاحب خانہ اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ اگر اُس کے پاس کوئی اچھی چیز مہمانوں کے کھانے کے لئے ہے۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کہ وہ کس طرح پکائی جائے ؛

یسوع کی تعلیم کی کشش بڑی حد تک اُس کی لبھانیوالی صورت پر موقوف تھی اور اب بھی ہے۔ میرے خیال میں عوام النّاس عموماً کسی بحث یا لمبی تقریر کے سلسلے کو اس قدر یاد نہیں رکھتے جیسے اُن بعض گرم فقرات کو جو کہیں برجستہ نکیلے اور شفاف الفاظ میں ظاہر کئے گئے ہوں۔ یسوع کے زیادہ تر اقوال کی یہی صورت ہے۔ وہ سادہ اور خوشنما ہیں اور باسانی یاد رہ سکتے ہیں۔ لیکن اُن میں سے ہر ایک معانی سے بھرا ہُوا ہوتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ اُن پر غور کریں اُسی قدر گہرے مطالب اُن میں نظر آتے ہیں۔ وہ ایک صاف و شفاف چشمے کی مانند ہیں۔ جس میں دیکھنے سے بالکل تھوڑا پانی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب تم اپنی چھڑی سے اُن پتھروں کو جو اُس کی تہ میں صاف نظر آرہے ہیں چھونا چاہتے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی گہرائی تمہارے گمان کی نسبت بہت زیادہ ہے ؛

لیکن یسوع کی گفتار میں ایک اور صفت بھی تھی جس کے سبب سے وہ ہر دل عزیز ہیں۔ وہ بڑی کثرت سے تمثیلوں سے آراستہ ہیں جو انسانی کلام کی نہایت ہی دلکش صفت ہے۔ ایک ہی خدا عالمِ خیال اور عالمِ مادہ دونو کا خالق ہے اور اُس نے اُن کو ایسے طور پر بنایا ہے۔ کہ قدرتی اشیا اگر ایک خاص طور پر پیش کی جائیں۔ تو روحانی سچائیوں کو آئینہ کی طرح منعکس کرتی ہیں۔

اور ہماری بناوٹ بھی اس قسم کی ہے۔ کہ ہم کبھی سچائی کا ایسا مزہ نہیں اُٹھاتے۔ جیسا
اُس وقت جبکہ وہ اِس طور سے پیش کی جائے۔ نیچر کے پاس اِس قسم کے ہزارہا
آئینے روحانی سچائیوں کو دکھلانے کے لئے موجود ہیں۔ جو اب تک استعمال میں
نہیں آئے بلکہ ایسے قادران کلام کے ہاتھ کے منتظر ہیں۔ جو ابھی پیدا
نہیں ہوئے ۔

مسیح سچائی کی تشریح کرنے کے لئے اِس طریق کو اِس قدر کثرت سے
استعمال کرتا تھا کہ اُس ملک کی عام اشیا جس میں وہ رہتا تھا۔ اُس عہد کے تمام
مؤرخوں کی نسبت اُس کے کلام میں زیادہ کامل طور پر نظر آتی ہیں۔ اِس طور سے
یسوع کے زمانے میں گلیل کے یہودیوں کا طریقِ زندگی اُس تاریکی میں سے جو
دیگر اشیا پر چھا رہی ہے۔ بالکل نمایاں ہوگیا ہے۔ اور جیسا جادو کی لالٹین کے
پردے پر چیزوں کی تصویریں نظر آتی ہیں۔ اُسی طرح اُس کے کلام میں اُس
ملک کے نظاروں۔ لوگوں کے طریقِ رہائش اور شہری لوگوں کے حالات کی تصاویر دیکھتے ہیں۔
گھر میں پیالہ اور طباق۔ چراغ و شمعدان نظر آتے ہیں۔ نوکروں کو چکی میں اناج
پیستے اور اُس میں خمیر ملاتے یہاں تک کہ سب خمیرہ ہو جاتا۔ ملاحظہ کرتے ہیں ہم
کُنبے کی ماں کو پُرانے لباس پر کپڑے کا پیوند لگاتے اور باپ کو مشکوں میں
مے نچوڑتے دیکھتے ہیں۔ دروازے پر مرغی اپنے بچّوں کو پروں تلے جمع کرتی۔ اور
گلیوں میں لڑکے بیاہ شادی اور غمی کا کھیل کھیلتے نظر آتے ہیں۔ باہر کھیتوں
میں سوسن اپنی شاندار خوبصورتی سے سلیمان کو رشک دلاتی۔ کوّے بیج بونے والے

کے پیچھے پیچھے بیج اُٹھاتے اور پرند ٹہنیوں کے درمیان گھونسلے بناتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبوتر اور گورے۔ کُتّے اور سؤر۔ انجیر اور خار دار جھاڑیاں بھی وہاں نظر آتی ہیں۔ اوپر آنکھ اُٹھا کر ہم بادل کو دکھنی ہوا کے ساتھ اڑتے۔ شام کے لال آسمان کو عمدہ اور صاف صبح کی امید دلاتے اور بجلی کو آسمان کے گوشے سے دوسرے گوشے تک کوندھتے دیکھتے ہیں۔ ہمیں انگورستان مع بُرج اور کولھو کے نظر آتے ہیں۔ کھیت بہار کی نرم پتی سے آراستہ یا کاٹنے والے ربیع کی فصل کاٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ بھیڑ سامنے چراگاہ میں چرتی پھرتی ہے۔ گڈریا اُن کے آگے آگے جاتا یا کھوئی ہوئی کو پہاڑوں یا وادیوں میں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ کیا ہماری گلیوں میں ایسی صورتیں ہیں جن سے ہم زیادہ واقف و مانوس ہیں بہ نسبت اُس فریسی اور محصول لینے والے کے جو ہیکل میں دعا مانگنے گئے۔ یا بہ نسبت یریحو کی سڑک والے کاہن اور لاوی اور نیک سامری کے۔ یا بہ نسبت عمدہ لباس والے دولتمند کے جو ہر روز جلسے کرتا اور لعزر کے جو اُسکے دروازے پر پڑا رہتا اور جس کے گھاؤ کُتّے چاٹتے تھے۔ یہ تصویریں اگرچہ روزمرہ لوگوں کے سامنے تھیں تو بھی اُن کے لئے کچھ کم حیرت انگیز تھیں۔ کیونکہ ہماری ساخت اِس قسم کی ہے کہ ہم اشیا کو جن کے پاس سے ہم سینکڑوں دفعہ بے پروائی سے گذرے ہونگے۔ جب صفحۂ تصویر پر دیکھتے ہیں تو پیار کرنا شروع کرتے ہیں ❖

یہ اُس خالص محبت اور لحاظ کی وجہ سے تھا جو وہ اپنے سامعین کے ساتھ رکھتا تھا کہ وہ اِس طور سے اُن کے دلوں کو قابو میں لانے کے لئے ایسے دلپسند

الفاظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر استعمال کرتا تھا۔ لیکن اِس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی تھی جو خاص اُسی کی ذات سے متعلق تھی۔ اُس وقت جبکہ واعظ کا ذہن کسی سچائی پر بڑی قوّت اور خوشی کے ساتھ غور کرتا ہے۔ تو اُس سے ایسی ہی روشن تمثیلات کی پھُل جھڑیاں جھڑنے لگتی ہیں۔ جب قوتِ ذہنی شیر گرمی کے ساتھ کسی مضمون میں لگتی ہے تو اُس وقت عام اور بے مزہ باتیں نکلتی ہیں۔ لیکن جوں جوں حرارت بڑھتی اور کُل دماغ پر حاوی ہوتی ہے۔ تو صاف۔ پُر زور اور دل نشین خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن جب آگ کُل جسم میں بھڑک اُٹھتی تو اُس وقت ایسی شاندار تصویریں اور تمثیلیں نکلتی ہیں۔ جو سُننے والوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے جگہ پکڑ لیتی ہیں ؞

۵

وعظ کی ظاہری صورت کا خیال رکھنا خواہ کیسا ہی اہم کیوں نہ ہو مگر نہایت ہی گراں قدر چیز اُس کا نفس مضمون ہے۔ صورت صرف سکّے کا نقش ہے۔ اصل چیز دھات ہے۔ وہ کیا ہے؟ سونا یا چاندی یا صرف تانبا؟ آیا وہ کھری ہے یا کھوٹی؟ دھات کی نسبت یہی سوال ضروری ہے ؞

وعظ کا مضمون ایسا ناقص کبھی نہیں تھا جیسا یہودی فقیہوں میں۔ یہ بات تالمود سے بخوبی ظاہر ہے۔ جن مضامین پر وہ بحث کرتے ہیں بالکل بیہودہ ہیں اور اِس لائق نہیں کہ اُن پر کچھ بھی توجہ کی جائے۔ فقیہوں کا مذہب فقط رسومات کا ایک سلسلہ تھا اور اُن کا وعظ بھی بالکل انہیں باتوں پر محدود

ہوتا تھا۔تعویذوں کی چوڑائی۔روزوں کی لمبائی۔دہ یکی دینے کے لایق اشیا اور اور ایک سو ایک باتیں جن سے جسمانی طہارت کامل ہوسکتی۔یہ اور ہزاروں ایسی ہی باتیں اُن کی تھکا دینے والی تقریروں میں بیان کی جاتی تھیں۔اُس کے بعد بھی کلیسیا کی تاریخ میں ایسے زمانے آتے رہے ہیں۔جبکہ وعظ ایسی ہی پست حالت پر پہنچ گیا۔خود ملکِ انگلستان میں زمانۂ اصلاح سے پہلے راہبوں کے وعظ مسیح کے زمانے کے فقیہوں کی نسبت زیادہ بدتر اور بیہودہ ہوتے تھے۔اِسی طرح گذشتہ صدی میں ملکِ جرمنی میں بھی وعظ نہایت ذلیل حالت کو پہنچ گیا تھا۔سچ تو یہ ہے کہ ایسا بھی ہونا ہی چاہیے۔جب واعظوں کے دل سرد ہو جاتے ہیں تو وہ انجانے اصولی باتوں سے ہٹ کر فروعی باتوں پر جا لگتے ہیں اور آخر کار اِن سے بھی پرے چلے جاتے ہیں*

ہم اُن مضامین کو جو مسیح کی منادی کا مضمون تھے اِس جگہ بیان نہیں کرسکتے۔یہی کہنا کافی ہوگا کہ اُس کا نفسِ مطلب ہمیشہ وہ ہوتا تھا جو انسانی ذہن کے لئے نہایت سنجیدہ اور ضروری ہے۔وہ خدا کا ایسے طور پر ذکر کرتا تھا جس سے اُسکے سامعین یہ محسوس کرتے تھے۔کہ گویا خدا اُن کی نظروں میں نور ہے اور اُس میں بالکل تاریکی نہیں۔جب اُس نے ایسی تمثیلات جیسے کھوئی ہوئی بھیڑ اور مسرف بیٹے کی تمثیل بیان کی۔تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور اُس رحیم خدا کے دل کی حرکت کو دیکھ سکتے ہیں۔وہ آدمی کا ایسے طور پر ذکر کرتا تھا جس سے ہر ایک سُننے والا محسوس کرتا تھا کہ

اِس وقت تک یا تو وہ اپنے آپ سے یا بنی انسان سے ناواقف تھا- وہ ہر ایک آدمی کو آگاہ کر دیتا تھا- کہ خود اُس کے سینے میں ایک چیز ہے جو تمام عالموں کی نسبت زیادہ قیمتی ہے- اور اُس کی زندگی کی گذرتی ہوئی گھڑیاں جو ظاہراً ایسی کم قدر معلوم ہوتی ہیں- ایسے نتائج سے مملو ہیں- جو آسمان تک بلند اور دوزخ تک گہرے ہیں- جب اُس نے آبدیت کا ذکر کیا تو زندگی اور بقا کو جن کی نسبت اِس وقت سے پہلے لوگ دھندلا سا علم رکھتے تھے پورے طور پر ظاہر کر دیا- اور پسِ پردہ عالم کا ایسے صاف اور عام فہم الفاظ میں ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُس ملک سے ناواقف نہیں ؀

یہ دیکھ کر کیا یہ عجیب معلوم ہو گا کہ جماعتیں اُس کے پیچھے لگی رہتی تھیں اور اُس کی باتوں سے کبھی بھی سیر نہیں ہوتی تھیں- انسان اگرچہ اِس دُنیا کی چیزوں میں غرق ہو رہا ہے تو بھی وہ اپنے دل کی تہ میں جانتا ہے کہ اُس کا تعلق ایک دوسرے جہان سے ہے- گو اِس جہان کا علم دلچسپ ہے تو بھی دوسرے جہان کے متعلق سوالات رُوحِ انسان کے لئے ہمیشہ زیادہ دلفریب ہیں- میں کہاں سے ہوں؟ میں کیا ہوں؟ میں کہاں جاتا ہوں؟ اگر ہمارے واعظ ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتے- تو بہتر ہے کہ ہم اپنے گرجے بند کر دیں- وہ آواز جو گلیل کے دامنِ کوہ سے نکلی اور جو ان اسرار کا ایسے صاف طور سے ذکر کرتی تھی- فی الحقیقت اُس وقت تک کبھی نہیں سنینگے- جب تک کہ اُس عظیم تخت پر سے اُسے نہ سُنیں- مگر وہ دل اور رُوح جو ان آوازوں

میں ظاہر ہوئے کبھی نہیں مرتے وہ جیسے اُس وقت ویسے اب بھی زندہ اور درخشاں ہیں۔ جب کبھی کوئی واعظ اَبدی سچائی کی سُر کو ٹھیک طور پر الاپتا ہے تو خود مسیح ہی اُس میں بولتا ہے۔ جب کبھی کسی واعظ کا کلام سُن کر تم محسوس کرتے ہو۔ کہ اِس جہان کے پرے جس کو ہم دیکھتے اور چھوتے ہیں ایک حقیقی عالم موجود ہے۔ جب کبھی وہ تمہارے ذہن کو پکڑ لیتا اور تمہارے دل پر تاثیر کرتا اور تمہاری امنگوں کو جگاتا اور تمہاری ضمیر کو جلاتا ہے۔ تو یہ مسیح ہی ہے جو تمہیں پکڑنے کی۔ اپنی محبت کے ساتھ تم تک پہنچنے کی اور تمہیں بچانے کی کوشش کرتا ہے "اس لئے ہم مسیح کے ایلچی ہیں۔ گویا کہ خدا ہمارے وسیلے منت کرتا ہے۔ سو ہم مسیح کے بدلے التماس کرتے ہیں کہ تم خدا سے میل کرو"۔

۱۴

مسیح کا نمونہ تعلیم دینے میں

متی ۴: ۱۸ و ۱۹
۹: ۱۴-۱۷
۱۰ باب
۱۲: ۱-۳ و ۴۹
۱۳: ۱۰ و ۱۱ و ۱۶-۳۶
۱۵: ۱۵ و ۱۶ و ۲۳ و ۲۴ و
۳۲ و ۳۶
۱۶: ۵-۲۸
۱۷ باب
۱۸: ۱-۳ و ۲۱ و ۲۲
۱۹: ۱۳-۳۰
۲۰: ۱۷-۱۹ و ۲۰-۲۸
۲۶: ۲۱ و ۲۲ و ۲۶-۳۶ و ۵۶
۲۸: ۷ و ۱۰ و ۱۶-۲۰

مرقس ۳: ۱۴
۴: ۳۴
۶: ۳۰-۳۲
۹: ۳۵-۴۱
۱۶: ۷
لوقا ۹: ۵۴-۵۶
۱۰: ۱-۱۷
۱۱: ۱
۲۴: ۳۶-۵۱
یوحنا ۲: ۱۱ و ۱۲
۴: ۲
۱۳-۱۷ باب

چودھواں باب

مسیح کا نمونہ تعلیم دینے میں

۱

معلم کا کام واعظ کی نسبت زیادہ تر محدود ہے۔ واعظ ایک جماعت سے خطاب کرتا ہے۔ مگر معلم اپنی توجہ کو صرف چند منتخب اشخاص پر لگا دیتا ہے جن جماعتوں کے سامنے یسوع نے منادی کی اُن کی گنتی ہزارہا ہزار کی تھی۔ مگر جن اشخاص کے ساتھ اُس نے معلّم کا برتاؤ کیا۔ وہ صرف بارہ تھے۔ لیکن نتائج کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالباً جو کام اُس نے اِس حیثیت سے کیا۔ اُس کی قیمت اُس کی منادی کے تمام کام کی نسبت کسی طرح کم نہ تھی ٭

مسیح سے پہلے بہت سے مشہور و معروف معلم ہو چکے تھے۔ یونانی فلسفہ میں سقراط۔ افلاطون۔ ارسطو اور دیگر مشہور و معروف اُستاد ایک طرح سے اپنے شاگردوں کے ساتھ وہی تعلق رکھتے تھے جو یسوع کو اپنے شاگردوں

کے ساتھ حاصل تھا۔ یہودیوں کے درمیان بھی یہ رشتہ نامعلوم نہ تھا۔ انبیا کے مدارس میں جن کا عہد عتیق میں ذکر ہے۔ "مرد خدا" "انبیازادوں" کے معلم تھے۔ یوحنا بپتسما کے پاس علاوہ جماعتوں کے جن کو وہ منادی کرتا تھا ایسے شاگرد تھے جو اُسکے ساتھ ساتھ رہتے تھے ؁

یونانی زبان کسی اُستاد کے شاگردوں کو اِن الفاظ سے تعبیر کرتی ہے کہ "وہ جو اُس کے آس پاس ہیں"۔ مثلاً سقراط کے شاگردوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے تھے کہ "وہ جو سقراط کے آس پاس ہیں"۔ اِسی طرح اناجیل میں لکھا ہے کہ یسوع نے بارہ کو چُنا "تاکہ وہ اُس کے ساتھ رہیں"۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس واقعہ سے اُن اشخاص کی تعداد جو خاص معنوں میں اُس کے شاگرد تھے محدود ہو گئی ہوگی۔ کیونکہ تھوڑے ایسے تھے۔ جو اپنا گھر اور کاروبار چھوڑ کر اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ وہ ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہتا تھا۔ اور اسلئے اُس کے ہمراہیوں کے لئے ایک جگہ جم کر کاروبار میں مشغول ہونا بالکل ناممکن تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ صرف عارضی طور پر یا وقتاً فوقتاً اُس کے ہمراہی میں رہتے تھے۔ کیونکہ ہم ایک موقعہ پر ایک سو بیس شاگردوں کا اور دوسرے موقعہ پر صرف ستّر کا ذکر پڑھتے ہیں۔ مگر وہ جن کو اُس نے منتخب کیا کہ سب کچھ چھوڑ کر ہمیشہ اُس کے ساتھ رہیں اُن کی تعداد صرف بارہ ہی رہی ؁

اِس طور پر شاگردوں کی تعداد کو محدود کرنے کے لئے ایک اور وجہ بھی تھی۔ اُستاد کے لئے ضرور ہے کہ وہ اپنے شاگردوں میں سے ہر ایک کو فرداً فرداً

جاننے اور اُن کے حالات سے بخوبی واقفیت حاصل کرے۔ جیسے کہ ماں اپنے
ہر ایک بچے کی طبیعت اور مزاج کا جدا جدا اندازہ کرتی ہے۔ تاکہ اُن کی پرورش
اچھی طرح سے کر سکے۔ واعظ ایک جماعت سے خطاب کرتے ہوئے اپنی کمان
کو اٹکل پچو کھینچتا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس کا تیر کس نشان پر لگیگا۔ بلکہ وہ
وعظ میں کسی خاص شخص کا ذکر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہے۔ مگر معلّم ہر ایک
سوال اور خیال میں خاص افراد کو خطاب کرتا ہے۔ اور اِس لئے حاضرین میں سے
ہر ایک کی ذہنی حالت کو جاننا اُس کے لئے لابدی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک
انجیل نویس نے بارہ شاگردوں کے نام ایسی درستی سے بیان کئے ہیں اور
اُن کے باہمی تعلقات کو بھی جتا دیا ہے۔ شاید اِن بارھوں کی طبیعت اور
حالات باہم اِس قدر مختلف اور متفرق تھے جس قدر ایسی تعداد کی جماعت
میں ہونے ممکن ہیں۔ مگر تو بھی اُن کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی کہ اُن کے ساتھ
فرداً فرداً برتاؤ کرنا ناممکن ہو۔ اِس امر کی کامل شہادت موجود ہے کہ اُن کا
اُستاد اُن کے حالات کو بخوبی مطالعہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اُن میں سے
ہر ایک کی خصلت کے تمام پہلوؤں سے بخوبی واقف ہوگیا۔ اور ہر ایک کے
ساتھ ٹھیک اُس کی حالت کے مطابق سلوک کرتا تھا۔ اُس کا یوحنا کے ساتھ محبت
سے پیش آنا اُس شاگرد کے مزاج کے ٹھیک مناسب تھا۔ اور اِسی طرح
توما کی طبیعت تحمل اور بردباری کے طریق سے مناسبت رکھتی تھی۔ مگر جس
ڈھنگ سے اُس نے پطرس کے ساتھ برتاؤ کیا۔ وہ اُس کے اِس فن میں

کامل مہارت رکھنے کا سب سے اعلےٰ اور شاندار ثبوت ہے۔ کیسے پورے طور پر وہ اُس سے واقف تھا۔ وہ اُس کے مزاج کے پُرجوش اور متلوّن جذبوں پر ایسا قابو رکھتا تھا جیسے ایک کامل شہسوار ایک تُند مزاج گھوڑے کو اپنے بس میں رکھتا ہے۔ اور اِس معاملہ میں وہ کیسا کامیاب ہوُا! اُس نے اُس طبیعت کو جو پانی کی مانند بیقرار تھی چٹان کی مانند مضبوط بنا دیا۔ اور اِس چٹان پر عہد جدید کے کلیسیا کی بنیاد قائم کی۔ رسولوں کے اِس دائرے میں جو اور شامل تھے اُن کے ساتھ بھی اُس نے ایسا ہی کیا۔ دغاباز شاگرد کے سوا باقی سب کے سب اپنے اُستاد کی تعلیم کے وسیلے کلیسیا کے ستون اور جہان میں قدرت والے بننے کے قابل ہو گئے۔

یسوع نے منّاد اور معلّم کے کام کو اکٹھّا کر دیا۔ پہلا کام زیادہ دلکش تھا۔ اور ممکن تھا کہ اُس کے تمام وقت اور قوت پر حاوی ہو جاتا۔ لوگوں کے ہجوم کے ہجوم شور و غوغا مچاتے ہوئے اُسکے پاس آتے تھے۔ اور اُن کی حاجات پر لحاظ کر کے اُس کا دل اُن کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ مگر اُس نے اپنے وقت کا بڑا حصّہ اِن بارھوں کی تربیت کے لئے خرچ کیا۔ ہم شمار و تعداد کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ خادم الدین اپنے کام کی کامیابی کا اِسی سے اندازہ کرتا ہے۔ اور خدا کے بہت سے خادم اِنہیں پر اپنی تمام طاقت کو خرچ کر دیتے ہیں۔ البتّہ یہ تو سچ ہے کہ کوئی منّاد جو مسیح کے ایسا دل اپنے سینے میں رکھتا ہو جماعتوں کو بُرا بھلا کہنے میں جو ظاہراً ایسی معقول بات معلوم ہوتی مگر بہت ناواجب ہے شریک نہیں

ہو سکتا۔ مگر مسیح کا نمونہ ہمیں اس بارے میں بھی ایک اور سبق سکھاتا ہے۔ ایک دانا کا قول ہے کہ فراخی اور تنگی کے درمیان وہی فرق ہے جو دلدل اور نالے کے درمیان ہے۔ اور یہی قول اس موقع پر بھی صادق آتا ہے۔ اگر قوت کی ایک واجبی مقدار مثلاً اس قدر جو ہم رکھتے ہیں ایک بڑی فراخ سطح پر پھیلائی جاوے تو اسکا اس سے کچھ زیادہ اثر نہیں ہوگا جیسا دلدل کے انچ بھر گہرے پانی کا۔ لیکن اسکو زیادہ محدود کام پر مجتمع کرنے سے وہ ایک نالے کی مانند ہو سکتی ہے جو اپنی تنگ نالی میں گاتا ہوا جاتا اور چکی کو چلاتا ہے۔ ایک جماعت کو لیکر اپنی تاثیر کو اسمیں منقسم کر دو۔ تو ہر ایک کے حصّے میں تھوڑی سی آئیگی۔ لیکن اسکو بارہ یا چھ یا صرف ایک شخص پر لگا دو تو اثر زیادہ گہرا اور دیر پا ہوگا۔ ایسے بہت آدمی ہیں جو ایک جماعت کو خطاب کرنے کے بالکل ناقابل ہیں مگر ایک چھوٹی سی جماعت کو تعلیم دے سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ انجام کار یہ ثابت ہو کہ اُنہوں نے بھی اُسی قدر کام سر انجام کیا ہے جیسا وہ اس زیادہ مرغوب اور تحسین انگیز قابلیت کو رکھکے کر سکتے۔

۲

بعض امور کے لحاظ سے تو بارھوں کے لئے مسیح کا طریق تعلیم اُس طریق سے جو وہ جماعت کے ساتھ برتتا تھا مشابہ تھا۔ وہ اُن تمام تقریرات کو جو وہ جماعتوں کے سامنے کرتا تھا سنتے تھے کیونکہ وہ ہمیشہ اُسکے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ تاہم اُسکے سامعین میں سے اکثروں کو ایک یا دو بار سے زیادہ اُسکی باتیں سننے کا اتفاق نہ ہوتا تھا۔ اِسکے

علاوہ اُنہوں نے خلوت میں اُسکی بہت سی تقریرات کو جن کا طرز بیان اور ساخت اُسکے پبلک وعظوں کے مشابہ تھی سنا تھا۔ اسیطرح اُنہوں نے اُسکے تمام معجزات کو بھی ملاحظہ کیا کیونکہ وہ جہاں کہیں جاتا تھا اُسکے ہمراہ جاتے تھے۔ حالانکہ اکثروں کو صرف وہی معجزات دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا جو اُس نے ایک یا دو مقامات میں کئے۔ اِسکے علاوہ اُس نے بعض نہایت عظیم الشان معجزات مثلاً طوفان کو تھمانا صرف اُنہیں کی موجودگی میں اور اُنہیں کے فائدے کے لئے دکھائے۔ اِن بڑی بڑی مُوثر اور دل میں کھُبنے والی باتوں کا بار بار اُنکے سامنے واقع ہونا اُنکی تعلیم کے لئے ناقابل بیان فوائد کا وسیلہ تھا۔

لیکن اُنکی تعلیم کے طریق میں جو بات خاص تھی وہ یہ تھی کہ وہ اُنہیں اپنے سے سوال پوچھنے دیتا تھا اور پھر اُن کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ جب کبھی اُسکی پبلک تقریر میں کوئی بات دقیق ہوتی تو وہ خلوت میں اُس سے اُس کے معنے پوچھتے اور وہ اُنہیں بتا دیتا تھا یا اگر اُس کے بیان میں کسی امر کی سچائی یا معقولیت کی نسبت اُنہیں کچھ تامل ہوتا، تو اُنہیں آزادی تھی کہ اُسکے سامنے اپنے شبہات کو پیش کریں اور وہ اُنہیں حل کر دیتا تھا۔ چنانچہ اُسکے کام کے آغاز میں ہم اُنہیں اُس سے یہ سوال کرتے پاتے ہیں کہ وہ تمثیلوں میں کیوں بات کرتا ہے؟ اور اُسکے بعد ہم بار بار اُنہیں اُن تمثیلوں کی تشریح دریافت کرتے دیکھتے ہیں جن کا مطلب اُن کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ جب اُنہوں نے طلاق کے مسئلے پر اُس کی سخت تعلیم سُنی تو اُس سے کہنے لگے۔

کہ "اگر مرد کا جورو کے ساتھ یہ حال ہے تو شادی کرنی اچھی نہیں" اِس پر
اُس نے اِس مسئلہ کا پورا پورا بیان اُنکے سامنے کر دیا۔ اِسیطرح جب اُنہوں نے اُسے یہ
کہتے سنا کہ "اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا آسان ہے بہ نسبت اِسکے کہ دولتمند خدا کی
بادشاہت میں داخل ہو" تو وہ پکار اُٹھے "تو پھر کون نجات پا سکتا ہے"؟ اِسپر اُس نے
دولت کے مضمون پر ایک مفصل تقریر کی۔ قصہ مختصر ہم انجیل میں پڑھتے ہیں کہ
"لیکن خلوت میں اپنے شاگردوں کو سب باتوں کے معنے بتلاتا تھا"

مگر وہ اِس سے بھی بڑھ کر کرتا تھا۔ وہ نہ صرف اُنہیں اپنے سے سوال پوچھنے دیتا
تھا بلکہ اُنکو ایسا کرنے کی تحریک بھی کرتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اپنے بیانات کو پیچیدہ
اور پہیلیوں جیسے اقوال میں ظاہر کرتا تھا تاکہ لوگونکو سوال پوچھنے کی تحریک ہو۔ اُسنے
خود بھی اپنی اِس تمثیلوں میں کلام کرنے کی عادت کا سبب بتلایا ہے۔ تمثیل بطور ایک
نقاب کے ہے جو سچائی کے چہرے پر پڑا ہو۔ جس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ سامعین کے
دل میں اشتیاق پیدا ہو کہ وہ اُسے اُٹھا کر اُس خوبصورتی کو دیکھیں جسکو یہ نقاب کچھ
کچھ چھپانے کے باوجود ظاہر کرتا ہے۔ معلم کو اپنے کام میں کچھ بھی کامیابی نہیں ہوتی
جب تک کہ وہ شاگردوں کے دل میں بجائے خود سعی و تحقیقات کرنے کا شوق نہیں
پیدا کر دیتا۔ جب تک شاگرد ایسی بےحرکت حالت میں رہتا ہے کہ صرف وہی جو اُس
میں ڈالا جائے قبول کرتا اور اُسکے سوا کچھ نہیں کرتا تو جاننا چاہیے کہ اُسکی حقیقی
تعلیم ابھی تک شروع نہیں ہوئی۔ اور صرف اُسی وقت جبکہ ذہن خود بخود
کسی مضمون پر اُڑنے لگتا اور اپنے میں وہ تمام مشکلات جن کا جواب سچائی مہیا کرتی

اور وہ تمام احتیاجات جن کو وہ پورا کرتی دیکھنے لگتا ہے اُسکا حقیقی نشو و نما شروع ہوتا اور وہ ترقی کے راہ پر قدم مارنے لگتا ہے۔ جو کچھ مسیح فرماتا اُس سے شاگردوں کے دلوں میں ایک قسم کا جوش سا پیدا ہو جاتا تھا۔ اُس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ اُنکے دلوں میں ہر طرح کی دقتیں اور مشکلات پیدا کر دے اور تب وہ اُنکو حل کرانے کے لیئے اُسکے پاس آتے تھے۔

سقراط کا بھی جو یونانی معلموں میں سب سے زیادہ دانا تھا یہی طریق تھا۔ اُسکی تعلیم میں بھی سوال و جواب کو بڑی جگہ حاصل ہے۔ جب کوئی شاگرد اُسکے پاس آتا تو سقراط اُس سے کسی اہم مضمون پر مثلاً راستبازی۔ میانہ روی۔ یا حکمت کے متعلق سوال پوچھتا جسکی نسبت اُس شاگرد کو خیال تھا کہ اُس سے بخوبی واقفیت رکھتا ہے۔ اُسکے جواب پر وہ ایک اور سوال کر دیتا جس سے اُسکے دل میں شک پیدا ہو جاتا کہ آیا اُسکا جواب صحیح یا کافی ہے یا نہیں۔ تب سقراط اُس مضمون کے مختلف پہلوؤں سے سوال پر سوال کیئے جاتا یہانتک کہ شاگرد کو یقین ہو جاتا کہ اُسکے رائے اس امر کی نسبت اسوقت تک نقیضات کا ایک بے ترتیب مجموعہ تھی یا غالباً یہ بھی کہ خود اُسکا دماغ بھی ابھی تک محض غیر ہضم شدہ گودے کا تودہ ہے۔

دونوں طریق سے ایک ہی غرض مقصود تھی کہ ذہن کو اس بات پر اُبھارا جائے کہ خود بخود تحقیقات میں سعی و کوشش کرے۔ لیکن ان دونوں میں ایک نہایت ہی نازک اور عمیق فرق ہے۔ سقراط سوال پوچھتا تھا اور اُس کے شاگرد اُنکا جواب دینے کی کوشش کرتے تھے۔ فی الجملہ فلسفے کے مدرسے میں جو کچھ تعلیم ہوتی تھی وہ بطور ذہنی ورزش

کی تھی۔ سوالوں کے جوابات بجائے خود کچھ وقعت نہیں رکھتے تھے۔ فی الحقیقت بہت سے فلسفیوں نے بھی اِس امر کا اقرار کیا ہے کہ اُن کے کام کا بڑا مقصد وہ ذہنی قوت ہے جو سچائی کی جستجو میں حاصل ہوتی ہے۔ اور اُن میں سے ایک کا قول ہے کہ اگر خدا اُسکے سامنے ایک ہاتھ میں سچائی کی جستجو اور دوسرے میں خود سچائی کو پیش کرے تو وہ بلا تامل اول الذکر کو قبول کریگا۔ دائرۂ فلسفہ میں تو شاید یہ [illegible]ئی کی بات سمجھی جاوے مگر کوئی دانا آدمی دائرۂ مذہب میں اُسکو استعمال کرنا پسند نہ کریگا۔ یہ نجات بخش سچائی تھی جس کی یسوع تعلیم دیتا تھا۔ اُسکی جستجو سے بھی ذہن کی تادیب و درستی ہوتی ہے مگر ہم اِس امر میں صرف جستجو پر قانع ہونے کا حوصلہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ ضرور ہے کہ ہم روح کے اِن بڑے بڑے سوالوں کا جواب حاصل کریں۔ اِسلئے جہاں سقراط صرف سوال کرنے پر اکتفا کرتا تھا۔ یسوع اُن کا جواب دیتا ہے۔ اور صرف اُسی کے پاس تمام آدمی۔ شبہات اور تحقیقات کے تاریک جنگلوں میں آوارہ و سرگرداں ہو کر۔ آخرکار روح کے عقدوں اور دقتوں کو حل کرانے کے لئے آوینگے۔ "خداوند ہم کس کے پاس جاویں ہمیشہ کی زندگی کی باتیں تو تیرے پاس ہیں"۔

۳

اگر ہم اِس سوال کے جواب میں کہ مسیح کی بارھوں کی تعلیم و تربیت سے کیا غرض تھی یہ کہیں کہ اُسکی غرض یہ تھی کہ اپنے لئے جانشین مہیا کرے تو شاید الفاظ زیادہ سخت سمجھے جاوینگے۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ اُسکے سب سے بڑے اور خاص کام میں یعنے اپنے دُکھ

اور موت سے نجات کا کام سرانجام کرنے میں نہ تو اُسکا کوئی جانشین ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اُس نے خود ہی اِس کام کو سرانجام کر دیا اور اِسکا کچھ حصہ کسی دوسرے کے کرنے کے لئے باقی نہیں چھوڑا ✦

لیکن اِس امر کو بخوبی سمجھ لینے کے بعد ہم اُس کام کو جو اُس نے معلم کی حیثیت میں کیا زیادہ عمدہ طور سے اِنہیں الفاظ میں ظاہر کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے جانشین بننے کے لئے اُنکی تعلیم و تربیت اِسطور سے کر رہا تھا جب وہ زمین سے اُٹھایا گیا تو بہت سا حصہ اُس کام کا جو وہ کیا کرتا تھا۔ اور اگر دنیا میں رہتا تو کرتا رہتا۔ اُنکے حصہ میں آیا۔ اُس معاملے کی جسکی اُس نے بنیاد رکھی حمایت کرنی اور اُسکا دنیا میں انتظام و بندوبست کرنا اُنہیں کے سپرد ہوا۔ اُسکے اپنے کام کے آغاز ہی سے یہ امر اُسکے مدنظر تھا۔ اور باوجود اور مشغلات کے جو۔ اگر وہ ایسا ہونے دیتا۔ اُسکو بالکل مستغرق کر لیتے۔ اُس نے اپنے کو ایسے لوگوں کے تیار کرنے میں لگا دیا جو اُس کی رحلت کے بعد اُس کی جگہ کام کر سکیں ✦

اُس نے پہلے پہل اُنکو اپنے کام کی ادنیٰ ادنیٰ خدمتوں پر لگایا۔ مثلاً یہ صاف لکھا ہے کہ "یسوع نہیں بلکہ اُسکے شاگرد بپتسمہ دیتے تھے۔" جب اُن کو اُسکے ساتھ رہتے زیادہ عرصہ ہو گیا اور وہ کسی حد تک مسیحی زندگی میں پختہ ہو گئے تو اُس نے اُنکو علیحدہ بجائے خود کام کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ بھی اپنے طور پر دورے پر گئے۔ گو یہ دورے بہت بڑے نہ تھے۔ اور وہ بھی منادی کرتے اور بیماروں کو چنگا کرتے پھرے۔ اور پھر اُسکے پاس واپس آکر "جو کچھ اُنہوں نے کیا اور جو کچھ سکھلایا تھا سب اُس سے بیان کیا"۔ اور پھر آئندہ کے لئے اُس سے ہدایات حاصل کیں۔ اِس طور سے بعض اوقات شاگرد پہلے سے زمین تیار

کر دیتے تھے تاکہ اُن کا اُستاد اگر اُس میں ابدی زندگی کے بیج بوئے۔ اور شاید بعض ایسے علاقوں تک اُس کی خبر پہنچ جاتی تھی جہاں بذات خود جانے کی اُسے فرصت نہ تھی۔ لیکن اِن سب باتوں سے بڑھ کر اِس طریق سے اُنکی طاقتیں نشو و نما پاتی تھیں اور اُس دن کے لئے اُنکا ایمان مضبوط ہوتا جاتا تھا جو اُسے پہلے ہی سے معلوم تھا جبکہ وہ اپنے کو تنِ تنہا کلیسیا کو قائم کرنے اور اُسکے لئے دنیا کو فتح کرنے کے عظیم کام سے رو در رو پاوینگے*

صحیح مسیحیت کا یہ ایک خاصہ ہے کہ وہ ہمارے دل میں نہ صرف ماضی کے بڑے بڑے واقعات کی نسبت بلکہ مستقبل کی تاریخ کی نسبت بھی ایک دلچسپی پیدا کر دیتی ہے۔ ایک معمولی آدمی سوائے اُس زمانے کے جہانتک اُس کی اپنی اولاد کے ساتھ اُس کا تعلق ہو زمانہ آئندہ کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ اگر وہ اِسوقت شادی و آرام میں بسر کرتا ہے تو اُسے کیا واسطہ کہ دنیا کی حالت اُس کی موت کے بعد کیا ہو گی؟ مگر مسیحی اِس بات کی بہت پروا کرتا ہے۔ اُسکے دلمیں جو ایمان او محبت ہے وہ اُسے اُن مقدسوں سے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئی پیوند کر دیتے ہیں۔ وہ ایک ایسے معاملہ میں بھی دلچسپی لیتا ہے جو اُسکے کوچ کے بعد بھی برابر جاری رہیگا اور جس سے اُسے اپنی ہستی کے بعد کی منزل میں پھر دو چار ہونا اور سر انجام کرنا پڑے گا۔ اُسکے نزدیک یہ امر کہ مسیح کا کام اُس کے قبر میں پڑنے کے بعد کس طرح سرسبز رہیگا ایسا ہی اہم ہے جیسا یہ کہ وہ کام اِسوقت کسطرح سرسبز ہو رہا ہے۔ اِسلئے ہمکو بڑی فکرمندی سے اُن لوگونکا بھی خیال کرنا چاہئے جو ہمارے بعد ہمارے کام کو کرتے رہینگے۔ مسیح نے اپنے کام کے شروع ہی سے اِس امر کا خیال کیا اور یہ پیش بینی نہایت ضروری بھی تھی*

انسان کسی معاملہ میں اِس طور سے بھی بہت مدد دے سکتا ہے کہ وہ نوجوانوں کو اِس میں لگائے اور اُس کے لئے اُن کو تربیت کرے بہ نسبت اسکے کہ وہ خود اپنی عمر کا ہر ایک لمحہ اور اپنی طاقت کا ہر ایک ذرہ اسی کام میں صرف کر دے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے علم طب کی ایک خاص شاخ کی مختصر تاریخ پڑھی۔ مجھے یہ مطالعہ بڑا ہی دلچسپ معلوم ہوا کہ کسطرح پہلے پہل اُسکا علم یونانی طبیبوں میں شروع ہو کر زمان متوسط (۱۲ تا ۱۵ صدی عیسوی) میں عربی طبیبوں کے درمیان ترقی پاتا گیا یہانتک کہ وہ زمانہ حال کی وسیع اور روز افزوں دریافتوں اور ایجادوں کے درجہ کو پہنچ گیا۔ مگر اِس تمام اطبا کے سلسلے میں جس نام نے میرے دل پر بہت اثر کیا وہ تھا جس نے اِس ترقی میں بہت کچھ مدد دی مگر جو خود اقرار کرتا تھا کہ اِس کام میں درحقیقت اُس نے کچھ نہیں کیا۔ اِس شخص کو ہمیشہ نوجوان طبیبوں کی جماعت گھیرے رہتی تھی جنکے دل میں اُس نے اِس معاملے کی نسبت جوش و سرگرمی پیدا کر دی۔ پھر وہ اُنہیں ایک ایک حل طلب مسئلہ تحقیقات کے لئے دیا کرتا تھا۔ اور آخر کار اِنہیں تفصیلی تحقیقاتوں کے اجتماع کے ذریعے سے وہ فن طب میں ایسی بڑی ایجاد و ترقی کرنے میں کامیاب ہوا۔ ہم کو اِسوقت مسیحی کلیسیا میں اور کسی چیز کی اتنی سخت ضرورت نہیں جیسی ایسے آدمیوں کی جو اِس طرح سے نوجوان اور خواہشمند اشخاص کی اُن کے مناسب حال کام کی طرف رہنمائی کریں اور اُنپر ظاہر کریں کہ کِس کِس کام کے کرنے کی حاجت ہے اور پھر اُن کی لیاقتوں کے مناسب کام میں اُنہیں لگا دیں۔ معلم کی خدمت و عہدہ اختیار کرنے سے بہت اشخاص مسیح کی خدمت میں ایسے آدمیوں کو بھرتی کر سکتے ہیں جن کی خدمات اُن کی اپنی خدمتوں سے کہیں بڑھ کر ہوں۔ برنباس نے بھی ایسا ہی کیا جب وہ پولس کو کلیسیا کی خدمت میں

لانے کا وسیلہ بنا ہو۔ جسکی خدمات کا حال ہم اعمال کی کتاب اور رسالے لکھے ہوئے خطوط میں
حیرت سے پڑھتے ہیں ❖

۴

زمانۂ حال میں جو کام معلمی کی حیثیت سے مسیح کے کام سے زیادہ تر مشابہت رکھتا ہے وہ
شاید **علم الٰہی** کے **پروفیسر** کا کام ہے۔ علم الٰہی کے مدرسوں اور کالجوں کے طلبا اُسی
حالت میں ہیں جس میں بارھوں شاگرد الگ الگ بجائے خود کام کرنے کے لئے بھیجے جانیسے پہلے تھے۔
اور اگر مسیح اور ان بارھوں کے باہمی تعلق پر خوب غور کریں تو پروفیسروں اور اُنکے طلبا کے باہمی
تعلق کی نسبت ہمکو بہت کچھ روشنی ملیگی ❖

بارھوں کے لئے اُن کے اُس تعلق کا جو وہ مسیح کے ساتھ رکھتے تھے سب سے زیادہ قیمتی حصہ
صرف یہ تھا کہ اُنکو اُسکی ہمراہی میں رہنے کی عزت حاصل تھی۔ یعنی روز بروز وہ اُسکی عجیب و
غریب زندگی پر نظر کرتے اور روز بروز چپ چاپ بنا اُسکی خصلات کا نقش اپنے اوپر ہونے
دیتے تھے۔ مقدس یوحنا بہت عرصہ بعد ان تین سالوں کے تجربہ پر غور کرتے ہوئے ان چند
الفاظ میں اُسکو قلمبند کرتا ہے کہ "ہم نے اُسکا جلال دیکھا" جو لفظ وہ اُس موقع پر استعمال کرتا
ہے وہ وہی ہے جس سے وہ شکینہ مراد ہے۔ جو لغدگاہ کے اوپر چمکتا تھا۔ فینیکیہ اور ہیرپا کے
تنہا سفروں میں۔ جلیل کی پہاڑیوں پر کی بے تکلف بات چیت میں وہ اکثر محسوس کرتے
تھے کہ قدس الاقداس اُن پر کھولا جارہا ہے اور کہ وہ اُس حسن پر نظر کر رہے ہیں جو بیان سے
باہر ہے ❖

شاید سب سے بڑا نقص مدارس علم الٰہی کی تعلیم و تربیت میں جیسے کہ آجکل مروج ہے یہ ہو

کہ معلم اور متعلم کے درمیان یہ ہمدمی اور رفاقت نہیں ہے۔ بہت کم پروفیسر ہیں جنہوں نے اس امر میں بہت کوشش کی ہو۔ کام تو در حقیقت بڑا مشکل ہے۔ کوئی آنکھ ایسی تیز نہیں جیسے شاگردوں کی۔ اگر اُنکے ساتھ زیادہ میل جول کریں تو وہ فوراً اُستاد کی لیاقتوں کا اندازہ لگانے لگتے ہیں۔ جب کسی پروفیسر پر اُنکو اعتماد ہوتا ہے تو وہ ایک طرح سے اُسکی پرستش کرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن جب اعتماد اُٹھ جائے تو پھر اُنکی نفرت کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ کسی کی شہرت و ناموری اُنکی آنکھوں کو چکا چوند کردے۔ مگر صرف خصلت کی کاملیت اور کمال علمیت ہی اس اثر کو زیادہ مستقل طور پر قائم رکھ سکتے ہیں +

زمانہ حال میں میں صرف ایک آدمی سے واقف ہوں جس نے بلاخوف و تامل اپنے شاگردوں کے ساتھ گاڑھی اُنس و رفاقت پیدا کی۔ اُسکا چلن ایسا مسیح کی مانند تھا اور اُسکا نمونہ ایسا عظیم الشان تھا کہ وہ اس لائق ہے کہ ہم اس جگہ اُسکا ذکر کریں +

تمام لوگ جو کچھ بھی علم الٰہی سے واقفیت رکھتے ہیں اُنہوں نے پروفیسر تھولک کا کم سے کم نام تو ضرور سنا ہوگا۔ علم تفسیر اور علم کلام پر اس نے بیشمار کتابیں لکھی ہیں جس سے اُسکو اس صدی کے علمائے دین میں اعلےٰ پایہ حاصل ہوگیا ہے۔ اصلاح و درستی کے لحاظ سے وہ اور بھی اعلےٰ درجہ رکھتا ہے۔ جو کچھ وسلی نے کلیسیائے انگلستان کے لئے اور چالمرز نے کلیسیائے سکاٹلنڈ کے لئے کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہی اس شخص نے کلیسیائے جرمنی کے لئے کیا ہے۔ اُس نے معقولیوں سے لڑائی لڑکر اُنکو پسپا کردیا۔ اور انجیلی مذہب کو اس ملک میں ایک اعلےٰ اور معزز رتبہ کو پہنچا دیا +

مگر جس طریق سے اس نے اس کام کو سرانجام دیا وہ اس لائق ہے کہ خدا کی کلیسیا میں ہمیشہ اسکی یاد رہے۔ جونہیں اسکے دل میں روحانی تبدیلی واقع ہوئی اور وہ بیت العلوم میں معلم مقرر ہو گیا اُسنے اپنے شاگردوں کے ساتھ اس طور سے میل جول رکھنا شروع کیا جو جرمن میں ایک غیر معمولی بات تھی۔ فقط اپنی کرسی معلمی پر سے لکچر دینے پر قناعت نہ کر کے اُسنے اُنکے ساتھ فرداً فرداً ذاتی واقفیت پیدا کی تاکہ اُنکو مسیح کی طرف رجوع کرے۔ وہ سیر کے وقت اُنکو اپنے ہمراہ لے جاتا۔ وہ اُنکے گھروں میں اُنسے ملاقات کرتا۔ وہ ہفتہ میں دو بار شام کے وقت دعا اور مطالعہ کلام اللہ اور مشنری کام کے حالات پڑھنے کے لئے اُنہیں جمع کرتا تھا۔ جوں جوں وقت کے ساتھ اُسکی جماعت بڑھتی گئی اُسی قدر یہ کام بھی زیادہ وسیع ہوتا گیا۔ مگر اُسکی سعی و کوشش میں کسی طرح فرق نہ آیا۔ جب وہ کام میں بالکل غرق تھا یعنے ایک طرف تو اپنے شاگردوں کے لئے لکچر تیار کرتا اور دوسری طرف وہ کتابیں جن سے دنیا کی نظروں میں اُسکی عزت مسلم ہو گئی شائع کرتا تھا وہ بلا ناغہ چار گھنٹہ ہر روز اپنے شاگردوں کے ساتھ صرف کرتا تھا۔ اور اسکے علاوہ ہر روز ایک کو کھانے پر اور دوسرے کو چاء پر اپنے گھر مدعو کرتا تھا۔

یہ سب صرف بالائی باتیں نہیں تھیں۔ وہ اُن لوگوں کی مانند نہیں تھا جو اگر بلا کسی تیاری کے ایک دفعہ باتوں باتوں میں کسی کے ساتھ مذہب کا تذکرہ چھیڑ دیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ بس اُس شخص کے روحانی امور کیساتھ جہانتک اُنکو واسطہ تھا اُس سے سبکدوش ہو گئے۔ اُسکو اکثر دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا کہ بعض شاگردوں کے دل تک پہنچنا بہت مشکل کام ہے اور اسلئے اُسکو دینی کارروائی بہت دور سے گویا اُسکے خیالات کے بیرونی دائرے سے

شروع کرنی پڑتی تھی۔ وہ بڑا زندہ دل اور نغز گو شخص تھا۔ وہ شاگردوں سے عجیب عجیب سوال کر کے اُن کے ذہن کو آزماتا تھا۔ اور جن کو اُس کے ساتھ کبھی سیر کرنے کا موقع ملتا تھا۔ بعد ازاں ہفتوں تک اُس کی ہنسی مزاخ کی باتوں کو یاد کر کے لطف اُٹھایا کرتے تھے۔ وہ دماغی امور میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ اور ہر ایک آدمی سے اُسکے معلومہ اور دلپسند مضمون پر گفتگو کرانے کا خوب ڈھنگ جانتا تھا۔ وہ کتابوں اور طریق مطالعہ کی نسبت بہت کچھ قیمتی صلاح دے سکتا تھا۔ وہ ہر ایک پہلو سے ذہن کو ہشیار کرنے اور اُکسانے کی کوشش کرتا تھا۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی ذہنی اور روحانی بیداری کے لئے اُسی کے ممنون ہیں۔ مگر وہ جسم کی ضروریات سے بھی بے پروا نہ تھا۔ جرمنی کے کسی پروفیسر نے اپنے غریب شاگردوں کی اسقدر مدد نہ کی ہوگی جیسے اُس نے لیکن ہر وقت اُس کی آنکھ صرف ایک مقصد پر لگی رہتی تھی اور اُسکی تمام کوششوں کا اُسی کی طرف میلان ہوتا تھا۔ یعنے ہر ایک شاگرد جس سے اُسکو سابقہ پڑتا تھا اُس کی ذاتی نجات ؛

اور اُسکو اُسکا پھل بھی ملا۔ اُس کی زندگی ہی میں یہ امر مشہور تھا کہ اُسکو بہت بڑی کامیابی ہوئی ہے۔ مگر یہ صرف اُسکی سوانح عمری کی اشاعت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کامیابی درحقیقت کس قدر بڑی تھی۔ اُس کے کاغذات میں سینکڑوں خطوط طالبعلموں اور خادمان دین کے پائے گئے جن میں وہ اُسے اپنا روحانی باپ تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ بہت سے اشخاص جن کے نام جرمنی کی اس صدی کی علمی تاریخ میں نہایت مشہور و معروف ہیں اُسی کے وسیلے سے اُن کے دل میں سچی روحانی

تبدیلی پیدا ہوئی۔ جرمنی کے منبروں اور علمی کی کرسیوں پر سینکڑوں اشخاص اِس وقت انجیل کی خدمت میں مشغول ہیں جن کی جانیں اُسی کے وسیلے سے بچ گئیں۔

اِس کی کیا وجہ ہے کہ ایسی زندگی ہمیں بالکل غیر معمولی اور عجیب معلوم ہوتی ہے؟ کیوں اَور دائروں میں مثلاً اوفس یا دوکان یا سکول میں بھی کلیسیا اور بیت العلوم کی مانند اِس کی نقل نہیں کی جاتی؟ تھولک نے اپنی زندگی کا راز صرف ایک فقرہ میں بتا دیا۔ "میرے دل میں فقط ایک آرزو ہے اور وہ مسیح ہے۔"

۱۵

مسیح کا نمونہ مباحثہ کرنے میں

متی ۵ : ۲۱ - ۴۸
″ ۹ : ۱۰ - ۱۳
″ ۱۲ : ۲۴ - ۴۵
″ ۱۵ : ۱ - ۱۴
″ ۱۶ : ۱ - ۴
″ ۱۹ : ۳ - ۱۲
″ ۲۱ : ۲۳ - ۴۶
″ ۲۲ باب
″ ۲۳ باب

لوقا ۷ : ۳۶ - ۵۰
″ ۱۰ : ۲۵ - ۳۷
″ ۱۱ : ۳۷ - ۵۴
″ ۱۲ : ۱
″ ۱۳ : ۱۱ - ۱۷

یوحنا ۲ : ۱۸ - ۲۰
″ ۵ باب
″ ۶ : ۴۱ - ۶۵
″ ۷ : ۱۰ - ۵۳
″ ۸ : ۱۲ - ۵۹

پندرھواں باب
مسیح کا نمونہ مباحثہ کرنے میں

کسی کا قول ہے کہ سچائی کی ہیکل کے خادم تین قسم ہیں۔ اول وہ جو ہیکل کے دروازے پر کھڑے ہوئے رہگذروں کو اندر آنے کی ترغیب وتحریص کرتے ہیں۔ دوم وہ جن کا کام یہ ہے کہ اُن سب کے ہمراہ جو داخل ہونے پر راغب ہوگئے ہیں اندر جاویں اور اس مقام کے خزانے اور راز اُنپر ظاہر اور آشکارا کریں۔ سوم وہ ہیں جن کا یہ کام ہے کہ ہیکل کے گرداگرد پھر کر پہرا دیتے رہیں اور دشمنوں کے حملوں سے مقدس کی نگہبانی کریں۔ سرسری طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان تینوں عہدوں میں سے اول تو منّاد کا ہے دوسرا معلم کا اور تیسرا بحث مباحثہ کرنے والے کا۔

۱

اس زمانے میں مباحثہ کا نام بدنام ہو رہا ہے۔ جہاں اسکا نام لیا لوگ فوراً چونک اُٹھتے ہیں اور عموماً لوگوں کے دل میں مباحثہ کرنے والے کی نسبت کچھ عمدہ اور تعریف کا خیال نہیں پایا جاتا۔ وہ شخص جسے تقدیر نے مباحثہ کا کام سپرد کیا ہے مسیح کے دیگر خادموں کی نسبت بہت کم مسیح کے لوگوں کی ہمدردی اور قدردانی کی اُمید

کر سکتا ہے کیونکہ وہ لوگ بھی جو سچائی کے متعلق خیالات میں اُس سے متفق ہیں اُسکے جھگڑے کے میدان میں داخل ہونے کو پسند نہیں کرتے بلکہ افسوس کرتے ہیں کہ اُس نے کس لئے بجائے کسی اَور عمدہ کام کی اِس کام کو اختیار کر لیا۔ مسیحیوں کے اِس خیال نے آخر وہی نتیجہ پیدا کیا جو ہونا چاہئے تھا۔ صاحب لیاقت اشخاص اِس قسم کا کام اختیار کرنے سے شرم کھاتے ہیں کیونکہ وہ اپنی قابلیتوں کو باسانی ایسے کاموں میں لگا سکتے ہیں جہاں اُن کے کام کی قدردانی ہوتی ہے۔ اِس وجہ سے مباحثہ کا کام زیادہ تر کم لیاقت آدمیوں کے ہاتھ میں پڑ گیا ہے۔ ہم بہ آسانی بہت سے مباحثوں کا نام لے سکتے ہیں جن کا کلیسیا کی بہبودی کے لئے کارآمد ہونا بالکل مسلم ہے مگر جو ایسے حامیوں کی حمایت سے محروم ہیں جن کی امداد و تائید اُنہیں لوگوں کی نظروں میں وقعت بخشتی ۔

جن اسباب سے پبلک کے دل میں مباحثہ کی نسبت ایسا خیال پیدا ہو گیا اُنکا کھوج لگانا بھی دلچسپی سے خالی نہو گا۔ کیونکہ بلاشبہ اِس امر کے لئے معقول وجوہات ہونی چاہئیں۔ غالباً اُس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانے میں بحث مباحثہ کی حد کر دی تھی اور اِسلئے اب پبلک کی طبیعت نے اُس سے دق آکر پلٹا کھایا ہے۔ کیونکہ اگرچہ مباحثہ کلیسیا کا ضروری کام ہے مگر کسی طرح سے نہایت ضروری نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور اِسلئے وہ چیز جو مقدار مناسب میں فائدہ مند ہو ممکن ہے کہ زیادہ مقدار میں زہر کا کام دے۔ نیک آدمی بھی بعض اوقات سچائی کے لئے ایسے گرم ہو جاتے ہیں کہ باہمی الفت و محبت کے لئے سرگرمی دکھانی بھول جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسی

چھوٹی چھوٹی باتوں پر جن کی نسبت بہتر ہوتا کہ یسچی باہمی اختلاف کے روادار ہو جاتے
ایسی تندی اور گرمی کے ساتھ سخت مباحثہ کیا گیا جو صرف ایسے موقعہ پر برمحل ہوتا جبکہ
آزادی اور مذہب کو واقعی نقصان پہنچنے کا خوف ہوتا۔ جب لوگ اِس قسم کے جوش انگیز
اموریں شریک ہوتے ہیں تو وہ تناسب کے خیال کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور اپنے تفضیلی
الفاظ کو ادنے اشیا پر خرچ کر بیٹھتے ہیں یہانتک کہ جب وہ امور جن پر انکا استعمال درحقیقت
واجب تھا پیش آتے ہیں تو اپنی جیبوں کو خالی پاتے ہیں۔ اسطور سے وہ اوروں کے
دلوں پر جو قابو ان کو پہلے حاصل تھا وہ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ پبلک اُن معاملات
کے متعلق سخت جوش دلائے جانے کے بعد یہ دریافت کر کے کہ وہ بالکل بے حقیقت
باتیں تھیں ایسی بے اعتقاد ہو جاتی ہے کہ جب حقیقی خطرہ بھی پیش آتا ہے تو حرکت کرنے
سے انکار کرتی ہے +

مگر یہ اس زمانے کی کچھ اچھی علامت نہیں ہے کہ لوگ مباحثہ کو حقیر سمجھنے لگ
گئے ہیں۔ کتاب کی حجم کے بہت بڑھ جانے کے خوف سے ہمیں اناجیل میں سے زندگی
کے مختلف حالات کے متعلق یسوع کے رویتے کی تملم وکمال شہادت کو چھاپنے سے باز
رہنا پڑا ہے۔ لیکن اگر ہم اسکو چھاپ سکتے تو اِس مجموعہ شہادت میں سے سب سے موٹا
تتمہ اِس باب کے آخر میں لگانا پڑتا۔ اس کی زندگی کے تذکروں میں ہمیں بحث مباحثہ
کے متعلق صفحوں کے صفحے بھرے ملتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ ایسا کام نہ تھا جس میں اُسے
بہت ہی خوشی حاصل ہوتی تھی۔ لیکن اُسے یہ کام اپنی زندگی بھر خاصکر زندگی کے
آخری دنوں میں اختیار کرنا پڑا۔ اُسکے سب عالی قدر خادموں کو بھی ہر زمانے میں ایسا ہی

کرنا پڑا ہے۔ شاید مقدس پولوس کے لئے اُس کی طبیعت ہی کے لحاظ سے یہ کام کچھ غیر مرغوب نہ تھا لیکن مقدس یوحنا کو بھی ویسی ہی گرمجوشی سے اُسے اختیار کرنا پڑا۔ مشکل سے ہم مسیحی کلیسیا کی تاریخ کے کسی زمانے میں کسی ایسی اُولوالعزم شخص کا نام لے سکتے ہیں جو بالکل اِس سے فارغ رہ سکا ہے۔

سچے مباحثہ کی رُوح و مزاج یہ ہے کہ مباحث کو دلی یقین ہو کہ سچائی اُسکے پاس ہے اور کہ وہ سچائی تمام آدمیوں کے لئے قیمتی ہے۔ اور اِس یقین کے سبب اُس کے دل میں غلطی سے نفرت اور اُسکو دفع کرنے کی جرات پیدا ہو۔ یہ شارہ حق کی حیثیت میں تھا کہ مسیح بحث مباحثوں میں مشغول رہا۔ اور اُس حالت میں یہی نیک خواہش اُسکو سہارا دیتی تھی کہ اپنے ہمجنسوں کو غلطی کے تنگ و تاریک قید خانے سے رہائی بخشی۔ مباحثہ کی نسبت حد سے بڑھ کر نفرت ہونے سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ کلیسیا کے دل میں ایسی سچائی پر قابض ہونے کی جو نہایت ہی بیش قیمت ہے کچھ بڑی وقعت نہیں ہے اور کہ اُس کے ذہن میں سچائی اور غلطی کی قیمت کے بے حد فرق کی کچھ تمیز باقی نہیں رہی +

۲

البتہ پبلک کے دل میں مختلف قسم کے مباحثوں کی نسبت مختلف خیالات جاگزیں ہیں۔ مباحثہ کا ایک کام یہ ہے کہ اُس غلطی کا جو کلیسیا سے باہر ہے مقابلہ کرے۔ مسیحی مذہب پر مختلف مذاہب کی طرف سے برابر حملے ہوتے رہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے پیدا

ہوتی اور کچھ عرصے کے بعد معدوم ہوتے رہتے ہیں۔ ایک زمانے میں تو منکرین الہام کی تردید کی ضرورت پڑتی ہے کبھی ہمہ اوستی کی کبھی دھریت کی۔ مسیحی سچائی کی ہیکل کو ایسے حملہ آوروں سے بچانا لوگوں کے نزدیک ہر دل عزیز ہے بلکہ بہت کچھ انعام کا سزاوار بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے مباحثہ پر بہت کچھ لکھا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے موقعوں پر بھی جہاں اُسکی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم یہ کام اپنے مناسب موقع پر کیا جاوے تو نہایت ہی کار آمد ہے۔ اور خاص کر زمانہ حال میں اُس کے لئے اعلےٰ درجہ کی لیاقت و قابلیت درکار ہے۔ کیونکہ ہماری صدی کے بہت سے مسائل زیر بحث ابھی تک حل نہیں ہو گئے۔

یہ وہ بحث ہے جو کلیسیا کی اندرونی معاملات پر ہوتی جس سے نفرت اور تشویش پیدا ہوتی ہے۔ مگر وہ مباحثہ جو ہمارے خداوند نے کیا کلیسیا کی اندرونی باتوں پر تھا۔ اور ایسے ہی وہ بھی ہے جو اُسکے عالیقدر پیرؤوں کو کرنا پڑا ہے۔ البتہ یہ تو عمدہ بات ہوتی کہ مباحثہ کے اوزاروں کے صدا امن کی ہیکل میں سنائی نہ پڑتے۔ مگر یہ صرف اُس صورت میں ہوتا جبکہ وہ فی الحقیقت سچائی کی ہیکل ہوتی۔ مسیح کے زمانے میں وہ غلطی کا قلعہ اور پناہ گاہ بنی ہوئی تھی۔ اور اُسکے بعد بھی صرف ایک یا دو دفعہ ہی اُس کو ایسا بننے کا موقع نہیں ملا۔ یسوع کو اپنے زمانے کے قریباً تمام مذہبی طریق انتظام اور کلیسیا کے بہت سے مسائل پر حملہ کرنا پڑا۔ ایسا کرنا ایک صاحب ہوش انسان کے لئے ہر حالت میں ضرور ایک دردناک کام ہے کیونکہ جو اعتقاد کثیر التعداد آدمیوں کے دل میں جو نہیں ایسے وسیع مضامین پر غور و فکر کرنے کی قابلیت یا فرصت نہیں۔ اپنے روحانی پیشواؤں

منکرین الہام۔ وہ جو خدا کی ہستی پر اعتقاد رکھتے مگر الہام کے منکر ہیں۔

کی نسبت ہوتا ہے انسانی زندگی کی عمارت کے نہایت پاک اور قابل حرمت ستونوں میں سے ہے۔ اور کوئی کام اس سے بڑھ کر گناہ نہیں کہ اُس کو بے پروائی سے ہلایا جائے۔ لیکن بعض اوقات اُسکو ہلانا ضروری ہوتا ہے۔ اور یسوع نے بھی ایسا ہی کیا ؛

البتہ اس کے برعکس ہونا بھی بہ آسانی ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کلیسیا حق پر ہو اور نئی بات نکالنے والا غلطی پر۔ تب حقیقی کام مسیحی مناظر کا یہ ہے کہ کلیسیا کی طرف سے اُس شخص کا جو اس کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے مقابلہ کرے۔ یہ بھی نہایت نازک کام ہے جس میں اعلےٰ درجہ کی مسیحی حکمت کی ضرورت ہوتی ہے بعض اوقات اُسکے عوض کچھ تحسین و آفرین بھی حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جو شخص اُس غلطی کے برخلاف جو باہر سے آتی ہے کلیسیا کی حفاظت کرتا ہے حاشیۂ دین سمجھا جاکر وہ تو عزت و توقیر سے لادا جاتا ہے۔ مگر وہ شخص جو اُسے زیادہ سخت اندرونی خطرے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے اپنی ساری محنت کے عوض میں بدعتی جو کے ذلیل اور شرمناک خطاب سے بڑھکر اور کچھ حاصل نہ کرے۔ لیکن یہ معلوم کرنا آسان بات نہیں کہ ایک قابل مسیحی کے واسطے ان دونوں صورتوں کے درمیان کون سی زیادہ مناسب جائے قیام ہے یعنے یا تو ایک طرف کلیسیا کو بدعتی سمجھ کر اُس پر حملہ کرنا یا دوسری طرف اُسکو سچائی کی تعلیم نہ دینے کے الزام سے بچانے کے لئے تیار رہنا ؛

۳

مسیح اور یہودی معلم جن سے وہ جھگڑا کرتا تھا دونوں کے پاس ایک مشترک مقیاس اور پیمانہ تھا جس سے وہ سند لاتے تھے۔ دونوں عہدعتیق کے نوشتوں کو کلام اللہ تسلیم کرتے تھے۔ چونکہ اس امر سے اسکے کام کی جو قوم یہود کے متعلق تھا ایک خاص صورت ہوگئی (کیونکہ انکو وہ ایسے طور سے خطاب کرسکتا تھا جس طور سے وہ اور کسی قوم کو نہ کرسکتا تھا) اسلئے اسکا کام بھی بہت کچھ سادہ اور آسان ہوگیا۔ اسکی بڑائی اور غلبہ اس بات میں تھا کہ وہ اس پیمانہ سے جس سے دونوں سند لاتے تھے زیادہ گہری اور کامل واقفیت رکھتا تھا۔ وہ لوگ تو درحقیقت قوم کے علماء تھے اور عہدعتیق ان کی تعلیمی کتاب تھی۔ لیکن مسیح جیسا اس سے کئی بار طنزاً کہا گیا اَن پڑھ تھا۔ مگر کلام اللہ سے گہری محبت رکھنے اور اسکی جستجو اور تحقیقات میں عمر بھر کی محنت کے سبب وہ ان سے انہیں کے میدان میں بازی لے گیا کیونکہ وہ اپنے حافظہ کے خزانہ سے موقع کی ضرورت کے مطابق بلاتامل آیت پیش کرسکتا تھا اور جب وہ اس کلام کا جو ان کی دلیل کو توڑنے والا تھا حوالہ دیتا تو بعض اوقات ان پر جنہیں بائیبل سے کامل واقفیت رکھنے پر بڑا فخر تھا۔ طنز کرکے اپنے حوالہ کو اس سوال سے شروع کرتا کہ "کیا تم نے نہیں پڑھا؟" کبھی وہ زیادہ سنجیدہ حالت میں انہیں صاف الفاظ میں کہہ دیتا کہ "تم نوشتوں کو نہ جانکر غلطی کرتے ہو۔"

تاہم اس نے نوشتوں کے صرف لفظی معنوں کے جاننے پر ہی کفایت نہ کی۔

یہ ایک ادنیٰ درجہ کے مناظر کی عادت ہے جو اس پر قانع ہوتا ہے کہ آیت کے مقابلے میں آیت پیش کرتا جائے اور آخر میں اُس کے مخالف کی نسبت اُس کی طرف سے ایک آیت زیادہ ہے ایسا مناظرہ سمندر کی ریت کی طرح جو ہوا کے سامنے اڑتی پھرتی ہے خشک اور بے پھل ہوتا ہے اور چیل کوے کے کائیں کائیں سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتا۔ یہ اسی قسم کا بحث و مناظرہ ہے جس سے کلیسیا کا یہ عہدہ بدنام ہو رہا ہے سچے مناظر کو صرف نوشتوں کی ظاہری عبارت سے بڑھ کر واقفیت حاصل ہونی چاہیے۔ وہ کتاب مقدس کے اصولوں پر اور اُس مذہبی تجربے پر جس سے نوشتوں کی عملی تشریح ہوتی ہے حاوی اور نیز خدا کی قربت سے بہرہ ور ہوتا ہے جس سے اُس کے کام میں گرمجوشی اور عظمت پیدا ہوتی ہے۔

یسوع کا ذہن اِس طور سے نوشتوں کے صرف ظاہری الفاظ سے پرے تک پہنچتا تھا اور وہ اُنکو بےشل آزادی اور بے ساختہ پن سے استعمال کرتا تھا۔ اِسی وجہ سے وہ عہد عتیق سے بمشکل کوئی آیت نقل کرتا تھا جس کے متعلق کوئی نئے معانی نہیں ظاہر کر دیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اُسکے چھونے سے بیرونی خول پھٹ جاتا تھا۔ اور اُسکے اندر سے دفعتاً ایک موتی اپنی نورانی آبداری دکھلائی دینے لگتا تھا۔ بعض اوقات وہ پاک نوشتوں کے عام منشا کے مطابق ایک اصول نکال لیتا تھا جو ظاہراً لفظی معنوں کو اُلٹ پلٹ کرتا ہوا معلوم دیتا تھا (متی ۵: ۳۱ و ۳۲)۔ جب کہ وہ اپنے باپ کے کلام سے محبت رکھتا اور اُسکا ادب و تعظیم کرتا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ خود ایک نئے مکاشفہ کا سرچشمہ ہے جس میں پُرانا الہام اِس طور سے چھپ جائے گا جیسے ستاروں کی روشنی مطلع فجر میں

نہاں ہو جاتی ہے +

لیکن یسوع صرف نوشتوں کی مدد سے ہی مناظرے کا کام نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ انسانی عقل اور عام سمجھ سے بھی کام لیتا تھا۔ جو محض علمی فخر اور سند آوری سے بڑھ کر ہے۔ اور جو ہر ایک سچے مناظر کو استعمال کرنی چاہیئے۔ اور اگر ہم یہ استعمال ایک نہایت نغز و دلفریب فقرہ میں کریں جو فی الفور سامعین کے حافظے پر نقش ہو جاوے تو جب مناظرہ عوام الناس کے سامنے ہو رہا ہو۔ اُسکا اثر بے روک ہوتا ہے۔ یسوع کو یہ قدرت اعلےٰ درجہ میں حاصل تھی جیسا کہ اُس کے اکثر اقوال سے ظاہر ہوتا ہے۔ اُنمیں سے ایک نہایت ہی حیرت بخش وہ ہے "جس پر اُنہوں نے تعجب کیا اور اُسے چھوڑ کر چلے گئے کہ" جو چیزیں قیصر کی ہیں قیصر کو اور جو خدا کی ہیں خدا کو دو۔"

۴

زمانہ حال کے آداب و قواعد مباحثہ کی تفصیل میں سب سے اعلےٰ جگہ اس فرض کو دیجاتی ہے کہ اپنے مخالف کے ساتھ عزت و لحاظ سے پیش آنا چاہیئے۔ اُس کے دلائل کے ساتھ خواہ کیسا ہی سختی سے برتاؤ کیا جائے مگر اُس کی ذات کا ادب و لحاظ کرنا اور اُس کی نیک نیتی کو بھی تسلیم کرنا چاہیئے +

کوئی قاعدہ اِس سے بڑھ کر معقول نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنے ہمجنسوں کے اندرونی حالات سے بہت ہی کم واقف ہیں اور جب کسی سبب سے ہم اُن سے برانگیختہ خاطر ہو جاتے ہیں تو تعصب کی وجہ سے اُن کی خوبیوں سے بھی آنکھ بند کر لینی

ممکن ہے۔ برخلاف اِس کے ہم خود اپنے حالات سے اِسقدر زیادہ واقف ہیں کہ ہم کو دوسروں پر پتھر پھینکنے پر کبھی دلیری نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی آدمی تمام و کمال سچائی نہیں رکھتا۔ اور ممکن ہے کہ ہمارا مخالف اُسی سچائی کا دوسرا پہلو دیکھ رہا ہے جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ خدا بعض اوقات اپنے کلیسیا کو اِسی طور سے کسی سچائی کی پوری تعلیم دیتا ہے کہ اُسکا آدھا آدھا حصہ مختلف اشخاص کے ذہن میں آتا ہے جو پہلے ایک دوسرے کی مخالفت پر کمر بستہ ہوتے ہیں مگر اِسی ٹکر سے ایک آگ پیدا ہو جاتی ہے جو آخرکار اُن کو پگھلاتی اور بالکل مخلوط کرکے ایک بنا دیتی ہے۔

لہ جو لوگ چاندی کو میل سے صاف کیا چاہتے ہیں اُسکو بار بار آگ میں ڈالتے ہیں کہ وہ بخوبی آزمائی جاوے۔ الٰہی سچائی کا بھی یہی حال ہے۔ مشکل سے کوئی سچائی ہوگی جو بار بار آزمائی نہیں گئی۔ اور اگر اب بھی اُس میں کچھ میل مل جاوے تو خدا اُسے پھر معرض بحث میں ڈال دیتا ہے۔ اگر گذشتہ زمانوں میں کوئی سچائی پورے طور پر پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ چکی تو وہ پھر آگ میں ڈالی جاوے گی تاکہ باقی ماندہ میل بھی جل جاوے۔ روح القدس نہایت تفتیش کرنے والا۔ باریکیاں نکالنے والا۔ اور راستی دوست ہے اور وہ اِس امر کی برداشت نہیں کرسکتا کہ انجیل کی سچائیوں میں کسی قسم کے جھوٹ کی آمیزش رہے یہی وجہ ہے کہ خدا اب بھی زمانًا بعد زمانٍ گذشتہ زمانہ کے ہر مسئلہ کو معرض بحث میں لاتا ہے اِسلئے کہ ابھی تک اُن میں کچھ نہ کچھ میل ملی ہوئی ہے۔ یا تو خود اُس سچائی کے طریق بیان میں۔ یا نوشتوں میں جو اُس کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں اور جو رواج میں آگئے ہیں۔ کیونکہ خداوند اُنہیں پاک و صاف کئے بغیر نہ چھوڑیگا۔ ٹامس گاڈون۔

لیکن اگرچہ قاعدہ نہایت عمدہ ہے تو بھی اس میں مستثنیات ہیں۔ کیونکہ خود یسوع نے اس قاعدے کو توڑا۔ ہمارے پاس اس امر کے جاننے کے لئے کافی ثبوت موجود نہیں کہ آیا اُس نے اپنے کام کے شروع میں اپنے مخالفین کے ساتھ زیادہ عزت و لحاظ سے برتاؤ کیا یا نہیں۔ لیکن اپنی زندگی کے اختتام کے قریب اُس نے زیادہ زیادہ تندہی اور سختی سے اُن کی پردہ دری کی اور آخرکار اُس نے فریسیوں اور فقیہوں اور کاہنوں پر لعنت ملامت کی ایسی سخت بوچھاڑ کی جو اپنی سختی اور دنداں شکنی کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ (متی ۲۳ باب)

فی الواقعہ جو کچھ ہم اشخاص کے مزاج و خصلت کی نسبت خیال رکھتے ہیں اُسکے مطابق ہم اُن کی رائوں کی قدرو منزلت کرتے ہیں۔ گو ہم اُن کو پبلک میں ظاہر بھی کریں تو بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے دل میں اپنی مخالف کی نسبت ایسی باتیں بھری ہوں جن کے سبب اُس کے خیالات کی ہمارے نزدیک کچھ وقعت باقی نہ رہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بڑے اعتماد کے ساتھ مذہبی مطالب پر لکھتا یا تقریر کرتا ہو مگر ہم اُس کی نسبت جانتے ہوں کہ وہ درحقیقت بالکل لامذہب اور بے دین آدمی ہے اور اس لئے اُس قوت سے بے بہرہ ہے جس پر ایسے معاملات کی معرفت کا مدار ہے اور گو کہ وہ سچائی سے واقف بھی ہو اُس کے ظاہر کرنے کا حوصلہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ ہر ایک بات میں خود اُسی کو مجرم ٹھیرا دے گی۔ بعض حالات میں اِس امر کو عوام پر ظاہر کر دینا ہمارا فرض ہے۔ یسوع اکثر یہودی معلموں سے کہتا تھا کہ اُنکے لئے اُس کی باتوں کو سمجھنا ناممکن ہے کیونکہ وہ سچائی کے ساتھ اخلاقی ہمدردی

نہیں رکھتے تھے اور کاہن اور فریسی کی ذاتی اغراض بھی اُسی ریاکارانہ دستور و طریق سے وابستہ تھیں جسکو محفوظ رکھنے کے لئے اُنہوں نے یہ سب دلائل اور تاویلات گھڑ رکھی تھیں۔ ایسی صورتوں میں ہماری تمیز کا غلطی کھا جانا ممکن ہے مگر مسیح اپنی تمیز پر پورا بھروسہ کر سکتا تھا۔ اور آخر کار اُس نے اپنے مخالفین کے سارے اختیار و اعتبار کو۔ اُنکی اصلی کرتوت ظاہر کر کے۔ خاک میں ملا دیا۔

۵

تاہم یسوع مباحثہ و مناظرہ کی گرمی میں بھی۔ اگر مخالف میں کچھ بھی صاف دلی کا نشان پاتا تو اس بہتر مزاج کو ظاہر و قبول کرنے کے لئے ٹھیر جاتا +

اُس کی زندگی میں ایک دن نہایت سخت جد وجہد کا دن تھا جس پر انجیل نویسوں نے بہت توجہ کی ہے۔ یہ دن اُس کے دکھ اُٹھانے سے پہلے اس کی زندگی کے آخری ہفتے میں تھا۔ جب کہ اس کے دشمنوں نے اُسکو پس پا کرنے کے لئے ایک خوفناک جتھا بنایا۔ فقیہ اور فریسی تو وہاں تھے ہی۔ اب صدوقی بھی جو اِسوقت تک اُس کی طرف سے بے پروا رہے تھے اُن کے ساتھ آملے۔ بلکہ فریسی اور ہیرودیسی بھی جو عموماً ایک دوسرے سے نفرت رکھتے تھے اِس مشترک غرض میں شریک ہو گئے۔ اُنہوں نے پہلے ہی سے اپنے درمیان دو سوال ٹھان رکھے تھے جن سے اُسکو پھنسانے کی ٹھیرائی تھی۔ اُنہوں نے اپنے مددگاروں اور اپنی طرف سے بولنے والوں کو بھی چن لیا تھا اور یکے بعد دیگرے اُنہوں نے ہیکل میں اُسپر حملے کرنے شروع کر دئے۔

مگر اُن کے لئے وہ شکست اور ذلت کا دن تھا۔ کیونکہ اُس نے اُن کا ایسا مونہ بند
کیا کہ لکھا ہے کہ "کوئی اُسکے جواب میں ایک بات نہ بول سکا۔ اور اُس دن سے کسی
کا حوصلہ نہ پڑا کہ اُس سے پھر کچھ سوال کرے"۔
مگر اِس جوش انگیز موقع کے عین درمیان میں ایک مناظر اُٹھ کھڑا ہوا جسکے
ساتھ یسوع بالکل مختلف طور سے پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اِس شخص کو مسیح کا بہت
تھوڑا حال معلوم تھا۔ شاید وہ اُسکی نسبت صرف اِتنا جانتا تھا کہ لوگوں میں اُس کا
بڑا چرچا ہے۔ مگر وہ ایک فقیہ تھا اور چونکہ اُس کے فرقے کے لوگ مسیح پر حملہ کر رہے
تھے۔ اِسلئے اُسکو بھی اُنکے ساتھ شریک ہونا پڑا۔ اُس نے بھی اُس کو لوگوں کا
گمراہ کرنے والا سمجھا جسکو پسپا کرنا مناسب ہے اور وہ اُن کے ہمراہ اِسی غرض
سے چلا آیا تھا۔ لیکن پیشتر اِسکے کہ اُسکی باری آوے جو جواب اُس نے یسوع کی
زبان سے سنے اُن سے اُسکا جی ہل گیا۔ کیونکہ وہ صحیح جواب تھے اور اُن سے
اُن خیالات کی تائید نہیں ہوتی تھی جو وہ مسیح کی نسبت اپنے دل میں رکھ کر وہاں
آیا تھا۔ کچھ کچھ اُسکے سوال کی طرز سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اِس امر کا اقرار
کیا۔

سوال تو فی الحقیقت اُدنے سا تھا۔ کہ "سب سے اوّل حکم کونسا ہے؟" یہ اُن مسائل
میں سے ایک تھا جس پر ربیوں کی مجلسوں میں بہت کچھ منطق چھانٹا جاتا تھا۔ اور
غالباً اُس آدمی کے دل میں یہ خیال تھا کہ وہ اِس مسئلے میں دوسرے ربیوں پر سبقت
رکھتا ہے۔ مگر یسوع نے اُس آدمی کی صورت یا طور میں کوئی ایسی بات دیکھ لی تھی

جو اُسے خوش آمیز سا ۔ اور بجائے اِسکے کہ اُسکو بھی جواب ترکی تبر کی دیکر دم بخود اور ذلیل کرے جیسا اُس نے اَوروں کے ساتھ کیا تھا۔ اُس نے اُس کے سوال کا کامل اور سنجیدہ جواب دیا کہ "سب حکموں میں سے اوّل حکم یہ ہے کہ اے اسرائیل سن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے اور اپنے سارے زور سے پیار کر۔ اوّل حکم یہی ہے اور دوسرا جو اُس کی مانند ہے یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی کو اپنے برابر پیار کر۔ اِن سے بڑا ۔۔ کوئی حکم نہیں ہے"۔

ہمارے لئے تو یہ تعلیم ایک معمولی بات ہے اور اُسکے سننے سے ہمارے دل پر کچھ بڑا اثر نہیں ہوتا۔ مگر اِس امر کا تصور کرنا مشکل نہیں کہ اِس بات نے کیسی قدرت وعظمت کے ساتھ اُس شخص کے ذہن پر تاثیر کی ہوگی جس نے اُسکو پہلی دفعہ سنا معلوم ہوتا ہے کہ اِس جواب کو سنکر اُس شخص نے وہ مخالفانہ ڈھنگ چھوڑ دیا اور بالکل اخلاقی سنجیدگی کی طرز اختیار کی۔ اس جوابنے نہ صرف اُس کی حجت کو توڑ ڈالا بلکہ اُس کے وجود کے دروازوں کو کھول کر سیدھا اُسکے ضمیر میں جا کر لگا جہاں سے فی الفور گونج کی طرح یہ جواب نکلا ۔ کیا خوب۔ اے استاد ۔ تو نے سچ کہا۔ کیونکہ خدا ایک ہے اُس کے سوا اور کوئی نہیں اور اُس کو سارے دل سے اور ساری عقل سے اور ساری جان سے اور سارے زور سے پیار کرنا اور اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھنا سب سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بہتر ہے"۔

یہ ایک نہایت شریفانہ جواب تھا ۔ یہ شخص اُس کلام کو جس کے لئے آیا تھا بھول گیا۔

اپنے ہمراہیوں کو اور نیز وہ بات جس کی وہ اُس سے امید کرتے تھے اُس کو بھی بھول گیا - اور جو کچھ اُس کے دل میں تھا کہہ اُٹھا اور اِس طور سے مسیح کی اخلاقی عظمت کے سامنے سرنیاز جھکا دیا - یسوع نے اِس تبدیلی کو بڑی اندرونی اطمینان و خوشی کے ساتھ ملاحظہ کیا اور پھر اُس سے فرمایا - کہ "تُو خدا کی بادشاہت سے دور نہیں" ‌*

یہ ایک بڑا بھاری نمونہ ہے - مناظرہ میں مخالفین پر بلا امتیاز و تفریق اور برحمی سے حملہ کرنا اُنکو مخالفت میں ثابت قدم بنا دیتا ہے - حالانکہ نرمی و ملائمت سے اُنکو اپنے سے ملا لینا ممکن ہوتا - ہو سکتا ہے کہ بعض اشخاص ظاہراً مسیحی مذہب کے سخت مخالف نظر آویں لیکن دل میں بالکل اُسکے قریب ہوں - یہ بھی مسیحی روح کا کام ہے کہ اِس ہمدردی کو دریافت کرکے اُنکو اُسکے اظہار پر برانگیختہ کرے - لوگوں پر یہ ثابت کر دینا کہ وہ آسمانی بادشاہت سے باہر ہیں ایک آسان بات ہے - لیکن اُن پر یہ واضح کر دینا بہت ہی بہتر ہوگا کہ وہ اُسکی دہلیز سے چند ہی قدم پر کھڑے ہیں - بحث و حجت میں کامل فتح حاصل کرنے سے شاید ایک جسمانی طبیعت والے آدمی کو خوشی ہو تو ہو - لیکن زیادہ تر وہ شخص اُستاد کے مشابہ ہے جو حتے الامکان نرمی و ملائمت سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لاتا ہے ‌*

۱۶

مسیح کا نمونہ دردمندی میں

متی ۸ : ۱۷
〃 ۹ : ۳۶
〃 ۱۴ : ۱۴
〃 ۱۵ : ۳۲
〃 ۲۰ : ۳۴
مرقس ۱ : ۴۱
〃 ۴ : ۳۴
لوقا ۷ : ۱۱ - ۱۵

متی ۸ : ۱۰
〃 ۹ : ۲ و ۲۸
〃 ۱۱ : ۶
〃 ۱۳ : ۵۸
〃 ۱۴ : ۳۱
〃 ۱۵ : ۲۸
〃 ۲۶ : ۱۳ و ۳۸
مرقس ۶ : ۵ و ۶
〃 ۸ : ۱۲
لوقا ۷ : ۹
〃 ۱۷ : ۱۷

متی ۱۶ : ۲۳
〃 ۱۷ : ۱۷
〃 ۲۶ : ۵۰ و ۵۵
مرقس ۱ : ۲۵
〃 ۲ : ۵
〃 ۱۵ : ۳ و ۵
لوقا ۴ : ۳۵ و ۳۹ - ۴۱
یوحنا ۱۱ : ۳۳ - ۳۸

متی ۲۷ : ۳۴
مرقس ۱۰ : ۱۳ - ۱۶ و ۲۱
〃 ۱۲ : ۳۴
لوقا ۱۰ : ۲۱
〃 ۱۹ : ۴۱
یوحنا ۸ : ۱ - ۱۱
〃 ۱۲ : ۲۷
〃 ۱۳ : ۲۱
〃 ۲۰ : ۱۶ و ۱۷

متی ۸ : ۴
〃 ۹ : ۳۰
〃 ۱۲ : ۱۶
〃 ۱۴ : ۲۲
〃 ۱۶ : ۲۰
〃 ۱۷ : ۹
مرقس ۷ : ۲۴ و ۳۶
〃 ۸ : ۲۶ و ۳۰
یوحنا ۵ : ۱۳
〃 ۶ : ۱۵

سولھواں باب

مسیح کا نمونہ دردمندی میں

زمانہ حال میں حیات المسیح پر اسقدر علمیت خرچ کی گئی ہے اور اُسکے تذکرے کے ہر ایک ذرے کی ایسی چھان بین ہوئی ہے کہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا صرف انسانی ذہن اب اِس مضمون میں کوئی نئی بات دریافت کر سکتا ہے ؟۔ تاہم ابھی اُسکی دردمندی یا حسات کی الہیانہ طاقت پر غور و فکر کرنے کی بہت کچھ گنجائش باقی ہے یسوع جیسا کلام میں دانشمند اور فعل میں قادر تھا ویسے ہی اُسکی حسات نہایت نازک اور شائستہ تھیں ۔ اور اُس کے رویتے کے اغراض و مقاصد اکثر سوائے ایسے اشخاص کے جو اُسی درجہ کی حسات رکھتے ہیں کوئی سمجھ نہیں سکتا ۔ اُس

---

[1] اِس کی ایک نہایت عمدہ مثال ایک مشہور مصنف کی کتاب میں پائی جاتی ہے جہاں وہ ہمارے خداوند کے رویتے پر بحث کرتے ہوئے جو اُس نے زانیہ عورت کے اُس پاس لائے جانے کے وقت اختیار کیا یوں لکھا ہے ۔ "اُس نے جھک کر زمین پر لکھا" (یوحنا ۸ : ۸) بھلا اُس نے کیوں ایسا کیا ؟ اِس لئے کہ اُس کو ایسی گندی بات سننے سے شرم آئی اُس کو ایک ناقابل برداشت شرم و حیا کے خیال نے آگھیرا ۔ وہ جماعت سے آنکھ نہ ملا سکا نہ اُس کے الزام لگانے والوں سے ۔ اور شاید اُس وقت اُس عورت سے بھی نہیں ۔ اِسلئے اُس نے اِس گھبراہٹ میں اپنا مونہ چھپانے کے

نے بنی انسان کو نازک اور لطیف حسات رکھنا سکھلایا اور اُسکے دنیا میں آنے کے وقت سے ایسے اشخاص کی تعداد ترقی کرتی رہی ہے جنہوں نے اُس سے بچہ اور عورت۔ افلاس اور خدمت اور اور بہت سی باتوں کی نسبت بہ نسبت اُن کے جو اُس کی آمد سے پہلے مروج تھے نہایت ہی مختلف خیالات رکھنا سیکھا ہے ؛

اناجیل میں ایسے بے شمار واقعات کا ذکر درج ہے جن سے اُس کی حسات پر بہت اثر پیدا ہوا۔ لیکن صرف ایک واقعہ یعنے یائرس کی لڑکی کا زندہ کرنا۔ جس میں اُس کے دل کی حسات صاف طور پر نظر آئیں۔ اِس مطلب کے تشریح کرنے کے لئے کافی ہوگا ؛

ا

اُسکا رحم اِس واقع سے ظاہر ہوتا ہے۔

یہ ایک ایسے شخص کا معاملہ تھا جس کی اکلوتی لڑکی قریب الموت پڑے تھے اور اُس نے جیسا کہ مقدس مرقس لکھتا ہے اُس کے لئے یسوع سے بڑے زور سے التجا

لئے اپنے سر کو جھکا لیا اور اپنی اُنگلی سے زمین پر لکھنا شروع کیا" جو شخص اِس بیان کو پڑھیگا ضرور اُس کو سچا مانیگا۔ وہ آفتاب کی طرح روشن ہے اور جب پہلی بار اُس کو پڑھتے ہیں تو اُس سے ایک فرحت بخش حیرت سی پیدا ہوتی ہے۔

وہی مصنف پھر لکھتا ہے کہ یہ جو اثر یسوع پر اُس وقت ہوا ایسا ہے کہ اُس کے زمانے کے بعد بہت سے آدمیوں پر پیدا ہوا ہے مگر شاید اُس کے زمانے سے پہلے مشکل سے کسی آدمی پر ہوا ہوگا۔

کی۔ یسوع کا دل ایسی درخواست کو سنکر کب باز رہ سکتا تھا۔ ایک ایسے ہی اور واقعہ میں
(یعنی نائن کی بیوہ جس کا اکلوتا بیٹا مرگیا تھا) یہ لکھا ہے کہ جب اُس نے اُسے جنازے کے
پیچھے پیچھے آتے دیکھا تو اس نے اُس پر ترس کھایا اور اُس سے کہا "مت رو"۔
اُسنے نہ صرف اُسکو اس حالت میں مطلوبہ امداد دی بلکہ وہ مدد ایسی ہمدردی کے
ساتھ دی جس سے اُسکی قیمت دوبالا ہوگئی۔ اِسی طرح اُس نے نہ صرف لعاذر
کو جلایا بلکہ اُسکی بہنوں کے ساتھ اس کی وفات پر گریہ وزاری بھی کی۔ بہرے
آدمی کا علاج کرتے ہوئے جب اُس نے افتاح (یعنے کھل جا) کہا تو اُسکے ساتھ ٹھنڈی
سانس بھی لی۔ اپنے تمام معالجہ کے کام میں وہ بیماروں کے ساتھ دردمندی بھی کرتا
تھا۔ اُس خادم دین یا طبیب میں جو ایک غمناک گھر میں صرف فرض سمجھکر جاتا
ہے تاکہ یہ کہہ سکے کہ وہ وہاں گیا تھا۔ اور اُس میں جو اُس مصیبت زدہ گھر کی تکلیف
و رنج کو اپنا بنا لیتا اور اُس سے اسکا دل گداز ہوتا بلکہ ٹوٹ جاتا بہت فرق ہے۔

اِس موقعہ پر مسیح کے دل میں اِس امر سے اور بھی زیادہ اثر ہوا ہوگا کہ یہ ایک
بچہ تھا جو بیمار تھا۔ اُس کا باپ اُسے "میری ننھی لڑکی" کہکر پکارتا تھا۔ مسیح کی
زندگی کے تمام نظارے جس میں بچے دکھ پڑتے ہیں نہایت ہی اثر انگیز ہیں۔
اور یہ اُس کی دردمندی کی وجہ سے تھا کہ وہ ایسے خوبصورت اور دلکش معلوم
ہوتے ہیں۔ جب ہم اُن پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اُسے جو
باپ اور ماں کے دل میں ہی جاتا تھا بلکہ اُس نے انسانیت کے دل میں نئے کنوئیں
کھودے اور پہلے کی نسبت بڑی گہرائیوں سے محبت کو نکال لایا۔ دسکن لکھتا

ہے کہ یونانی فن تصویر و سنگتراشی میں بچوں کا نشان نہیں ملتا مگر مسیحی کے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویروں میں وہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جو ایک صاف علامت اِس بات کی ہے کہ یہ مسیح کی آنکھ تھی جسنے پہلے پہل بچوں کی دلفریبی پورے طور پر دریافت کر کے لوگوں کو اُس سے واقف کر دیا۔

۲

دوسرا جذبہ جو اِس واقعہ میں یسوع نے ظاہر کیا اشتیاق یہی ہے۔

یائرس کی درخواست پر وہ اُس مقام کو جہاں وہ لڑکی تھی گیا۔ لیکن راستے میں ایک قاصد اُنہیں ملا۔ جسنے بیچارے باپ کو یہ خبر دی کہ کام تمام ہو چکا اور اب اُستاد کو زیادہ تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ اِس پر بغیر اِسکے کہ اُس سے درخواست کیجاوے یسوع اُسکی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "خوف نہ کر۔ صرف ایمان لا"

اِس امر میں ہمکو اُسکے رحم کی ایک نئی مثال نظر آتی ہے لیکن یہ بات محض رحم سے کچھ بڑھ کر ظاہر کرتی ہے۔ یسوع پر اعتماد یا بے اعتمادی کے خیالات سے جو اُسکی نسبت لوگ رکھتے تھے بہت ہی اثر ہوتا تھا۔ اگر اُس پر اعتماد کیا جاتا تو اُس کا دل خوشی سے بھر جاتا تھا۔ اور وہ اپنی خوشی بلا تکلف ظاہر کر دیتا تھا۔ اِسی طرح جب ایک اور شخص نے جو کچھ کچھ یائرس کی سی حالت میں تھا مدد مانگی اور یہ یقین بھی ظاہر کیا کہ اگر یسوع گو فاصلے پر ہے صرف ایک بات بھی کہدے بغیر اُس گھر میں جانے کے جہاں بیمار پڑا تھا۔ تو وہ اچھا ہو جاوے گا۔ تو یسوع یہ سنکر ٹھیر گیا اور حاضرین کی طرف پھر کر

بول اُٹھا۔ کہ "میں نے ایسا بڑا ایمان اسرائیل میں بھی نہیں پایا۔" یائرس کا ایمان اگرچہ ایسا مضبوط نہیں تھا تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُسے خوش آیا۔ اور چونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُسپر شک کا بادل چھا جاوے۔ وہ بڑی آمادگی اور جلدی سے اُس کے گھر گیا تاکہ اُسے مضبوط کرے۔

مگر اُسکو اِس سے مختلف قسم کے حالات بھی پیش آتے تھے۔ اور اِس سے اُسکے دل پر بڑا گہرا اثر ہوتا تھا۔ اگرچہ کبھی کبھی وہ ایمان کی بڑائی پر تعجب کرتا تھا۔ مگر اِس سے بھی زیادہ وہ اکثر اوقات اُسے سخت بے ایمانی پر بھی تعجب کرنا پڑتا تھا۔ جب وہ خود اپنے ہی وطن میں گیا۔ تو وہاں اسی وجہ سے کوئی عظیم کام نہ دکھلا سکا۔ مخالفت نے اُس کے دل کو ایسا سرد کر دیا کہ اُسکی معجزے کی قدرت عمل سے رُک گئی۔ اُسکی بڑی بڑی مہربانیاں بھی بعض اوقات ناشکری سے قبول کی جاتی تھیں جیسے دس کوڑھیوں کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنمیں سے صرف ایک ہی شکرگذاری کے لئے اُسکے پاس واپس آیا۔ جس پر اُس نے نہایت افسوس کے ساتھ پوچھا کہ "وہ نو کہاں ہیں؟"

۳

اِس حس باطنی کی تیسری قسم جو اُس نے اِس موقع پر ظاہر کی غصہ ہے۔ جب وہ گھر پہنچا تو نہ صرف اُس نے بچے کو مردہ پایا بلکہ وہ مقام مرثیہ خوانوں اور رسمی ماتم کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔ موت اگرچہ سب حادثات سے زیادہ سنجیدہ اور دردناک ہے۔ مگر بہت سے ممالک میں رسوم ماتم کے سبب جو اُس سے ملحق ہو گئے ہیں وہ اُسے بالکل

بیہودگی کے درجہ کو پہنچایا گیا ہے۔ مگر کنعان میں یہ بات حد کو پہنچ گئی تھی۔ جو ہیں کسی
گھر میں کوئی قضا کرتا ماتم پیشہ لوگ ہر طرف سے گھر آتے اور گھر کو وائے وائے اور
مرثیہ خوانی کے شور و غوغا سے بھر دیتے۔ یسوع کے اُس مکان میں پہنچنے پر وہاں بھی
یہی کچھ ہو رہا تھا۔ اور اُسکا امن پسند روح اِس کو برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے غصے کے
ساتھ اُنہیں چپ رہنے کو کہا۔ اور جب اُنہوں نے اُسکی بات نہ مانی تو اُس نے سب کو
باہر نکال کر گھر کو خالی کر دیا ٭

غصہ اگرچہ گناہ آلود غضب کے نہایت قریب قریب ہے تو بھی بُرا نہیں بلکہ نیک ہے۔
یہ ایک شریف اور نیک طینت شخص کا نشان ہے۔ وہ روح جو انتظام ۔ راستی ۔ اور
شرافت کو پسند کرتی ہے بد انتظامی ۔ دو رخی ۔ اور کمینگی پر غصہ ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔
یسوع کے غصے کا اکثر ذکر آیا ہے۔ کبھی وہ بیجا شور اور کھلبلی پر جیسا اِس موقع پر تھی
غصے میں آجاتا تھا۔ جب وہ دیووں کو نکالتا تو وہ غصہ سے آسیب زدہ کے چیخنے چلانے
پر ملامت کیا کرتا تھا۔ جب اُس نے طوفان میں ہوا اور لہروں کو تھمایا اُس وقت بھی
اُسکے غصے کا ذکر ہے۔ شاید اِس وجہ سے کہ وہ اُسوقت ہوا کی حکومت کے سردار سے
مقابلہ کر رہا تھا۔ شیطان کی تمام سلطنت بد انتظامی کی سلطنت ہے اور اِس طاقت
کا ہر ایک ظہور دیکھ کر اُس کے دل میں خواہ مخواہ غصہ پیدا ہوتا تھا۔
اِس سے ہم اُس غضبناک جوش کی عجیب تحریک کا مطلب سمجھ
سکتے ہیں جو اُس نے لعاذر کی قبر کی طرف جاتے ہوئے ظاہر
کی اُس کے دل کی حالت سے معلوم ہوتا تھا گویا وہ موت کی بربادیوں

کے برخلاف غضب و انتقام کی آگ سے بھرا ہوا ہے۔[1]

[1] لعاذر کے زندہ کرنے کے تذکرہ میں یسوع کے جذبات کا ہم بہت ہی کامل اظہار دیکھتے ہیں جب وہ لعاذر کی قبر کی طرف گیا تو لکھا ہے کہ "اُس نے دل سے آہ ماری اور ماتم کیا" (یوحنا ۱۱ : ۳۳) مگر یونانی میں جو الفاظ ہیں وہ اِس سے زیادہ سخت ہیں۔ پہلے لفظ کے معنے "آہ مارنا" نہیں بلکہ "غصہ یا ناراضگی یا غضب کو ظاہر کرنا ہے" اور دوسرا لفظ اُس کے چہرے کی تبدیلی کو جو غصے کی وجہ سے ہوئی ظاہر کرتا ہے یعنی "اُس کا تمام جسم حرکت میں آیا اور معلوم ہوتا تھا کہ غضب و غصہ کا ایک طوفان اُس پر جوش زن ہے"۔ مگر اِس غصہ و غضب کا سبب کیا تھا؟ وہ دنیا کی صورت پر نظر کر رہا تھا اور ہر کہیں اُس کو موت کی بادشاہی نظر آتی تھی۔ تمام زمین اُس کی نظر میں موت کے سایہ کی وادی تھی۔ اور اُن آنسوؤں میں سے جو اُس کے حضور میں بہائے گئے اُس نے دیکھ لیا کہ

زمانہ کا سمندر دُکھ مصیبت جس کا ہے پانی

نمک سے اشکِ انسانی کے بالکل ہو گیا کھاری

مگر یہیں بس نہیں۔ موت کے پیچھے ایک اور خوفناک حقیقت نظر آتی تھی۔ نہ صرف گناہ جو "موت کا ڈنگ ہے" بلکہ وہ جس کے ذریعہ سے گناہ آیا۔ یعنی وہ جس کا بار بار انجیل میں "اِس جہان کے سردار" کے نام سے ذکر ہوا ہے۔ اِسلئے اگر ہم اپنے خداوند کے غصہ و غضب کے معنی صحیح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو ہم کو اِس موقعہ پر اُس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہئے کہ گویا وہ اپنی بادشاہت کے بڑے دشمن سے مقابل ہوا ہے جو آدم کی نسل کا جس کو بچانے کے لئے وہ خود دنیا میں آیا برباد کرنے والا ہے۔

اُس زمانے کی حالت جس میں وہ رہتا تھا اِس خیال و جذبے کے ظاہر کرنے کے لئے ایک خاص موقعہ مہیّا کرتی تھی۔ اِس وجہ سے کہ یائرس کے گھر میں صرف ماتم پیشہ لوگ ماتم کرتے تھے جن کا دل اُس میں نہیں لگا تھا اُس نے اُنکے ماتم کو بالکل ناپسند کیا۔ مگر یہودیہ کی کل سوسائٹی اُس زمانے میں بالکل ریاکاری مجسم بنی ہوئی تھی۔ جو لوگ مقدس عہدوں پر تھے وہ اپنی ہی بھلائی ڈھونڈتے تھے۔ دیندار لوگ آدمیوں کی تعریف حاصل کرنے میں لگے تھے۔ قوم کے معلم بھاری بھاری بوجھ لوگوں کے کندھوں پر رکھتے تھے مگر خود ایک اُنگلی بھی لگانے کے روادار نہ تھی۔ اور پاک نوشتے لُوٹ مار اور ناپاکی کے لئے بطور ٹٹی کی آڑ کے بنی ہوئی تھی۔ یسوع کے دل میں ان سب امور کے خلاف غضب کی آگ بھڑک رہی تھی اور اُس نے اپنے ان خیالات کو اُس زمانے کے فرقوں اور لوگوں کے خلاف نہایت سخت اور چبھنے والے الفاظ میں ظاہر کیا*

یہ ایک پاک آگ تھی۔ یہ سچائی کا شعلہ تھا جس کے سامنے جھوٹ جل جاتا ہے۔ یہ عدل کی آگ تھی جو بدی و شرارت کو برباد کرتی۔ یہ محبت کی آگ تھی جو خود غرضی کو بھسم کر ڈالتی ہے۔ اکثر اوقات ریاکاری اور بناوٹ کے خلاف ایسی گرمجوشی سے جو ناپاک ہوتی ہے۔ جنگ شروع کیا جاتا ہے۔ اکثر اشخاص ہجوگو یا عیب گیر کا کام اختیار کر لیتے ہیں جن کے اپنے دل پاک صاف نہیں ہوتے اور نہ اُن کا چال چلن اُن کے قول کے موافق درست ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کی آنکھ سے تنکے کو نکالتے مگر خود اُن کی آنکھ میں کاڑی ہوتی ہے۔ اُنھوں نے صرف غصہ کا لباس بھر دب

بدلنے کے لئے پہن لیا ہے - مگر یہ لباس یسوع پر ٹھیک سجتا تھا - اور وہ اُس کو بڑے تحمل وقار کے ساتھ پہنتا تھا - اُس نے اُن کو جو اُسے پکڑنے آئے تھے کہا "کیا تم جیسے چور کے لئے میرے پکڑنے کو نکلے ہو" - اُس نے اُس دغاباز سے کہا "یہودا - کیا تو ابن آدم کو بوسہ سے پکڑواتا ہے؟" سردار کاہن پلاطوس اور ہیرودیس کے سامنے اُسکی خاموشی آتشیں الفاظ کی نسبت زیادہ فصیح البیان تھی - اُس نے یہ لباس ابھی تک اُتار نہیں پھینکا - آسمان میں اِسوقت بھی "برہ کا غضب" بھڑک رہا ہے۔

۴

ایک چوتھی قسم کا جذبہ جو یسوع سے مخصوص تھا اور اِس موقعہ پر ظاہر ہوا لطیف خیالی تھی -

ماتم بیٹھے لوگوں کو نکال کر وہ نعش کے کمرے میں گیا جہاں وہ چھوٹی لڑکی بستر پڑی تھی - مگر وہ اکیلا اندر نہ گیا - نہ صرف تین شاگردوں کے ساتھ جن کو وہ اپنے ہمراہ گھر میں لایا تھا - بلکہ اُس نے اُس لڑکی کے باپ اور ماں کو بھی اپنے ہمراہ لیا - اِسلئے کہ اُن کو اِس معاملے میں بڑا تعلق تھا اور اُن کا حق تھا کہ جو کچھ اُن کی لڑکی کے ساتھ ہو اُسے دیکھیں -

تب اُس نے پیشتر اِسکے کہ اُس کو زندہ کرنے والے الفاظ کہے - اُسے ہاتھ سے پکڑا - کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جب وہ جاگے تو حیرت یا گھبراہٹ میں پڑ جاوے بلکہ ایک ہمدرد شخص کو اپنے پاس موجود دیکھ کر اُسکے دل کو ایک طرح کا اطمینان ہو -

بہت لوگوں نے جوش کی گھڑی میں یا بیہوشی سے ہوش میں آتے ہوئے۔ اس امر کو معلوم کیا ہے کہ ایسے موقع پر ایک مضبوط ہاتھ سے پکڑے جانے یا ایک مطمئن صورت پر نظر کرنے سے کس قدر قوت ملتی ہے ٭

اس طرح اُس نے سب کچھ کامل احتیاط اور ہوشیاری سے کیا نہ غور و تامل سے بلکہ ایک لطیف حس کی قدرتی تحریک سے جس کی رہنمائی سے وہ ہر موقع پر ٹھیک ویسا ہی کرتا تھا جو اُس موقع کے مناسب ہوتا تھا۔ مگر پھر بھی اُس کی طبیعت میں لطافت و نفاست کے لئے کسی قسم کی سعی و کوشش نظر نہیں آتی تھی۔ ایک موجی یا چُلبلی طبیعت والے شخص میں بھاری نقص یہ ہے کہ وہ ایسے موقعوں پر حد سے بڑھ کر کر بیٹھتا ہے۔ مگر مسیح کی حسنات کیسی صحیح اور مردانہ وار حالت میں تھیں۔ اِن تمام نفیس افعال کے بعد یہ کیا۔ کہ "اُس نے اُنہیں حکم دیا کہ اُسے کچھ کھانے کو دیں" اسی طرح بیابان میں بہت دنوں تک منادی اور معالجہ کرنے کے بعد جس میں وہ بڑی گرم جوشی سے محو ہو رہا تھا خود اُس نے ہی یہ تجویز کی کہ اس جماعت کو منتشر ہونے سے پہلے کھانا دینا چاہئے تاکہ ایسا نہو کہ رستے میں بھوک سے بیتاب ہو جاویں۔ شاگردوں کے دل میں جن کو بہت ہی کم شغل تھا۔ اس کا خیال تک بھی نہ آیا۔ وہ جیسا لطافت پسندی کے جذبے میں ویسا ہی لحاظ داری اور عمل شعاری کی صفت میں بھی اُن سے بڑھ کر تھا ٭

۵

ایک اور قسم کی حس جو خداوند نے اس موقع پر ظاہر کی حیا تھی ؛
جب وہ معجزہ کر چکا تو اُس نے اُن کو تاکید کی کہ کوئی اس کو نہ جانے"۔ اپنی
زندگی کے بہت سے عجیب عجیب کاموں کے بعد اُس نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ اُس
نے اُس کوڑھی سے جسے اُس نے پاک کیا تھا کہا "دیکھ یہ کسی سے نہ کہنا"۔ اُس نے دو
اندھوں سے جن کو اُس نے آنکھیں دیں کہا کہ "دیکھو کوئی اِس بات کو نہ جانے ۔"
وہ عموماً اُن سے جن میں سے وہ دیووں کو نکالتا تھا تاکید کیا کرتا تھا کہ اُس کو لوگوں
پر ظاہر نہ کریں ؛
اِسی قسم کے بیانات انجیل میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ لیکن میں یقین سے
کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی کسی کو اُن کی صحیح طور پر تشریح کرتے نہیں سنا۔
قسم قسم کی گھڑی عالمانہ تشریحیں کی گئی ہیں۔ مثلاً ایک اِس کی بابت یوں لکھتا ہے کہ
اُس نے اُس آدمی کو جسے اُس نے چنگا کیا تھا اس بات کو ظاہر کرنے سے اسلئے
منع کیا کہ ایسا نہو اس سے اُس کے دل میں شیخی پیدا ہونے سے اُسے ضرر پہنچے۔
دوسری صورت میں اسلئے کہ اُس کی شہادت لوگوں کی نظر میں کچھ وقعت نہ رکھتی۔
تیسری صورت میں اسلئے کہ ابھی وقت نہ آیا تھا کہ وہ اپنے مسیح ہونے کا اقرار کرے۔
علیٰ ہذا القیاس ہمارے علما اِس قسم کی وجوہات بیان کرتے ہیں ۔ اور ممکن
ہے کہ ان میں بھی کچھ سچائی ہو ؛

مگر وہ نہایت دقیق اور مبہم سے معلوم ہوتی ہیں حالانکہ اصلی تشریح بالکل سطح ہی پر ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ گو وہ ایسا عجوبہ کار تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے اچھے کام لوگوں میں مشہور ہوں۔ مقدس متی اِس امر کو ایسے صاف طور سے بیان کرتا ہے کہ وہ کبھی نظر انداز نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ایک موقعہ کا ذکر کرتے ہوئے جب ایک بڑی جماعت کو چنگا کرنے کے بعد اُس نے اُنہیں تاکید کی کہ وہ اُسے مشہور نہ کریں۔ انجیل نویس لکھتا ہے کہ یہ اُس نے ایک پیشین گوئی کو پورا کرنے کے لئے کیا۔ جس میں لکھا ہے کہ " وہ جھگڑا اور شور نہ کریگا اور بازاروں میں کوئی اسکی آواز نہ سنیگا"۔ خدا کا جو کام پبلک کے سامنے کیا جاتا ہے یہ اسکی ایک سزا ہے کہ لوگ اسکا تذکرہ کرنے لگ جاتے ہیں اور عوام الناس تو اُسکا بہت ہی چرچا کرتے ہیں۔ ہم زمانہ حال میں اِس امر سے بخوبی واقف ہیں کیونکہ اب کوئی بات مخفی نہیں رہنے پاتی۔ اور اگر کوئی شخص کوئی کام کرتا ہے جو معمول سے ذرا بھی بڑھ کر ہو۔ تو اُس کی زندگی کی ذرا ذرا سی باتیں بھی کھینچ کر عوام کی نظروں کے سامنے ظاہر کی جاتی ہیں۔ مگر یہ بات بالکل نیکی کے خاصے کے خلاف ہے بلکہ اُن کو بھی جو نہایت پاک کام میں مشغول ہوں معرضِ آزمائش میں ڈالتی ہے کہ وہ بجائے اِس کے کہ عاجزی و فروتنی سے خدا کی حضور میں کام کریں لوگوں کی تعریف کے شائق ہو جاتے ہیں۔ یسوع اِس بات سے نفرت کرتا تھا۔ اگر ہو سکتا تو وہ چھپے رہنے کو پسند کرتا۔ اُسکے لئے یہ ایک بھاری صلیب تھی کہ جس قدر وہ لوگوں کو تاکید کرتا تھا کہ اُس کی بابت کچھ نہ کہیں اُسی قدر زیادہ وہی اُس کی شہرت

کرتے تھے ؎

یسوع کا دل ایسا تھا۔ جیسا کہ ہم نے صرف ایک ہی کہانی کے مطالعہ سے معلوم کیا ہے۔ زیادہ وسیع تحقیقات سے ہم اور بہت سی مثالیں جمع کر سکتے ہیں لیکن یہ اصول یا نشان جب ایک دفعہ ہاتھ آجاوے تو ہم بہ آسانی اناجیل کے مطالعہ میں اسکا استعمال کر سکتے ہیں جن میں اس امر کے متعلق کہ مختلف موقعوں پر واقعات سے اس پر کیا کیا اثر ہوا ایسے بے شمار بیانات درج ہین کہ جس شخص نے اس امر پر کبھی غور نہیں کیا وہ ہمارے بیان کو مبالغہ سمجھیگا ؎

اس اصلاح بخش اثر کا جو اس کی صحبت سے اس کے شاگردوں پر ہوا کھوج لگانا بھی مشکل نہیں ہے کہ کس طرح انہوں نے مختلف اشیا کی نسبت اس کیسے خیالات رکھنے سیکھے مسیحی دینداری سے بڑھ کر کوئی اصلاح بخش اثر نہیں ۔ جہاں وفاداری سے انجیل کی تعلیم دی جاتی اور محبت سے اس پر ایمان رکھا جاتا ہے وہاں رفتہ رفتہ لوگوں کے خط و خال پر ابن آدم کی مہر لگتی جاتی ہے کیونکہ مسیح کی دوستی دل کو نرم اور ملائم بناتی ہے ؎

؎ مگر تاہم بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو شہرت سے کسی بری وجہ کے سبب پرہیز کرتے ہیں۔ یعنے یا تو شیخی اور عالی دماغی کے خیال سے یا محض ایک قسم کی بزدلی کی وجہ سے کیونکہ کسی امر کے لیے جوابدہ ٹھہرائے جانے سے ڈرتے ہیں۔ برخلاف اس کے شہرت میں ایک حقیقی خطرہ بھی ہے جب کوئی آدمی کسی نیک معاملہ میں فتحیاب ہونے کے سبب سے کسی ذاتی فائدے کے خیال سے اس میں خوش و خرم ہوتا ہے ؎

۱۷

مسیح کی تاثیر

متی ۷ : ۲۸
″ ۸ : ۲۷
″ ۹ : ۸ و ۲۶ و ۳۱ و ۳۳
″ ۱۲ : ۲۳
″ ۱۳ : ۵۴
″ ۲۲ : ۲۲ و ۳۳
مرقس ۱ : ۴۵
″ ۲ : ۱ و ۲ و ۱۲
″ ۷ : ۳۶ و ۳۷
″ ۹ : ۱۵
″ ۱۵ : ۵
لوقا ۲ : ۴۷ و ۴۸
″ ۴ : ۱۵ و ۲۲ و ۳۲ و ۳۷
متی ۱۴ : ۱ و ۲
مرقس ۴ : ۴۱
″ ۱۰ : ۳۲
لوقا ۵ : ۸ و ۲۶
″ ۲۳ : ۴۵ و ۴۸
یوحنا ۱۸ : ۶

مرقس ۱ : ۲۳ - ۲۷
″ ۵ : ۶ و ۷
لوقا ۶ : ۱۱
″ ۱۳ : ۱۴
متی ۲ : ۱ - ۳
″ ۳ : ۱۳ و ۱۴
″ ۴ : ۱۹ - ۲۲
″ ۲۷ : ۱۹ و ۵۵
مرقس ۱ : ۳۷
″ ۵ : ۱۸
″ ۱۲ : ۳۷
لوقا ۱ : ۴۱
″ ۸ : ۴۰
″ ۱۱ : ۲۷
″ ۲۲ : ۶۱ و ۶۲
″ ۲۴ : ۳۲
یوحنا ۶ : ۶۸
″ ۷ باب

سترھواں باب

مسیح کی تاثیر

گذشتہ باب میں ہم اُن اثرات کو دیکھ چکے ہیں جو اشخاص یا اشیا سے جن سے وہ ملاقی ہوتا تھا مسیح کے اثر پذیر دل میں پیدا ہوتے تھے۔ اس باب میں ہم اُن اثرات پر بحث کرتے ہیں جو وہ اپنی موجودگی یا افعال سے لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا تھا۔ اگر اُس کی زندگی کے تذکرات میں اُن اثرات کے انواع اور گہرائی پر جو اُس پر پیدا ہوتے تھے بہت کچھ لکھا ہے تو یہ بھی کچھ حیرت بخش بات نہیں کہ اُن اثرات کا بھی جو اُس نے اَوروں کے دلوں میں پیدا کئے بہت کچھ بیان ہے ؛

بوڑھے شمعون نے جب یسوع کو حالت طفلی میں ہیکل کے اندر اپنی گود میں لیا تو یہ پیش گوئی کی کہ اُس سے ملنے سے بہت دلوں کے خیال ظاہر ہو جاوینگے اور یہی بات اُس کی بعد کی زندگی میں نہایت صاف طور پر نظر آتی ہے۔ کوئی شخص اُس کے پاس آکر بے پروائی کی حالت میں نہیں رہتا تھا۔ خواہ وہ اُس سے پیار کریں یا حقیر جانیں۔ خواہ اُس کی تعریف کریں یا بُرا بھلا کہیں۔ مگر ہر صورت میں کہیں نہیں جو کچھ اُن کے دل کی تہ میں تھا دکھلانا پڑتا تھا۔ تالمود میں ایک حکایت

لکھی ہے کہ سلیمان بادشاہ کے پاس ایک انگوٹھی تھی جس پر اسم اعظم لکھا تھا اور جس شخص کیطرف وہ اس نقش کو پھیر دیتا تھا اُسے مجبوراً وہی بات جو اُسوقت اُسکے خیال میں ہوتی کہنی پڑتی تھی۔ ایسے ہی یسوع صرف لوگوں کے درمیان موجود ہونے سے اُن کے نہایت گہرے خیالات اور حسّیات کو باہر نکال لاتا تھا اور اُن کی عمدہ سے عمدہ یا بُری سے بُری بات جو اُنکے دل میں چھپی ہوتی تھی ظاہر ہو جاتی تھی +

ا

جو تاثیر انجیل کی تحریر کے موافق وہ زیادہ عام طور سے لوگوں میں پیدا کرتا تھا وہ تعجب تھا۔ "وہ حیران ہوئی"۔ "اُنہوں نے تعجب کیا" "وہ دنگ رہگئے" اِس قسم کے فقرات اکثر اُس کی زندگی کے تذکروں میں پائے جاتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اُسکی تعلیم سے متعجب ہوتے تھے۔ یعنی اُس کی خوش بیانی۔ طبعزادی۔ اور پُر زور تاثیر سے یا اُس کی اعلےٰ اعلیت سے باوجودے کہ اُس نے کبھی تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ مگر اِس سے بڑھکر اُنکو اُس کے معجزے دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔ لوگ دوڑ دوڑ کر اُس مقام کی طرف آتے تھے جہاں وہ معجزہ کرتا تھا۔ وہ جو اُس کے ہاتھ سے شفا پاتے اُس امر کی جو اُنپر واقع ہوا دور دور تک شہرت پھیلاتے تھے۔ اور جہاں کہیں وہ جاتا اُس کے گرد اگرد شہرت کا بادل چھا جاتا۔

اگرچہ اِس قسم کی تاثیر عموماً لوگوں کے دلوں پر پیدا ہو جاتی تھی مگر یہ ہرگز بہت قابل قدر نہ تھی۔ وہ خود اِسے اپنے کام کا ایک ناپسند لوازمہ سمجھتا تھا۔ اُس کی

روح جماعت کے اصرار و تقاضا سے جھجکتی تھی - اور وہ اُن کے اوپرے دل کی مدح سرائی کو خوب جانتا تھا - صرف ایک فائدہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس لوازمہ کو روا رکھتا تھا اور وہ یہ تھا کہ اِس کے ذریعہ سے اور لوگوں کے ساتھ ایسے بھی آجاتے تھے جو فی الحقیقت اُس کے خواہاں ہوتے اور جن کا وہ خواہاں تھا - جیسا کہ وہ عورت جو اُسوقت جبکہ وہ یائرس کے گھر کو جا رہا تھا ایک بڑی بھیڑ میں اُس کے پیچھے سے آئی اور اُسکے کپڑے کا دامن چھوا تاکہ چنگی ہو جاوے - بھیڑ اُس پر اُمڈ رہے تھے اور کچھ شک نہیں کہ اِس گتھم گتھا میں بہت اُسکے بدن کو بھی چھوتے ہونگے - لیکن اُن کو اِس مماس سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہوا - مگر وہ عورت اپنی اشد ضرورت کی حالت میں کانپتے ہوئے ایمان کے ساتھ آئی - اور ایک ہی دفعہ چھونے سے تاثیر اُس میں سے نکلی اور وہ چنگی ہو گئی - لیکن اگر یہ بھیڑ نہوتی تو مشکل سے وہ وہاں تک پہنچتی - کیونکہ اِس شور و غوغا سے اُسکو خبر ہوئی کہ وہ وہاں ہے - یا کم سے کم اِس بھیڑ کے سبب سے اُسکو چھونے کا موقع ملا -

اب بھی یہی فائدہ اُن بہت سی رکاوٹوں کی تلافی کر سکتا ہے جو مختلف اشکال میں مذہب کے متعلق افواہیں اُڑنے سے پیدا ہوتی ہیں - یہ جوش و خروش بطور گھنٹہ کے ہے جو اپنی آواز سے اُن اشخاص کو جو مسیح کے حاجتمند ہیں گرجا میں بلاتا ہے - مشہور واعظوں کی آمد پر اُن کی شہرت ہر طرف پھیل جاتی ہے اور لوگ جھنڈ کے جھنڈ اُن کی باتیں سُننے کو جمع ہوتے ہیں - جب ایک مؤثر وعظ ظاہر ہوتا ہے یا مذہبی خیالات لوگوں کے درمیان حیات تازہ حاصل کرنے لگتے ہیں تو

اُس علاقہ کے لوگ تعجب سے بھر جاتے ہیں۔ یہ شور و غوغا بہت کچھ بالکل بیہودہ ہوتا ہے مگر اُس میں سے بہت کچھ فائدہ نکل سکتا ہے۔ جب بڑی بھیڑ جمع ہو جاتی ہے تو اُن میں کہیں کہیں ایسے شخص بھی ہوتے ہیں جو چھوتے ہیں۔ جماعت بڑبڑاتی اور بھنبھناتی گرجا میں سے نکلتی ہے مگر اُن میں سے کوئی نہ کوئی تنہائی کی تلاش میں بھیڑ کو چیرتا ہوا نکل جاتا ہے جو فی الحقیقت وہاں سے کوئی برکت اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

۲

بعض اوقات یہ تعجب بڑھ کر خوف میں بدل جاتا تھا۔ چنانچہ جب اُس نے طوفان کے وقت سوتے سے اُٹھ کر ہوا اور لہروں کو ملامت کی تو لکھا ہے کہ "وہ بہت ڈر گئے"۔ اور جب اُس نے نائن کی بیوہ کے بیٹے کو زندہ کیا تو "سب پر خوف چھا گیا"۔

کتاب مقدس کے دوسرے مقامات سے بھی مستنبط ہوتا ہے کہ معجزوں کے دیکھنے کا یہ قدرتی نتیجہ تھا۔ جب لوگ اپنے سامنے ایک معجزہ ہوتا دیکھتے تھے تو اُس سے مخواہ مخواہ خیال گذرتا تھا کہ قادر مطلق یہاں حاضر ہے۔ اور خدا کے ہر ایک بیّن ظہور کو دیکھ کر ضرور خوف و دہشت پیدا ہوتی ہے۔ دفعتاً بادل کی گرج کی بلند آواز سننے سے سروح پر ایک قسم کا رعب و ہیبت چھا جاتی ہے۔ اور جن لوگوں نے بھونچال دیکھا ہے اُنکو بیان کرتے سنا ہے کہ اُس سے ایک قسم کی عجیب تحریک جو قوت ارادے کے قابو سے

باہر ہوتی ہے طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم ایک لامحدود طاقت کے اختیار میں بالکل عجز و لاچاری کی حالت میں پڑے ہیں۔ وہ جو یسوع کو معجزہ کرتے دیکھتے تھے محسوس کرتے تھے کہ اُس میں ایسی چیز ہے جو اُنکے یا عام قدرتی اشیا کے ساتھ جو کچھ چاہے کر سکتی ہے۔ یہ اُسکی اندرونی باطنی اُلوہیت کا دھندلا سا تصور تھا جس سے اُن کے دل میں ایسی دہشت پیدا ہو جاتی تھی؛

مگر دیگر اوقات میں جو خوف اُس سے پیدا ہوتا تھا وہ اُس کی انسانی خصلت کی عظمت کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اور ہم کو یسوع کی اخلاقی عظمت کا اِس سے بڑھ کر صاف اور صحیح نشان نہیں مل سکتا۔ جو اُن اثرات پر غور کرنے سے ملتا ہے جنہیں وہ اپنی زندگی کے بڑے بڑے موقعوں پر دوسروں کے دلوں پر پیدا کرتا تھا۔ گتسمنی کے دروازے پر جب وہ اُس جماعت سے جو اُسے گرفتار کرنے کو آئے تھے دو چار ہوا تو اُس روحانی کشمکش اور تجربات کے نشان جو ابھی باغ میں اُس پر واقع ہوئے تھے اُس کے چہرے پر نظر آتے تھے اور اُسکی اِس دردناک اور مستغرق حالت کا اثر بڑا عجیب تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اُسے دیکھکر وہ پیچھے ہٹے اور زمین پر گر پڑے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی زندگی کے گذشتہ چھ ماہ کے عرصے میں اپنی آئندہ مصیبت پر غور کرنے کی وجہ سے اُس کی صورت سے ہمیشہ ایک عبناک جلال برستا تھا۔ اُس کے مقصد کی بزرگی نے گویا اُس کے خط و خال کو نکیلا کر دیا۔ اُس کا قامت سیدھا اور اُس کی رفتار تیز ہو گئی۔ اور بعض اوقات

جب وہ اپنے خیالات میں غرق راہ میں بارھوں سے آگے بڑھ جاتا تو لکھا ہے کہ "تب وہ حیران ہوئے۔ اور پیچھے چلتے چلتے بہت ڈر گئے"۔

تاہم اس سے بھی پہلے۔ اسکے مشن ہی کے عین آغاز کے زمانے میں بھی اسکے اس طاقتور اخلاقی جلال کے ظہور نظر آتے ہیں۔ جب اس نے اپنے نبوی الہام کے پہلے جوش میں ہیکل میں سے خرید و فروخت کرنے والونکو باہر نکال دیا تو وہ بھلا کس وجہ سے ایسے بے حواس ہو کر اس کے سامنے سے بھاگے۔ یہ بہت تھی اور وہ صرف تن تنہا تھا یہ دولت مند اور با اثر آدمی تھے وہ صرف ایک غریب کسان تھا۔ مگر اس میں وہ بات تھی جس کے مقابلے کا انکو کبھی حوصلہ نہ تھا۔ انہوں نے اسوقت محسوس کیا کہ نیکی کیسی دہشت ناک چیز ہے۔ غضبناک پاک دامنی میں ایک جلال ہے جسکے سامنے اعلےٰ سے اعلےٰ گناہگار بھی دبکتا ہے۔ مجھے ایک نوجوان کا حال معلوم ہے جو دیہات سے آکر ایک آفس میں نوکر ہوا جہاں روزانہ بات چیت ایسی ناپاک اور فحش تھی کہ بازاری بھی اس سے شرما جاتے۔ مگر اس کی آمد کے ایک مہینہ بعد کوئی شخص اس کی موجودگی میں ناپاک لفظ مونہ سے نکالنے کی جرات نہ کرتا تھا۔ حالانکہ اس نے مشکل سے کبھی ملامت کا ایک کلمہ زبان سے نکالا ہوگا۔ یہ صرف اس کی مردانہ نیک دلی کی عظمت تھی جس نے بدچالی کا سر نیچا کر دیا۔

۳

جو خوف یسوع کی حضوری سے پیدا ہوتا تھا بعض اوقات وہ بڑھ کر نفرت

کے درجہ کو پہنچ جاتا تھا۔ جو خوف اُسے دیکھکر پیدا ہوتا تھا وہ ایک محدود چیز کا خوف تھا جو لامحدود کے قابو میں ہو۔ مگر وہ جو قادر مطلق کے ہاتھ میں اپنے تئیں عاجز و ناچار معلوم کرتے تھے ساتھ ہی اپنے کو ایک ہمہ جا حاضر اور قدوس شخص کی نظر کے سامنے بھی معلوم کرتے تھے ؛

جیسے کہ جاہل آدمی جاہلوں کی صحبت میں بلا تکلف باتیں کرتے ہیں لیکن اگر عالموں کے سامنے حاضر کیئے جائیں تو اُن کی زبان لڑکھڑاتی اور وہ اپنی آواز سے بھی ڈرنے لگتے ہیں۔ یا جیسے ایک فقیر جو اپنے چیتھڑوں سے جب وہ اپنے ہمجنسوں کے درمیان ہو بے پروا ہوتا ہے اگر خوش لباس اشخاص کے حضور ایک نہایت آراستہ گول کمرے میں حاضر کیا جائے تو دفعتاً اپنے کوٹ کی ہر ایک تھیگلی اور اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کے ہر ایک سوراخ سے باخبر ہو جاتا ہے۔ اسیطرح جب انسانی روح بے داغ پاکیزگی سے دوچار ہوتی تو اپنی حالت پر نظر کرتی اور اپنے تمام نقصوں سے خبردار ہو جاتی ہے۔ یہی بات تھی جس کے سبب مقدس پترس نے معجزے کے ذریعہ سے مچھلیوں بھرا جال دیکھ کر توبہ کے طور پر اپنے ہاتھ اُٹھائے اور یسوع سے چلاّ کر کہنے لگا کہ "خداوند مجھسے دور رہو۔ کیونکہ میں گناہگار آدمی ہوں"۔ اور اسی وجہ سے گدرینیوں نے جب وہ معجزہ دیکھا جو یسوع نے اُن کے درمیان کیا تھا تو التجا کی کہ وہ اُن کے علاقے سے چلا جاوے۔ اُنکے دلوں میں بھی وہی نفرت پیدا ہو گئی جو مجرم کو پاک آدمی سے پیدا ہوتی ہے ؛

خاوثٹ نامی شہور ناٹک میں مارگیٹ جو عفیف باکرہ لڑکی ہے مفسٹوفیلین

(شیطان) کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتی اگرچہ وہ اُسوقت ایک نائیٹ (شہسوار) کے لباس سے ملبس تھا اور اُسکو ذرا بھی خیال نہ تھا کہ وہ شخص درحقیقت کون ہے۔ اُسکے دل میں فقط طبعی طور پر اُس سے نفرت پیدا ہو گئی۔ اور وہ کہنے لگی کہ "میری زندگی میں کبھی کسی چیز نے میرے دل میں ایسی خلش پیدا نہیں کی جیسی اِس شخص کی نفرت انگیز صورت نے"۔ مگر مسیح کی حضوری سے اِس سے بالکل برعکس اثر پیدا ہوتا تھا۔ ناپاک لوگوں کے دل میں اُسے دیکھ کر ایک نفرت سی اور اُس کے پاس سے بھاگ جانے کی خواہش پیدا ہوتی تھی۔ جب اُس نے شرم کے مارے اپنا سر جھکا کر زمین پر لکھنا شروع کیا اُس حالت میں کہ زانیہ عورت اُسکے سامنے کھڑی تھی تو اُس عورت کے الزام لگانے والوں نے بھی کچھ یونہی سا معلوم کرکے کہ اُسوقت اُسکے دل میں کیا گذر رہا ہے خوف کھایا اور "وہ دل ہی دل میں آپ کو گناہگار سمجھکر بڑوں سے لیکے چھوٹوں تک ایک ایک کرکے چلے گئے اور یسوع اکیلا رہ گیا اور عورت بیچ میں کھڑی رہی"۔ جب وہ آسیب زدہ آدمیوں کے پاس پہنچتا تھا تو فقط اُسکی نزدیکی اُن کو سخت بے قراری میں ڈال دیتی تھی۔ اور وہ اُس کی منت کرتے تھے کہ اُن کے پاس سے چلا جائے اور انہیں دُکھ نہ دے کیونکہ ایسے مقدس کو فقط دیکھنا ہی اُن کے لئے سخت عذاب کا باعث تھا۔

اعلےٰ درجے کی نیکی کی موجودگی اگر انسان کو اپنا مطیع نہ کرے تو اُس وحشی حیوان کو جو انسانی دل کی تہ زمینی کوٹھڑیوں میں سکونت کرتا ہے برانگیختہ کرکے مخالفت پر آمادہ کر دیتی ہے۔ مسیح کی موجودگی کے باعث اُس کے مخالفوں کی

بدی اپنی بُری سے بُری صورت میں ظاہر ہوتی تھی۔ مثلاً پلاطوس نے یسوع کے مقدمہ میں حکومت کے اُنہیں اصولوں کا استعمال کیا جو شاید اِس سے پہلے سینکڑوں اور مقدموں میں استعمال کر چکا تھا۔ یعنے اُس شخص کا اصول جو اپنی بہتری چاہنے والا اور وقت کے مطابق چال چلنے والا ہو اور عدالتی کے لباس سے ملبس ہو۔ مگر یہ اصول کبھی اپنی اصلی بدصورتی اور ناراستی میں ایسے پورے طور پر نمایاں نہوا جیسے اُس وقت جب اُس نے برابّاس کو رہا کر دیا اور یسوع کو صلیب دئے جانے کے لئے حوالہ کیا۔ صدوقیوں اور فریسیوں کی بیرحمی اور ریاکاری کبھی ایسے صاف طور پر عیاں نہوئی جب تک کہ اُس روشنی نے جو یسوع سے نکل کر اُن پر پڑی ریاکاری کی پوشاک کے ہر ایک داغ اور چاک کو اُجاگر نہ کر دیا۔ مسیح کی حلیمی کو دیکھ کر اُن کے دل میں اُسکے دعووں کی تردید کا خیال زیادہ تر جوش زن ہوتا تھا۔ الزاموں کے جواب میں اُسکے چپ رہنے سے وہ کینہ کے مارے اُسپر اَور بھی دانت پیسنے لگے۔ اور اُسکے نفرینوں کی سختی سے وہ اَور بھی زیادہ پختگی سے اپنے غلطیوں سے لپٹے رہنے پر آمادہ ہوتے تھے ٭

اِس طور سے خود اُن اشخاص کی خوبیوں کے سبب جن سے بد آدمیوں کو واسطہ پڑتا ہے اُن کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ جیسے اخیاب نے جب ایلیاہ کو دیکھا تو پکار کر کہنے لگا "اے میرے دشمن۔ تو نے مجھے پا لیا؟" اِسی طرح ہو سکتا ہے کہ صرف یہ خیال کہ اُس کی دینیدار ماں اُس کے لئے دعا مانگ رہی ہے یا کہ نیک اشخاص اُس کی روحانی بہتری کے لئے منصوبہ باندھ رہے ہیں۔ ایک شخص کے دل میں جو

مستقل عزم کے ساتھ چوڑی راہ پر جارہا ہے ایک شیطانی نفرت اور غصہ پیدا ہو حقارت جس سے خدا کی شاید پڑ سکے ہمراہی نظر کرتے ہیں اکثر صرف اس امر کی شہادت ہوتی ہے کہ وہ اُس کی موجودگی کو خود اپنی بدچالیوں پر بطور ایک زندہ لعنت کے تصور کرتے ہیں اور یہ بات اُس شخص کی برتری کی ایک حقیقی گو غیر مقصودہ شہادت ہے۔ "اگر دنیا تم سے دشمنی کرے تو تعجب نہ کرو۔ تم جانتے ہو کہ اُس نے تم سے آگے مجھ سے دشمنی کی ۔"

۴

اگرچہ یسوع کی حضوری سے بعض اشخاص کے دل میں نفرت پیدا ہوتی تھی بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جن کو اس سے اُس کی طرف سخت کشش ہوتی تھی اُسکی خصلت میں سب سے مخصوص بات اُسکی اخلاقی کشش تھی۔ اُس سے اُن لوگوں کے دل میں جو اپنے گناہوں سے وابستہ تھے اور اُن کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے نفرت پیدا ہوتی تھی۔ مگر وہ اُن سب کو جو کسی قدر نیئی اور بہتر زندگی کی جستجو میں تھے اپنی طرف کھینچتا تھا۔

اگرچہ روح انسانی میں گناہ کو بڑی طاقت حاصل ہے تو بھی وہ مقابل کے اصول کو بالکل مغلوب نہیں کرلیتا۔ ہر ایک آدمی میں ایک چیز ہے جو اُس کے گناہ کی مخالفت کرتی اور اُس کے برخلاف نالش کرتی ہے۔ وہ مسرف کو باپ کا گھر یاد دلاتی ہے جہاں سے وہ آوارہ ہو گیا ہے اور اسکے دل میں شور چرانے کی

خدمت کی نسبت شرم پیدا کرتی ہے۔ وہ تنہائی کی گھڑیوں میں اُسکو متنبہ کرتی ہے
کہ گناہ جس پر وہ فریفتہ ہو رہا ہے اُسکا بدتر دشمن ہے اور کہ جب تک اُس سے جدا نہو وہ
کبھی خوش و خرم نہیں ہوگا۔

انسانی فطرت کا یہ نجات بخش اصول ضمیر یا نور قلب ہے اور اگر یہ طاقت جو
پاک اور الٰہی چیزوں کو محسوس کرتی ہے انسان میں نہوتی تو اُس کی حالت کی درستی
کی کوئی اُمید نہ رہتی۔ یہ طاقت شریر آدمی میں بھی موجود ہے۔ جو فی الحقیقت اچھی
باتوں کی تعریف و توصیف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اگرچہ وہ بدتر راستہ پر چلتا ہے
تو بھی بہتر راستہ کو پسند کرتا ہے۔ یہ طاقت انسان کو اُس کے گناہوں سے گو کہ وہ
اُن میں کیسا ہی غرق کیوں نہو رہا ہو خوفناک اور شرمسار کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ
گناہگاری پر لعنت ملامت کرنے سے اس قوت میں تحریک پیدا ہو۔ جیسے کہ یوحنا بپتسما
نے کیا۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ طاقت ایک غیر معمولی پاکیزگی و عفت کے دیکھنے سے
یا اس رحم سے جو بے دینی و شرارت پر ترس کھاتا ہے متاثر ہوتی ہے۔ یہ آدمی کو یاد دلاتی
ہے کہ اُس نے کوئی چیز کھودی ہے۔ اس سے گناہ کا حظ جس میں وہ مشغول ہوتا ہے
اُس کی نظر میں بے قدر اور ناشائستہ معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی طاقت اُس کے دل
میں بے چینی اور بے قراری پیدا کر دیتی ہے۔

یسوع طبعی طور پر اس قسم کا اثر دوسروں پر نہایت مضبوطی سے کرتا تھا۔ جہاں
کسی دل میں اعلےٰ اور پاک چیزوں کی نسبت نرمی یا اثر پذیری کا مادہ ہوتا تھا اُس کی
حضوری اُس کو اُکسا دیتی تھی۔ ضمیر اپنے قید خانے میں اُس کی آواز سُن کر چونک

اُٹھتا اور کھڑکی کے پاس آکر رہائی کی درخواست کرنے لگتا تھا۔ جیسا کسی حکیم کی آمد سے جس کے پاس کسی مہلک مرض کا حکمی علاج ہو اُس مرض کے مریضوں کے درمیان ایک قسم کی ہل چل سی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ تار برقی کی تیزی کے ساتھ یہ خبر ایک دوسرے تک پھیلا دیتے ہیں اِسی طرح جہاں کہیں یسوع جاتا تھا بھاری بوجھ سے لدے اور ولولوں سے بھرے دل اُس کی خبر سنتی اور اُس کو ڈھونڈ کر پاتے تھے۔ محصول لینے والے اور گناہگاروں بلکہ خود فریسیوں میں بھی اُس کے آنے سے غیر معمولی تحریکیں پیدا ہوتی تھیں۔ نقودیموس رات کے وقت اُس کے پاس آیا۔ زکی اُس کو دیکھنے کے لئے گولر کے درخت پر چڑھ گیا۔ اور گناہگار عورت چپ چاپ اُس کے پاؤں پاس جاکر آنسوؤں سے اُنکو دھونے لگے ؛

اخلاقی کشش دو قسم کی ہے۔ فاعلی۔ اور انفعالی ؛

ایک وہ خوبی ہے جو لوگوں کو فقط اپنے حسن و خوبصورتی کی قوت سے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ یہ اثر سوچنے سے پیدا نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ وہ باطنی چیز ہے اور اپنے آپ میں محو و محدود ہے۔ اُس کی توجہ ایک اندرونی رویا پر جمی ہوئی ہوتی ہے اور خود بخود ایک مخفی قانون کی پیروی کرتی ہے۔ اُسکو خیال تک بھی نہیں آتا کہ وہ اوروں پر کسی قسم کا اثر پیدا کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے حسن سے بھی آگاہ نہیں۔ اور وہ چیز جو اِس کی تمام اوصاف کو بوجہ احسن لوگوں پر ظاہر کرتی ہے فروتنی اور انکسار کا زیور ہے۔ اِس قسم کی خوبی خصوصاً زنانہ اوصاف سے تعلق رکھتی ہے اور جو اشخاص اِس کو زیادہ صفائی اور خصوصیت سے ظاہر کرتے ہیں اُنکی

فطرت ہمیشہ نسائی عنصر سے بہرہ ور ہوتی ہے۔" ایسے اشخاص کو ہم میں سے اکثروں نے دیکھا ہے۔ بعض تو ادنےٰ درجہ کے لوگوں میں سے ہوتے ہیں جو وفادار اور دھن کے پکے اِنسان سے باوفا۔ اور اُن کے دل خدا کی ستائش سے پُر۔ اور اُن کی زندگی ایک لگاتار حمد و تعریف کا گیت معلوم دیتی ہے۔ بعض اعلےٰ درجہ کے لوگوں میں ہوتے ہیں۔ جو زندگی کے جھوٹے فخر اور شان و شوکت کے درمیان رہتے مگر اُن چیزوں کے جادو فریب اثرات اُن کو بالکل چھو نہیں جاتے۔ اُن کی رُوح آزاد اور بے قید ہے جو کبھی انسانی زندگی کے جھوٹے نور اور ولولوں سے روشن نہیں ہوئی اور نہ دنیا کی بدیوں پر فریفتہ ہوئے مگر تو بھی اُس کی ساری خوبیوں سے ہمدردی رکھتی اور مناسب طور سے اُن سے حظ اُٹھاتی ہے۔ یہ لوگ جہاں تک اِس زندگی میں انسان سے ہونا ممکن ہے۔ اُس نورانی عالم کا جلوہ ایک نظر ہمیں دکھلاتے ہیں جس کا نور نہ سورج سے نہ چاند سے بلکہ اُس سے ہے جو ابدی نور ہے"۔[1]

یسوع اس خصلت و مزاج کے آدمیوں کا سر اور تاج ہے۔ اُسکی صورت گذشتہ تمام صدیوں میں قدسیت کے حسن سے درخشاں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی آنکھیں تاریخ کے صفحوں میں فضیلت و خوبی کی تلاش کرتے ہوئے آخر کار اُسی پر جس میں وہ کامل اور لاثانی طور پر مجسم ہو رہی ہے جا ٹھہرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص مسیح کے حالات لکھنے بیٹھتا ہے اُس کی تعریف و توصیف میں عذب البیان ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ وہ اشخاص بھی جو مسیحی مذہب کی ہر ایک بات کی

[1] موزلی صاحب کے وعظ۔

مخالفت میں سرگرم اور ساعی ہیں جب خود مسیح کا ذکر کرنے لگتے ہیں تو اُسکے سامنے ادب وسکوت اختیار کر لیتے ہیں۔ کوئی قلم اُس تاثیر کو پورے طور پر تحریر نہیں کر سکتی جو اُسکی زندگی کا تذکرہ جو اناجیل میں ہے پڑھنے سے دل پر ہوتی ہے۔ اُن تمام اوصاف کی جو اُسکی انسانی خصلت کے اجزاء تھے ایک فہرست ترتیب دے لینا تو آسان ہے لیکن اُنکی باہمی آمیزش۔ اور ترکیب موزونیت اور کمال۔ مسرت اور دلفریبی کو کون شخص بیان کر سکتا ہے؛ مگر یہ اوصاف کا مجموعہ جسم کی صورت میں اِس زمین پر پھر تا رہا اور مرد و عورت نے اُس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا!

فاعلی قسم کی اخلاقی کشش ایک مختلف طریق سے اثر کرتی ہے۔ بعض ایسی طبیعتیں ہیں جن کو ہم مقناطیسی کہتے ہیں۔ لوگ اُن کی طرف کھنچے جاتے اور اُن کی پیروی کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ ایسی طبیعتیں جو کچھ کرتی ہیں اپنے سارے زور سے کرتی ہیں اور دوسرے لوگ اُن کیطرف خود بخود کھینچے جا کر اُن کے بہاؤ کی تیزی اور تندی کے ساتھ بہی جاتے ہیں۔ اگر وہ بُرے رستے پر ہوں تو وہ گناہ میں پیشوا بن جاتے ہیں۔ کیونکہ تاریکی کی بادشاہت بھی آسمان کی بادشاہت کی طرح مشنری رکھتی ہے۔ انسانی فطرت کی دوسری قوتوں کی طرح اس قوت کے لئے تخلیص اور تقدیس کی ضرورت ہے۔ اور تب وہ مشنری۔ رسول اور مذہبی مشیروں کی روح بن جاتی ہے +

یسوع کی زندگی کے تذکرات میں کوئی امر اِس سے بڑھ کر حیرت بخش نہیں کہ وہ کیسی آسانی سے آدمیوں کو اپنا گھر بار چھوڑنے اور اُس کی پیروی کرنے پر راغب

کر لیتا تھا۔ یوحنا اور یعقوب اپنی کشتی پر بیٹھے جالوں کی درست کر رہے ہیں لیکن جب وہ بلاتا ہے تو وہ فی الفور اپنی کشتی اور جال اور اپنے باپ زبدی کو چھوڑ کر اسکے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ متی محصول کی چوکی پر بیٹھا ہے اور یہ جگہ آسانی سے نہیں چھوڑی جا سکتی۔ مگر جونہیں وہ بلایا جاتا ہے اپنا سب کچھ چھوڑ کر یسوع کی پیروی کرتا ہے۔ زکی جو اپنی زندگی بھر جابر اور زیادہ ستاں رہا ہے جونہیں یسوع اُسکے گھر مہمان بننا چاہتا ہے وہ بڑے فیاضانہ وعدے اور اقرار کرنے شروع کرتا ہے۔ یسوع ایک شاندار کام میں لگا تھا جس کا تصور اور نتیجہ ہر ایک شخص کی قوت واہمہ پر جس میں کچھ بھی شرافت کو جگہ تھی اثر کرتا تھا۔ وہ بالکل اپنے کام میں محو ہو رہا تھا اور نا خود غرضانہ جاں فشانی کو دیکھ کر لوگوں کے دل میں اُسکے نمونہ پر چلنے کی خود بخود تحریک ہوتی تھی۔ وہ ایک نئی تحریک کا بانی اور پیشوا تھا جو اُس کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی۔ اور اُن لوگوں کی سرگرمی دیکھ کر جو اُس میں شامل ہو گئے تھے اَوروں کے دل میں بھی اُسکی طرف کشش پیدا ہوتی تھی۔ یہی طاقت بڑے بڑے روحانی پیشواؤں میں بھی بڑی مقدار میں پائی جاتی ہے مثلاً مقدس پولس سوونا رولا۔ لوتھر۔ وسلی اور ایسے ہی اور بہت سے آدمیوں میں۔ جو خود روح القدس سے بھر کر اَوروں کو خوشی اور آسائش و آرام کی طبعی خواہشوں سے اوپر اُٹھا کر انکو ایک عظیم معاملہ کے واسطے خود انکاری پر آمادہ کر سکے ہیں۔ اور کوئی گرم جوش آدمی جس میں یسوع کی سرگرمی جوش زن ہے کسی نہ کسی حد تک ویسا ہی اثر پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ہمارے زمانہ میں یہ ایک صحت ودرستی کا نشان ہے کہ تمام سمجھدار آدمی اپنی ذاتی تاثیر کی خبر رکھنے لگے ہیں۔ بہت لوگ صرف اسلئے گناہ سے خوف کرتے ہیں کہ اگر وہ گناہ کریں تو ضرور بواسطہ یا بلاواسطہ اوروں کو بھی اُس میں مبتلا کرتے ہیں۔ اور اُنکو یہ معلوم کرکے نہایت ہی اطمینان اور تسلی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جن سے اُن کو کسی قسم کا تعلق ہے نفع پہنچا رہے ہیں نہ نقصان۔

یہ ایسا خیال ہے جو ہماری زمینی زندگی کی مقدرت اور اہمیت کے شایاں ہے اور یقیناً یہی خیال ہماری زندگی کے ہادی اصولوں میں سے ہونا چاہئے۔ مگر یہ بھی خطرات سے خالی نہیں۔ اگر ہم اِس اصول کو اپنے مقاصد ومطالب میں حدِ مناسب سے بڑھ کر جگہ دیں تو اِس سے ذہن ایک ناقابل برداشت بوجھ کے نیچے دب جائیگا۔ اور ہمارے چال چلن کے متعلق ایسی بڑی ذمہ داری اور جوابدہی کا خیال ہمارے دل میں پیدا ہو جائیگا کہ ہمت اور کوشش کے تمام سوتے بند ہو جاویں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اِس سے ہم اپنی زندگی میں اپنے افعال کے نتائج اور اثرات کا یہاں تک خیال رکھنے لگیں کہ آخرکار ریاکاری کی بلا میں پھنس جاویں۔ سب سے صحیح اثر وہ ہے جو نہ ہماری کوشش سے اور نہ جان بوجھ کر پیدا کیا جاوے۔ جب ہم دوسروں پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیشہ اُسی وقت ہی ہم بہت زیادہ اثر ڈالنے سے محروم رہتے ہیں۔ لوگ ہماری ایسی براہ راست کوششوں سے نظر بچا جاتے ہیں۔ مگر جب ہم اِسکا خیال بھی نہیں کر رہے ہوتے وہ اُسوقت ہم کو تاڑتے ہیں۔ وہ ایک نامعلوم اشارے یا بے ساختہ لفظ سے اُس بھید کو جسے ہم چھپانے کی کوشش کر رہے

ہیں، دریافت کر لیتے ہیں - وہ بخوبی جانتے ہیں کہ آیا ہماری ذات فی الحقیقت اندر سے ایک خوبصورت محل کی مانند ہے یا فقط ایک بھدی سی عمارت سر بہ فلک کشیدہ ہے - وہ ہماری خصلت کے وزن اور جسامت کا بڑی تفتیش و صحت کے ساتھ اندازہ لگاتے ہیں اور صرف یہی بات ہے جو فی الحقیقت ان پر کچھ اثر کر سکتی ہے - ہمارا اثر ٹھیک ٹھیک اسی قدر ہوتا ہے جس قدر انسانیت کے لحاظ سے ہماری لیاقت یا نالیاقتی ثابت ہوتی ہے ؟

ہو سکتا ہے کہ آدمی اثر کے لئے کوشش کرے مگر ناکام رہے - لیکن اگر وہ اپنے باطن میں ترقی کرے یعنی خودداری - حق شناسی - عفت اور اطاعت میں - تو وہ اس میں ناکام نہیں رہیگا - اندرونی ترقی کا ہر ایک قدم ہم کو دنیا کی نظر میں اور ہر ایک معاملے کے واسطے جس سے ہمارا تعلق ہو زیادہ قابل قدر بنا دیتا ہے - لوگوں پر اثر ڈالنے کی سڑک صرف فرض اور وفاداری کی شاہراہ ہی ہے - اگر آدمی مسیح کی قربت میں بڑھتا جائے اور اپنی طبیعت میں مسیح کی قوت کو زیادہ زیادہ جگہ پکڑنے دے تو یقیناً انسان کے ساتھ خدا کے لئے اور خدا کے ساتھ انسان کے لئے قدرت رکھنے میں ترقی کرتا جائے گا - "مجھ میں قائم ہو اور میں تم میں - جس طرح کہ ڈالی آپ سے میوہ نہیں لا سکتی مگر جب کہ وہ انگور کے درخت میں قائم ہو - اسی طرح تم بھی نہیں مگر جب مجھ میں قائم ہو" یوحنا ۱۵ : ۴

خداوند یسوع مسیح فرماتا ہے
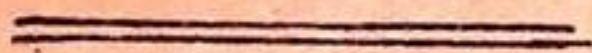
اے لوگو جو محنت اُٹھاتے اور بوجھ سے دبے ہو سب میرے پاس آؤ۔ کہ میں تمہیں آرام دونگا۔ میرا جوا اپنے اوپر اُٹھالو اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم اور دل سے فروتن ہوں۔ اور تم اپنی جانوں کے لئے آرام پاؤ گے۔ کیونکہ میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا ✦

متی ۱۱ باب ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ آیت۔

مفید عام پریس لاہور

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

فہرست کتب

سوانح عمری وغیرہ

- تم مسیح کو کیا سمجھتے ہو؟ . . . . . ۳ پائی
- یسوع مسیح کا احوال - انجیل کے الفاظ میں ۴ر ۲ہر
- تواریخ المسیح مصنفہ ڈاکٹر عماد الدین صاحب
- حصہ اول ولادت مسیح ۲ر
- حصہ دوم مسیح کے بعض بزرگوں کے حالات ۲ر
- مسیح ابن اللہ یعنی الوہیت مسیح . . ۲ر
- مفتاح الاسرار مصنفہ ڈاکٹر فینڈر صاحب ۱ر
- عیسیٰ کی سیرت . . . . . ۶ پائی
- سیرۃ المسیح والمحمد مصنفہ پادری جے ایل ٹھاکرداس ۲ر
- چارلس ہیڈن سپرجن کی مختصر سوانح عمری ۱ر
- مارٹن لوتھر کا احوال ۲ر
- بشپ کرودر - حبشی غلام جو افریقہ کا اسقف ہو گیا ۲ر
- ڈاکٹر جڈسن صاحب کی سرگزشت ۲ر و ۳ر

نوٹ - مسیح کا نمونہ جدا جدا سولہ حصوں میں مل سکتا ہے - حصہ اول ۱ر باقی پندرہ حصے ہر یک ۱ پائی

روحانی زندگی

- مسیحی مسافر کا احوال ۱۲ر و عہ ۴ر عہ ۱۲ر و عہ
- مسیحی کا سفر - مذکورہ بالا کا حصہ اول ترمیم شدہ ۲ر
- معہ تصویر ۳ر
- جنگ مقدس ۸ر و ۱۲ر و عہ
- تقلید المسیح حصہ اول ۴ر
- ” مکمل ۱۲ر و ۸ہر
- اگستین کے اقرارات ۱۲ر و عہ
- فضل الٰہی - مصنفہ سپرجن صاحب ۴ر

کتب مقدسہ

- بیبل شریف کامل عہ چمڑہ کی جلد عہ ۴ر
- انجیل شریف تقطیع خورد ۶ر کلاں ۱۴ر
- ” معہ زبور ۸ر
- اناجیل اربعہ تقطیع کلاں ہر ایک ۱ر خورد ۳ پائی
- توریت مقدس ۸ر
- زبور مقدس ۱ر
- صحف انبیاء ہر یک از ۳ پائی تا ۲ر

یہ کل کتابیں اور نیز مسیحی مذہب کی دیگر کتب اور بیبل اور بیبل کے حصے ایشیا اور یورپ کے مختلف زبانوں میں سوسائٹی کے کتب خانہ واقعہ انارکلی سے مل سکتی ہیں - درخواستیں مشتہر کے نام آنی چاہئیں +

المشتہر

اسسٹنٹ سکرٹری